رقصِ ابلیس



انوار صدیقی



ہولناک اور پراسرار
ماحول میں جنم لینے والی
ایک حقیقت
جو کہانی بن گئی

رقصِ ابلیس

انوار صدیقی

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور

ناشر : محمد علی قریشی
باہتمام : عبدالحفیظ قریشی
مطبع : نیئر اسد پرنٹرز' لاہور
باراول : 1998ء
سرورق : ذاکر
قیمت : -/150 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار' لاہور 2

عرض مصنف

"رقص ابلیس" اس اعتبار سے ایک منفرد ناول ہے کہ یہ کسی رسالے' ڈائجسٹ یا اخبار میں سلسلہ وار شائع نہیں ہوا۔ اسے براہ راست منظر عام پر لانے کا سہرا "مکتبہ القریش" کے روح رواں برادرم "محمد علی قریشی" کے سر ہے۔

اس سے پیشتر آپ مختلف نام سے میری سلسلہ وار کہانیاں "سونا گھاٹ کا پجاری"۔ "اذکا"۔ "غلام روحیں"۔ "اقابلا)"۔ "امبر بیل"۔ "برہمچاری"۔ "ورخشاں"۔ "طاغوت"۔ "بھنور"۔ اور "خبیث" مختلف ڈائجسٹوں اور رسائل میں پڑھ چکے ہیں۔ آپ کی پسند ان کہانیوں کی ضمانت بن چکی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو ان کہانیوں کے بے شمار ایڈیشن نہ چھپ چکے ہوتے جو ناول کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔

پراسرار علوم اور دیو مالائی کہانیوں کے بارے میں بہت لکھا جا چکا ہے' لکھا جا رہا ہے اور مزید بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ابھی باقی ہے۔

میں نے اوپر جن سلسلے وار کہانیوں کا ذکر کیا ہے ان میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے بڑے بڑے مہان دیوی دیوتاؤں کا ذکر موجود ہے۔ کسی ایسی بد روح کا ذکر شامل ہے جو نظر نہیں آتی لیکن اس کا اشارہ کھل جا سم سم سے زیادہ با اثر ثابت ہوتا ہے۔ "سفلی" کے گندے علم کے ماہرین کے غلیظ ترین اور حیرت انگیز کارنامے موجود ہیں۔ مستقبل میں جھانکنے والی ان قوتوں کا ذکر ہے جو انسان کو انگشت بدنداں کر دیتی ہیں۔ کسی ایسے علاقے کی تہذیب کی حیرت انگیز اور ہولناک رسمیں موجود ہیں جو بدن کے رونگٹے الف کر دیتی ہیں۔ جادو' ٹونے' جنتر منتر اور ٹوٹکے کے ناقابل یقین چمتکار موجود ہے یا خدا کے کسی برگزیدہ بزرگ اور مجذوب کے کرشموں اور معجزوں کو تفصیل سے اجاگر کیا گیا ہے۔

ہولناک' پراسرار اور ناقابل یقین ماحول کے پس منظر میں لکھی جانے والی کہانیاں آج بھی پڑھنے والوں کی دلچسپی کا سبب ہیں۔ ان کہانیوں کے کچھ پہلو آپ کو انتہائی حیرت انگیز اور ناقابل یقین محسوس ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

آج بھی دنیا میں ایسے کئی علاقے موجود ہیں جہاں تہذیب کا گزر نہیں ہو سکا۔ علاقائی تہذیب کے اعتبار سے وہ اپنی خود ساختہ رسموں پر بڑے فخر اور عقیدت سے عمل کرتے ہیں۔ انسان ضرورت پڑنے پر انسان کا گوشت بھی چٹخارے لے لے کر بڑے ذوق اور شوق سے کھاتا ہے۔ ستر پوشی اور رشتوں کے قید و بند سے آزاد اور

ناواقف لوگ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ سیاح حضرات آج بھی ان دور دراز حصوں، علاقوں کی کھوج میں اپنا قیمتی وقت، سرمایہ اور زندگی داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ وحشیوں کی مادر پدر آزاد کہانیاں بھی متعدد بار لکھی جا چکی ہیں۔ آثار قدیمہ نے اب تک جو کچھ برآمد کیا ہے وہی تہذیب نا آشنا لوگوں کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

لیکن لطف کی بات یہ بھی ہے کہ آج بھی کچھ ایسے ممالک دنیا کے نقشے پر موجود ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جدید ٹیکنالوجی سے پوری طرح آراستہ ہونے کے باوجود توہم پرستی کا شکار ہیں۔ بلیک میجک اور روحوں سے باتیں کرانے والے شعبدہ باز آج بھی ان پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کو اکسا کر دونوں ہاتھوں سے مال سمیٹ رہے ہیں۔ لیکن "ستی" اور "بھینٹ" کی فرسودہ رسموں کو ذریعہ نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایسے فرقے بھی (خدا معاف کرے) موجود ہیں جہاں مختلف نوعیت کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ بخشوانے کے باقاعدہ "نرخنامے" موجود ہیں۔ ایسی ایسی بیہودہ رسمیں آج بھی موجود ہیں جن کا تصور بھی گناہ ہے لیکن "بانجھ عورتیں" اپنے پتی دیو (شوہر) کو یا پھر ایک مخصوص دیوتا کو خوش یا راضی کرنے کی خاطر برہنہ رقص کر کے گود ہری کرنے پر یقین رکھتی ہیں—— یہ سب اپنے اپنے یقین، اپنی اپنی تہذیب اور عقیدے کی باتیں ہیں۔

بہرحال جن کرم فرماؤں نے میری سلسلے وار کہانیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کی گواہی ضرور دیں گے کہ میں نے باطل کو نیچا دکھا کر ہمیشہ حق کا علم بلند کیا ہے۔

"رقص ابلیس" کے بارے میں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس کی کہانی کا گراف میری دیگر تمام سلسلہ وار کہانیوں سے مختلف ہے۔ اس کا ایک ایک کردار روزمرہ کی زندگی اور معمولات سے نزدیک تر ہے۔ آپ اپنے اردگرد نظر ڈالیں، ہو سکتا ہے کہ کہانی کے کردار آپ کو اپنے قریب ہی چلتے پھرتے نظر آئیں۔

ہر کہانی کا اپنا ایک علیحدہ مزاج ہوتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ "رقص ابلیس" آپ کو "انکا" اور "اقابلا" سے زیادہ دلچسپ اور حقیقت سے قریب تر نظر آئے۔

مجھے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

انوار صدیقی

وہ سب کچھ اس قدر "آناً فاناً" ہوا تھا کہ مجھے موقع کی نزاکت کو سمجھنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ خود کار اسلحہ سے لیس پولیس والوں نے اچانک مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سب انسپکٹر انچارج مجھے اس طرح پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے میں قانون کی نظروں سے بھاگا ہوا کوئی خطرناک مجرم ہوں۔

تعلیمی اداروں میں ان دنوں ہر وقت خوف و ہراس کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ جب سے سیاسی تنظیموں نے اپنے مفاد کی خاطر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے شر پسند طلباء اور طالبات کی خرید و فروخت کا مذموم کاروبار شروع کیا تھا وہاں کی فضا بھی مکدر ہو گئی تھی۔ آئے دن ہنگاموں کا ہونا روز مرہ کا معمول بن چکا تھا۔ طلباء مختلف تنظیموں اور گروہوں میں بٹ کر رہ گئے تھے۔ ان کے لئے سیاسی تنظیموں سے وابستگی بہت زیادہ منفعت بخش ثابت ہو رہی تھی۔ شہر کے علاوہ اب کالج کی چہار دیواری کے اندر بھی جلسے اور جلوسوں کا کاروبار شروع ہو چکا تھا۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا، کیچڑ اچھالنا، بیہودہ اور فحش قسم کے نعرے بلند کرنا اور اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کو زد و کوب کرنا اور موردالزام ٹھہرانا بڑی عام بات ہو گئی تھی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ آتشی اور خود کار اسلحہ کا استعمال بھی شروع ہو گیا۔ آئے دن لاشیں گرنے لگیں چنانچہ پولیس اور قانون نافذ کرنے والوں کی مداخلت بھی ناگزیر ہو گئی۔

اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں لائبریری میں بیٹھا مطالعہ میں مصروف تھا کہ اچانک بلڑ بازی شروع ہو گئی پھر گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں بھی گونجنے لگیں

.... میرا تعلق چونکہ صرف اور صرف تعلیم حاصل کرنے والی جماعت سے تھا اس لئے ہنگامی حالات میں کالج کے احاطے سے دور نکل جانے کا قائل تھا۔ چنانچہ فضا میں بارود کی بو محسوس ہوتے ہی میں نے اپنی کتاب بند کی اور لپکتا ہوا لائبریری سے باہر آ گیا۔ شوروغل اور وقفے وقفے سے گولی چلنے کی آوازیں چونکہ صدر دروازے کی سمت سے آ رہی تھیں اس لئے میں نے عقبی راستے سے نکل جانے کو ترجیح دی لیکن ابھی میں لائبریری کی سیڑھیاں طے کر کے نیچے اترا ہی تھا کہ فائنل ایئر کا ایک طالب علم جو اندھا دھند بھاگ رہا تھا پوری شدت سے مجھ سے ٹکرا گیا۔ میں اس سے واقف تھا۔ اس کا نام شبیر تھا اور ایک ایسی تنظیم سے وابستہ تھا جو ہر قیمت پر برسراقتدار آنے کی خاطر دونوں ہاتھ سے بے دریغ پیسے لٹا رہی تھی۔ شبیر میڈیکل کالج میں اس تنظیم کے سربراہ کی حیثیت سے سرگرم عمل تھا۔ ایک ماہ قبل ایک بیگناہ طالب علم کے قتل کے سلسلے میں بھی شبیر کا نام مشتبہ افراد میں سرفہرست تھا مگر ابھی تک اس کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں ملا تھا جو اسے قانون کے شکنجوں میں جکڑ سکتا۔

بہر حال، مجھ سے ٹکرانے کے بعد شبیر کے ہاتھ میں دبا ہوا چرمی بیگ نکل کر میرے پیروں میں آ رہا اور وہ اپنی جھونک میں قلابازی کھاتا ہوا دور چلا گیا۔ اس نے خود کو سنبھالنے میں بڑی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ قدموں پر کھڑے ہونے کے بعد اس نے میری آنکھوں میں جھانکا پھر بڑے سفاک لہجے میں بولا۔ ”زندگی چاہتے ہو تو اپنی زبان بند رکھنا ورنہ ....“

پولیس کی دوڑتے ہوئے قدموں اور سیٹیوں کی آواز قریب آ رہی تھی اس لئے شبیر تیزی سے گھوما اور عقبی راستے سے نکل گیا۔ جاتے جاتے اس نے چرمی بیگ پر ایک الوداعی نظر ڈالی تھی۔ وہ اسے دوبارہ اٹھانے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا اسی لئے اس نے جاتے جاتے مجھے دھمکی دینی ضروری سمجھی تھی۔ میں جلدی سے اٹھا۔ خطرہ سر پر آنے سے پہلے میں بھی جان بچا کر موقع سے فرار ہو جانا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پولیس کی نفری نے سامنے آکر مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

پولیس سب انسپکٹر کے حکم پر ایک کانسٹیبل نے چرمی بیگ کی تلاشی لی جس میں

سے دو کتابوں کے علاوہ ایک روسی ساخت کا اعشاریہ تین آٹھ کا پستول، دو فاضل میگزین، دو پلاسٹک بم، ایک خنجر اور ایک تھیلی سے فاضل راؤنڈ برآمد ہوئے تھے۔ میرے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر سرایت کر گئی۔ پولیس سب انسپکٹر مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا مسلح سپاہیوں نے میرے اوپر رائفلیں تان رکھی تھیں۔

”کیا نام ہے تمہارا ....؟“ سب انسپکٹر نے بڑے خشک لہجے میں پوچھا۔

”رشید احمد ....“ میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

”یہ .... بیگ کس کا ہے؟“

”یہ .... یہ .... میرا نہیں ہے ....“ میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا

”تو پھر کیا تمہارے باپ کا ہے ....؟“ سب انسپکٹر کا لب و لہجہ یکلخت کرخت ہو گیا۔ ہاتھ میں دبی بید کی چھڑی کو غصے سے پتلون پر مار کر مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا .... تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ شرافت سے سب کچھ اگل دو ....“

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ شبیر کا نام لے لوں پولیس اور سنگین حالت سے گلو خلاصی کر لوں لیکن پھر میں اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ میرے ذہن میں شبیر کا جملہ صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگا۔ مجھے علم تھا کہ شبیر کی پشت پر خاصے بڑے لوگوں کا ہاتھ تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح شبیر کو قانون کے شکنجے سے بچانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے اور میرا نام ان کی ”ہٹ لسٹ“ پر سرفہرست آ جائے گا۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات کا اندیشہ بھی لاحق تھا کہ شبیر کا نام اگل دینے کے باوجود پولیس والے مجھے آسانی سے نہیں چھوڑیں گے چنانچہ میں نے ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

”ابھی ایک لڑکا مجھ سے ٹکرا کر پچھلے راستے سے فرار ہوا ہے .... یہ بیگ اسی کے ہاتھ میں تھا۔“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے جناب“ ایک کانسٹیبل نے میرے جواب کی تائید کرنی چاہی ....“

”میں نے دیکھا کہ فرار ہونے والا ....“

"تم اپنی زبان بند رکھو ...." سب انسپکٹر نے سپاہی کو سخت آواز میں سرزنش کی پھر مجھے گھور کر بولا "جو لڑکا تم نے ٹکرا کر فرار ہو گیا ہے اس کا نام کیا ہے ....؟"

"مم .... میں .... میں پوری طرح اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا" میں نے بہانہ تراشنے کی کوشش کی۔

"کیا وہ اسی کالج کا کوئی طالب علم ہے ....؟"

"جی .... میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا تم شرافت کی زبان نہیں سمجھو گے؟" سب انسپکٹر کے تیور بدلنے لگے۔

"آپ یقین کریں جناب .... میں ...."

"بکواس بند کرو ...." سب انسپکٹر میرا جواب سن کر گرجا پھر اس کے اشارے پر چار ہٹے کٹے پولیس والے مجھے اپنے نرغے میں لے کر صدر دروازے کی سمت دھکا دینے لگے۔

"میں سچ بول رہا ہوں ...." میں نے احتجاج کیا "میں ایک غریب طالب علم ہوں میرا تعلق کسی تنظیم یا جماعت سے نہیں ہے۔"

اس بار میرے جواب پر مجھے جن گندی اور غلیظ گالیوں سے نوازا گیا وہ آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ میرے ذہن میں تیز آندھیوں کے گرم جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ مجھے بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے صدر دروازے کے قریب کھڑی پولیس وین تک لے گئے۔ وہاں تماشائیوں کا اچھا خاصہ ہجوم تھا۔ کالج کا پرنسپل اور کچھ دوسرے اساتذہ بھی موجود تھے۔ پرنسپل کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ تیزی سے قریب آ کر سب انسپکٹر سے بولا "یہ .... رشید احمد .... یہ تو ہمارے کالج کا سب سے ہونہار طالب علم ہے۔ میں اس کی نصابی سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہوں .... اس کا کردار ہمیشہ بے داغ رہا ہے .... یہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔"

"یہ آپ کا خیال ہے لیکن ہم نے اسے رنگے ہاتھوں مع ثبوت کے پکڑا ہے۔"

سب انسپکٹر نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر اس کے حکم پر بیگ کی اشیاء دوبارہ باہر نکالی گئیں تو پرنسپل کے علاوہ دیگر اساتذہ کی آنکھیں بھی فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں

"رشید احمد ...." پرنسپل نے مجھے مخاطب کیا .... "یہ سب میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"میں قسم کھاتا ہوں سر ...." میں نے بڑی حسرت بھری آواز میں پرنسپل کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی "اس بیگ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر .... یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

میری زبان پر ایک بار پھر شبیر کا نام آتے آتے رہ گیا۔ میرے گرد پولیس اور طلباء کا ہجوم تھا اس میں کچھ ایسے طلباء بھی شامل تھے کہ جن کا تعلق اسی تنظیم سے تھا شبیر جس کا عہدیدار تھا۔ زبان کھولنے کی صورت میں ان کے عتاب کا نشانہ بن سکتا تھا۔ ان کے دراز ہاتھ سمندر کی تہہ میں ڈوب جانے کے بعد بھی میری شہہ رگ تک پہنچ سکتے تھے۔ میں حالات کے شکنجے میں بری طرح جکڑ کر رہ گیا تھا۔ میرے لئے لب کشائی مناسب نہیں تھی۔

"تم مجھے بیگ کے مالک کا نام بتا دو" پرنسپل نے ہمدردی کا اظہار کیا "میں تمہیں اپنی ضمانت پر رہا کرا سکتا ہوں۔"

"وہ مجھ سے ٹکرا کر بھاگ نکلا تھا سر........." میں نے ایک آخری کوشش کی "میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکا۔"

"تھانے پہنچ کر تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا" سب انسپکٹر نے جھلا کر کہا پھر پرنسپل سے بولا "آپ نہیں جانتے سر .... یہ جو دہشت گردی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس نے ان کو بڑا ڈھیٹ اور سخت جان بنا دیا ہے۔ یہ محبت اور شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔ قتل و غارت گری ان کے لئے کھیل تماشہ بن گیا ہے۔ یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ تخریبی سرگرمیوں نے ان کے ظاہر و باطن کے فرق کو بھی مٹا دیا ہے۔ اب یہ لاتوں کے بھوت بن چکے ہیں۔ باتیں ان پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔"

میرے اندر ایک عجیب سی کشمکش تھی۔ میرا ماضی میرے وجود کے احاطے میں گردش کر رہا تھا۔ ایک والد کے سوا اس دنیا میں میرا کوئی دوسرا سہارا نہیں تھا' اس نے محنت مزدوری کر کے مجھے تعلیم دلوائی تھی' اپنی تمام جمع پونجی گروی رکھ کر اس نے اس امید پر مجھے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر شہر بھیجا تھا کہ جب میں کامیابی کے مدارج طے کر کے ڈاکٹر بن جاؤں تو وہ فخر سے اپنا سربلند کر سکے گا۔

میں نے باپ کی خواہش کو پایۂ تکمیل پہنچانے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ دن رات محنت کی تھی' پڑھائی کے ساتھ ساتھ میں اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کی خاطر ٹیوشن بھی کرتا تھا' باپ کی دعائیں میرے ساتھ تھیں اس لئے قدرت بھی میری مدد کر رہی تھی۔ میں خدا کے فضل و کرم سے ہر سال فرسٹ پوزیشن حاصل کرتا رہا .... زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی کہ اچانک ایک بھونچال آگیا۔

میری تعلیم مکمل ہونے میں صرف دو سال باقی تھے۔ میری منزل قریب آ رہی تھی' مستقبل کی خوشیاں میرے وجود کے اندر کسمسانے لگی تھیں' میرے خواب شرمندہ تعبیر ہونے والے تھے۔ میڈیکل کالج کے تمام طالب علم اور اساتذہ مجھے محبت کی نظروں سے دیکھتے تھے' پرنسپل نے میری نصابی سرگرمیوں اور کامیابیوں سے خوش ہو کر میرے لئے وظیفہ منظور کر دیا تھا۔ میں نے طے کر رکھا تھا کہ ڈاکٹریٹ کے بعد میں دکھی' مظلوم اور غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا' بنی نوع انسانوں کی خدمت اور چارہ گری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔ اپنے بوڑھے باپ کو فرش کی پستیوں سے نکال کر عرش کی ان بلندیوں تک لے جاؤں گا جس کی خاطر اس نے اپنے گاڑھے پسینے کی تمام جمع پونجی داؤ پر لگا کر مستقبل کے حسین خواب دیکھے تھے ....

لیکن .... مخالف سمت سے آنے والے ایک ہی پتھر نے ہمارے شیشے کے تاج محل کو چکنا چور کر دیا تھا۔ اس کی کرچیاں مجھے لہولہان کر رہی تھیں۔ میں اپنے ہی جیسے جیتے جاگتے انسانوں کے ہجوم کے درمیان تماشہ بنا کھڑا تھا۔ وہ چہرے جو کل تک اپنے اپنے سے نظر آتے تھے اس وقت بڑے اجنبی اور لاتعلق دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے حالات کی ستم ظریفی پر ہنسی آگئی۔ اندھیرے اتنی برق رفتاری سے میری جانب لپکے تھے کہ خود میرا اپنا سایہ بھی میرا ساتھ چھوڑ گیا تھا

"کس سوچ میں گم ہو پتر .... ابھی وقت ہے' سچ اگل دو تو بچ جاؤ گے ورنہ حوالات کی سیر کرنی ہوگی" سب انسپکٹر کی سرد آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ وہ بڑی رعونت سے کہہ رہا تھا "کیوں اپنی اچھی بھلی کھال کے دشمن ہو رہے ہو .... ایک بار پرچی کٹ گئی تو ہمیشہ کے لئے مجرموں کی فہرست میں شمار کئے جاؤ گے۔"

میں نے باری باری پرنسپل اساتذہ اور پھر ہجوم کی جانب دیکھا۔ مخالف تنظیم کے لڑکوں کی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی تھیں۔ میں نے ان سے نظریں پھیرلیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ میں نے خود کو سچ اگل دینے کی خاطر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن میری بنیادی کمزوری اور شرافت میرے آڑے آگئی' موت کا خوف مجھے ہراساں کرنے لگا۔ میں کمزور تھا اس لئے طاقت سے ٹکرانے سے گھبرا رہا تھا یا پھر وہ میری بزدلی تھی جس نے مجھے زبان بند رکھنے پر مجبور کر رکھا۔

کاش .... میں نے اس وقت بے جگری کا مظاہرہ کیا ہوتا تو شاید ان اندھیروں اور تاریکیوں میں نہ بھٹک رہا ہوتا جس کی اذیتناک داستان سنانے کی خاطر میں نے آج قلم اٹھایا .... مگر .... کاتب تقدیر کو شاید یہی منظور تھا۔ قسمت کے لکھے کو بھلا کون مٹا سکتا ہے۔

میری مسلسل خاموشی نے قانون کے ہاتھ دراز کر دئے۔ سب انسپکٹر نے کچھ دیر بمشکل ضبط سے کام لیا پھر اس کے اشارے پر پولیس والوں نے ڈنڈا ڈولی کر کے مجھے بھی زبردستی اس گاڑی میں ٹھونس دیا جس میں پچیس تیس طلباء پہلے سے موجود تھے۔ مجھے اس بھیڑ بھاڑ میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں اس ماحول کا عادی نہیں تھا لیکن اس سے فرار حاصل کرنا میرے اختیار میں بھی نہیں تھا۔

ہماری منزل ایک تھانہ ثابت ہوئی۔ طلباء اور مشتبہ افراد کی تعداد زیادہ تھی اس لئے بے زبان مویشیوں کی طرح الگ الگ باڑوں میں بانٹ دیا گیا۔ مجھے جس تھانے میں رکھا گیا وہاں میرے ساتھ میرا ایک سینئر طالب علم بھی موجود تھا۔ ہم اس وقت تک چونکہ باقاعدہ مجرم نہیں سمجھے جا رہے تھے اس لئے ہمیں مستند مجرموں سے الگ تھلگ ایک علیحدہ حوالات میں رکھا گیا جہاں دو مسلح کانسٹیبل نگرانی پر پوری طرح

چوکس نظر آرہے تھے

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے عقلمندی سے کام لیا" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد دوسرے طالب علم نے مجھ سے سرگوشی کی "شبیر کا نام زبان تک لانے کے بعد تم کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو سکتے تھے۔"

"تم ....؟" میں نے اسے پوری توجہ سے دیکھا۔

"میرا نام غفور راجپوت ہے" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا "میرا تعلق بھی اسی تنظیم سے ہے جس کا ایک رکن شبیر بھی ہے۔"

"اب ہمارا کیا ہوگا ....؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا

"کچھ بھی نہیں ...." وہ مسکرایا "دو چار روز پولیس ہمیں بطور مہمان رکھے گی پھر باعزت طور پر رہا کر دے گی۔ جن بڑے لوگوں سے ہمارا تعلق ہے پولیس بھی ان کے حکم سے باہر نہیں ہے .... ضابطے کی کارروائی دنیا دکھاوے کی خاطر عمل میں لائی جاتی ہے .... نورا کشتی سمجھ لو۔"

"تمہاری اور بات ہے لیکن .... میرے نام کے ساتھ وہ چرمی بیگ بھی نتھی کر دیا گیا ہے جس میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔" میں ہونٹ چبا کر بولا۔

"تم چاہو تو وہ بیگ تمہارے کھاتے سے نکالا بھی جا سکتا ہے۔"

"وہ کس طرح ....؟" میں نے تعجب سے پوچھا

"ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔" اس نے دبی زبان میں کہا "ہماری تنظیم کو تم جیسے ہونہار طالب علموں کی ضرورت بھی ہے .... سوچ لو .... ساری زندگی عیش کرو گے۔"

"اور بیگ سے برآمد ہونے والے آتشی اسلحہ کا کیا ہوگا؟" میں نے وضاحت چاہی

"اس کی فکر مت کرو۔ وہ بیگ اصل مجرم کے نام چڑھا دیا جائے گا۔"

"کیا مطلب ...." میں نے چونک کر پوچھا "کیا تنظیم میں میرے شامل ہونے کے بعد شبیر اپنے جرم کا اعتراف ...."

"غلط سمجھے ...." غفور راجپوت نے تیزی سے کہا "پولیس کے پاس ایسے

مجرموں کی کوئی کمی نہیں ہوتی جن کے نام پر وہ کیس بھی درج کروائے جاتے ہیں جن کا تعلق ان کے فرشتوں کی ذات سے بھی نہیں ہوتا ...."

"اور کوئی اس دھاندلی پر احتجاج نہیں کرتا ....؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جو اصل مجرم ہوتے ہیں وہ بھی شرافت سے ایسے جرم کا اقبال نہیں کرتے۔ وہ بھی احتجاجی ہتھکنڈے اختیار کرکے خود کو بیگناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اب قانون کی نظروں میں احتجاج کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی' فیصلہ ہمیشہ اسی کے حق میں ہوتا ہے جس کی سمت انصاف کی ترازو کا پلڑا جھک جائے۔ اس کے لئے اوزان کی ضرورت ہوتی ہے جو ہماری تنظیم کے پاس وافر مقدار میں موجود ہے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس وقت اس کی باتوں کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔ میں سچائی کی راہ کا مسافر تھا میں نے حق کا علم بلند کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ میرے ضمیر میں اس وقت زندگی کی حرارت باقی تھی اس لئے میں نے غفور راجپوت کی پیشکش قبول نہیں کی۔ میں بے قصور تھا۔ مجھ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا اس لئے مجھے یقین تھا کہ قدرت میری مدد ضرور کرے گی۔

غفور راجپوت میرا انکار سن کر عجیب انداز میں مسکرایا پھر اس نے مجھ سے مزید گفتگو نہیں کی۔ میں نے بھی اپنی توجہ دوسری جانب مبذول کر لی۔ کچھ وقت خاموشی سے گزر گیا پھر وہی سب انسپکٹر آگیا جس مجھے حراست میں لیا تھا

"اب تمہارا کیا بیان ہے؟" اس نے خشک اور سپاٹ آواز میں سوال کیا "کیا اب بھی تمہیں بیگ والے کا نام یاد نہیں آیا؟"

"جب میں نے سرے سے اس کی شکل ہی نہیں دیکھی تو اس کا نام کس طرح جان سکتا ہوں؟" میں اپنے سابقہ بیان پر ڈٹا رہا۔

"ایک آخری بار اور غور کر لو میری جان کے ٹکڑے ...." وہ بازاری انداز میں مسکرایا "تمہاری نرم کھال پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹ منٹ کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ ہمارے پاس زبان کھلوانے کی خاطر بیشمار مجرب اور آزمودہ نسخے موجود ہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا اگلوانا چاہتے ہیں ....؟" میں بے بسی سے پوچھا۔

"وہی .... جو تم نے نہیں دیکھا ...." سب انسپکٹر نے معنی خیز انداز میں سرگوشی کی۔

"کیا مطلب ....؟" میں اس کے جملے کی ساخت پر پریشان ہو گیا۔

"مطلب بہت صاف ہے" وہ سرسراتی آواز میں بولا "تم کاظم پاشا کے نام سے ضرور واقف ہو گے!"

"جی ...." میں چونکا۔

"جی ...." اس نے مجھے پیار سے سمجھایا "تمہیں صرف اتنا بیان دینا ہے کہ جو لڑکا تمہارے پاس بیگ رکھ کر بھاگا تھا وہ کاظم پاشا کے سوا کوئی اور نہیں تھا ...."

"یہ سراسر جھوٹ ہے ...." میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا

"سچ تم بھی نہیں بول رہے ہو" سب انسپکٹر غرایا "اور اگر تم نے سچ کہا بھی تو ہم اس پر یقین نہیں کریں گے۔"

"تو کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ چرمی بیگ ...."

"آہستہ بولو بھولے بادشاہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں" وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبی زبان میں بولا "تم جس کا نام چھپانے کی کوشش کر رہے ہو ہم نے جان بوجھ کر اسے فرار ہونے کا موقع فراہم کیا تھا .... تم ہماری بات مان لو ہم پھانسی کا پھندا تمہارے گلے سے اتار کر کاظم پاشا کی گردن میں فٹ کر دیں گے .... تم دودھ کی مکھی کی طرح کیس سے نکل جاؤ گے۔"

سب انسپکٹر کی بات سن کر میں ششدر رہ گیا' وہ شبیر کی حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اسے قانونی تحفظ دینے کا خواہشمند تھا .... آخر کیوں؟ کاظم پاشا نا کردہ گناہوں میں کس مقدمے میں ملوث کیا جا رہا تھا؟ .... اس کا مقصد کیا تھا؟ .... اور .... پولیس سب انسپکٹر قانون کا ایک ذمہ دار نمائندہ ہونے کے باوجود سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے پر کیوں تلا بیٹھا تھا؟ کیا وہ قانون کی وردی پہن کر بھی کسی تنظیم کے جرائم کی پشت پناہی کرنے پر مجبور تھا؟ .... آخر کیوں؟ کیا وہ

بھی میری طرح موت سے خوف زدہ تھا .... یا .... بکاؤ مال کی طرح کسی کے ہاتھوں فروخت ہو چکا تھا؟

میرے ذہن میں مختلف سوالات گڈ مڈ ہو رہے تھے۔میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے سب انسپکٹر کو دیکھتا رہا جو اپنی خوبصورت اور پر وقار وردی میں اب بڑا مکروہ نظر آرہا۔ پھر میرے ذہن میں کاظم پاشا کا تصور ابھرا۔ مجھے اس بات کا بخوبی علم تھا وہ بھی ایک تنظیم کا نمائندہ تھا لیکن گولیوں اور بندوق کے زور پر سیاست چمکانے کے بجائے وہ انسانیت کی بقا اور مذہب کے پھیلاؤ کی خاطر جہاد میں مصروف تھا۔ کئی بار مخالف گروہ کے افراد اس پر قاتلانہ حملہ کر چکے تھے لیکن ہر بار اس کی کوئی نیکی کام آگئی تھی .... مخالف تنظیموں کے سربرآوردہ لوگوں نے اسے منہ مانگے داموں کے عوض خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر وہ کسی آہنی چٹان کی مانند اپنے اصولوں پر ڈٹا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ موت برحق ہے اس لئے اس نے کبھی موت سے خوفزدہ ہو کر اپنی بزدلی کا ثبوت نہیں دیا تھا

کاظم پاشا کی آزادی دوسری تنظیم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی۔ کاظم پاشا کی باتوں میں جادو تھا۔ طلباء کی کثیر تعداد اس کے جلسوں میں شریک ہو کر اس کی باتوں کو بہت غور سے سنتی تھی .... شاید اسی لئے دشمن اس کے اجلے دامن کو داغدار کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اسے ہر قیمت پر راستے سے ہٹانے کے خواہش مند تھے .... میرے ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں۔ سب انسپکٹر یقیناً دوسری پارٹی کی طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد اپنی وفاداریاں فروخت کر چکا تھا اور اب وہ میرے بیان کی روشنی میں کاظم پاشا کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے خواب دیکھ رہا تھا' میرے ذہن کو اس منفی سوچ سے دھچکا لگا۔ میری نگاہوں میں اس کے لئے نفرت اور حقارت کا جذبہ بیدار ہونے لگا۔

"کس سوچ میں غرق ہو میری جان!" وہ میرے قریب آکر بولا "میری بات مان لو بڑے فائدے میں رہو گے۔"

"سوری سب انسپکٹر ...." میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا "میں کسی بیگناہ کے خلاف کوئی تحریری بیان دینے کو تیار نہیں ہوں۔"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ....؟" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

"میں اپنی بات مکمل کر چکا ہوں ...." میں نے سپاٹ آواز میں کہا "فیصلہ اب تمہیں کرنا ہے۔"

میرے جواب نے اسے چونکا دیا۔ شاید اسے مجھ سے اتنے کھرے جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے حقارت کے شعلے ابلنے لگے۔ اس کی کیفیت کسی ایسے آدمخور سے مختلف نہیں تھی جو اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے کسی معصوم اور بے بس جانور کو بدترین حالات سے دوچار کر کے لقمہ اجل بنانے کے طریقے پر غور کر رہا ہو، خاصی دیر تک وہ مجھے مختلف زاویوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے دو ہٹے کٹے سپاہیوں کو بلا کر کہا :

"یہ موصوف تمہارے مہمان ہیں .... ان کو بڑی عزت اور احترام سے لے جاؤ .... اس بات کا خیال رہے کہ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔"

اس کے بعد وہی ہوا جو ایسے موقعوں پر ہوتا چلا آیا ہے۔ دونوں سپاہی مجھے ڈنڈا ڈولی کر کے ایک خالی کمرے میں لے گئے جو غالباً" مجرموں کو اذیتیں پہنچانے کے لئے مخصوص تھا .... وہاں ان دونوں سپاہیوں نے جس بیدردی سے مجھے زد و کوب کیا، جس انداز میں میری عزت کی دھجیاں اڑائی گئیں .... جن نازیبا اور ہولناک طریقوں کو میرے جسم کے نازک حصوں پر آزمایا گیا اس کی تفصیل بیان سے قاصر ہے۔ وہ مجھے مغلظات گالیاں سنا رہے تھے۔ مجھے اذیتیں پہنچانے میں انہیں خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ میں درد و کرب سے بلبلا کر چیختا تو وہ بے تحاشہ قہقہہ لگانے لگتے پھر ان کے گھونسوں، لاتوں اور تھپڑوں میں اور شدت پیدا ہو جاتی۔ جلتی ہوئی سگریٹ سے وہ مجھے داغتے تو حلق پھاڑ کر چلانے لگتا پھر میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ میں بیہوشی سے دوچار ہو کر عارضی طور پر پرسکون ہو گیا۔ ایک ہفتے تک مجھ پر شب و روز تشدد ہوتا رہا پھر تھک ہار کر انہوں نے مجھے عدالت کے روبرو ایک خطرناک مجرم کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ میرے خلاف جھوٹی گواہی گزاری گئیں، میری ذات کئی ایسے قتل و غارت گری کے پرانے حادثات کو منسوب کر دیا گیا جو نہ جانے کب سے

پولیس کے سرد خانے میں پڑے تھے۔

انصاف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے معزز ججوں اور مجسٹریٹوں نے میرے جرائم کی تفصیل کو غور سے سنا۔ پولیس اور مختلف محکموں کی رپورٹیں طلب کی گئیں۔ گواہوں سے جرح کا سلسلہ چلتا رہا، ضروری کاغذات کی چھان بین کی گئی۔ شہادتوں کو پرکھا گیا پھر مجھ پر فرد جرم عائد کر دی گئی۔ یہ سب یک طرفہ کارروائی تھی۔ میں نے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک پورے گروہ کے خلاف مجھ اکیلے اور بے یار و مددگار شخص کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں نے اپنی زبان بند کر لی تھی چنانچہ میری خاموشی کو بھی میرے خلاف ایک اہم ثبوت سمجھا گیا اور آخرکار بغیر کسی جرم کی پاداش میں تین سال قید با مشقت کا حکم سنا دیا گیا۔

میری ماضی کی درد ناک داستان بہت طویل ہے۔ ان زیادتیوں کا کوئی تدارک ممکن نہیں ہے اس لئے میں اسے دہرانا بھی نہیں چاہتا۔ میں مجبور تھا اس لئے میں نے حالات سے سمجھوتا کر لیا شاید یہی وجہ تھی کہ میں جیل اور پھر حوالات کی سختیاں اور صعوبتیں بھگتتے بھگتتے ظلم برداشت کرنے کا عادی ہو چکا تھا یا یوں سمجھ لیں کہ میری غیرت کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ ایک تنہا شخص کسی باضابطہ اور طاقت ور جرائم پیشہ ٹولے کے مقابلے میں کیا کر سکتا تھا چنانچہ میں نے مہربلب رہنے میں ہی عاقیت سمجھی تھی۔ البتہ جس دن مجھے سزا سنائی گئی اس روز میں نے فاضل جج کو بڑی تشکرانہ نظروں سے دیکھا تھا شاید اس لئے کہ اس کے فیصلے نے مجھے ایک کرب مسلسل سے نجات دلا دی تھی۔

میں سر جھکا کے خاموشی سے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے کی خاطر چلا گیا۔ مجھے امید تھی کہ رفتہ رفتہ میں ہر بات کا عادی ہو کر اذیتوں سے چھٹکارہ حاصل کر لوں گا لیکن دو ماہ بعد پھر مجھے ایک سانحے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس روز میں آہنی سلاخوں کے پیچھے سنگلاخ زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنے روز و شب کا حساب کر رہا تھا جب ایک سپاہی نے سلاخوں کے قریب آ کر بڑی کرخت اور نفرت بھری آواز میں مخاطب کیا تھا :

"قیدی نمبر دو سو اکیس .... تیری ملاقات آئی۔"

مجھے اپنی قوت سماعت پر شبہ ہو رہا تھا۔ کون تھا جو مجھ سے ملنے آ سکتا ہے۔ میں نے سوچا پھر جب ملاقاتیوں والے کمرے میں جا کر آنے والی کی شکل دیکھی تو دل تھام کر رہ گیا .... وہ میرا بوڑھا باپ تھا جس نے مجھ بد نصیب کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھا تھا۔ میرے کرم فرماؤں نے شاید اس غریب تک بھی میری بربادی کی روداد پہنچا دی تھی۔ وہ بڑی دیر مجھے پھٹی پھٹی حسرت بھری نظروں سے گھورتا رہا پھر رندھی رندھی آواز میں بولا :

"یہ کیا ہو گیا شیدے .... یہ کیا کر دیا تو نے؟ میری ساری محنت اکارت کر دی .... پانی پھیر دیا ...."

میں اس کے استفسار پر تڑپ کر رہ گیا۔ میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن اب اس کا وقت گزر چکا تھا .... میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے غمناک نظروں سے بڑھے اور لاغر باپ کے متزلزل وجود کو دیکھتا رہا۔

"کہہ دے شیدے کہ یہ سب جھوٹ ہے" وہ رونے لگا "تو نے کوئی جرم نہیں کیا .... تو بے قصور ہے۔"

میں نے جواب میں اپنے ہونٹوں کو اور سختی سے بھینچ لیا۔

"تو چپ کیوں ہے شیدے .... میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتا" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ شاید میری خاموشی اسے گراں گزر رہی تھی، شاید میرے چپ رہنے سے وہ بھی میری طرف سے مشکوک ہونے لگا تھا۔

"یہاں .... ان سلاخوں کے پیچھے بے گناہ نہیں .... صرف مجرم آتے ہیں" میں نے سرد آہ بھر کر آہستہ سے کہا۔

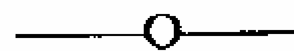
"کیا ....؟" اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، حیرت سے بولا "کیا کہہ رہا ہے شیدے .... کیا تو اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہے؟"

"اب انکار کرنے سے حاصل بھی کیا ہوگا ...." میں تڑپ کر رہ گیا۔

"پھر .... تو میرے لئے مر چکا ہے" وہ دیوانوں کی طرح چیختا ہوا جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرے جواب نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس کے خواب یکلخت چکنا چور ہو گئے تھے۔ غم کی شدت نے اچانک اس کے ذہن کو بھی متاثر

کر دیا تھا، وہ دیوانوں کی طرح دور کھڑا مجھے دیکھتا رہا پھر حقارت سے بولا "تو میرا شیدا نہیں ہے .... وہ .... وہ مر چکا ہے .... ہاہا .... ہاہا .... میرا شیدا مر چکا ہے .... مر چکا ہے۔"

میرا بوڑھا باپ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ دیوانوں کی طرح چیخ رہا تھا، شاید اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا تھا۔ میں سلاخوں کے پیچھے کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا پھر ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑا اور بڑی بے رحمی سے گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا .... میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ خاموشی سے سر جھکائے دوبارہ اپنی کال کوٹھڑی میں چلا گیا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتے کے بعد میرے ایک واقف کار نے اطلاع دی تھی کہ میرا باپ سڑک عبور کرتے ہوئے ایک کار کی لپیٹ میں آکر دنیا کے ہنگاموں سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو گیا۔ اس روز میں پہلی بار اپنی بد نصیبی/بدقسمتی پر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا لیکن ان آنسوؤں کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا .... !



دو سال کی قید مشقت نے مجھے خاصہ سخت جان بنا دیا تھا۔ اس مدت میں میں نے بہت سے ہنر سیکھ لئے تھے۔ جن لوگوں نے جیل کے اندر کی زندگی کو غور سے نہیں دیکھا وہ سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں لیکن اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربوں کے سبب کچھ بڑے وثوق سے تحریر کر رہا ہوں۔

جیل .... جہاں ایک مجرم کو قید کر کے اس کے کئے کی سزا دی جاتی ہے وہی حالات کے پیش نظر اس کے لئے کسی جرم ساز فیکٹری کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ اپنی سزا کاٹ کر جب وہ باہر آتا ہے تو پہلے کے مقابلے میں زیادہ بڑا جرائم پیشہ بن جاتا ہے اس لئے کہ جیل کے اندر اسے چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے علاوہ بھی جرم سے متعلق ہر شعبے کی وہ تربیت حاصل ہو جاتی ہے جو اسے آزاد ماحول میں میسر نہیں آتی۔ جس طرح کسی یونیورسٹی میں بہت سارے شعبے مختلف موضوعات کی تعلیم دیتے ہیں اسی طرح جیل کی دنیا میں بھی ہر فن کے ماہر اور تجربہ کار استاد ہوتے ہیں جو اپنا زہر دوسروں کے اندر منتقل کرنے کی خاطر مفت خدمات انجام

دیتے ہیں۔ خاص طور پر وہ قیدی جو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہوتے ہیں بہت جلد انتقام اور بغاوت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ انتقام کا جذبہ ان کے اندر چھپے ہوئے شیطان کو جھنجوڑ کر بیدار کر دیتا ہے پھر وہ اپنے ساتھ ظلم اور ناانصافی کا بدلہ دوسروں سے لیتے ہیں اور یہ سلسلہ تادیر قائم رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا میں کچھ عرصے تک جرم اور تشدد کے ماحول سے بچ بچا کر قدم اٹھاتا رہا لیکن ماحول میں پرورش پانے والے بٹے کٹے جرثوموں نے مجھے زیادہ دنوں ثابت قدم نہیں رہنے دیا۔

مجھے جیل کی جس بیرک میں رکھا گیا تھا وہاں مقررہ سے زیادہ تعداد میں قیدیوں کو ٹھونس دیا گیا تھا چنانچہ سکون کا ایک سانس لینے کی خاطر بھی ہر فرد کو حسب استطاعت دھینگا مشتی سے اپنے لئے جگہ بنانی پڑتی تھی۔ جو زیادہ طاقت ور ہوتا تھا وہ اپنے لئے زیادہ جگہ بنا لیتا تھا۔ اور دوسروں پر حکم بھی چلاتا تھا۔ کمزور قیدی سمٹ سمٹا کر گزر کرنے پر مجبور تھے۔ میں بنیادی طور پر شریف تھا' امن پسند تھا اس لئے چار چھ ماہ تک صبروشکر سے کسی نہ کسی طرح تنگی ترشی میں گزارا کرتا رہا مگر ایک دن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔

ہماری بیرک میں ایک خطرناک عادی مجرم شیرا بھی قید تھا۔ وہ پہلے بھی متعدد بار جیل آ چکا تھا اس لئے نئے قیدیوں کے مقابلے میں وہ کہیں زیادہ تجربہ کار تھا۔ اس کے کچھ چیلے اور گرگے بھی اس کے ساتھ تھے جو شب و روز اس کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور دوسروں کو شیرا کی برتری کا احساس دلا کر خوفزدہ کرتے رہتے تھے۔ یوں بھی شیرا کی بھاری بھرکم اور دہشتناک شخصیت ہی اتنی کافی تھی کہ کوئی اس سے نظر ملانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اس کے چہرے کے متعدد گہرے زخم اس بات کی ترجمانی کرتے تھے کہ وہ کس کینڈے کا بدمعاش ہے۔ اس کی آواز میں خطرناک بادلوں جیسی گھن گرج موجود تھی۔ لوگوں کے بیان کے مطابق شیرا کے لئے موت اور زندگی کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ کہنے کو وہ بھی قید مشقت کی سزا پوری کر رہا تھا لیکن اس نے کبھی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دن بھر ٹانگ پسارے آرام سے بیٹھا دوسروں سے خدمت کراتا رہتا تھا۔ اس کے چیلے ذرا ذرا سی بات کو طول دینے کے عادی تھے۔ دن بھر دوسروں کو تنگ کرنا خود ساختہ اور گندی گندی گالیوں سے نوازنا ان کا محبوب مشغلہ

تھا۔ بیہودہ اور شرمناک لطیفے سنانا اور اس پر پاگلوں کی طرح گلے پھاڑ پھاڑ کر قہقہہ لگانا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ڈیوٹی پر ملمور سنتری سے لے کر اوپر تک کے بیشتر افسروں کی خرچی بندھی ہوئی تھی اس لئے وہ شیرا اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے آنکھیں بند ہی رکھتے تھے۔

شیرا میں جہاں لاتعداد برائیاں تھیں وہاں کچھ خوبیاں بھی تھیں۔ وہ بلا وجہ کسی کو ذلیل کرنے یا گالی گفتار کا عادی نہیں تھا۔ بہادروں کی عزت کرتا تھا اور شریفوں کا راستہ کاٹنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ ہر شخص کی طرح شیرا نے بھی اپنے لئے کچھ زریں اصول بنا رکھے تھے جس پر وہ سختی سے عمل کرنے کا عادی تھا۔

میں یہاں شیرا کا ذکر تفصیل سے بطور خاص اس لئے کر رہا ہوں کہ جیل میں اسی نے مجھے طاقت کا وہ نایاب اور انمول نسخہ گھول کر پلا دیا تھا جو میرے لئے ہمیشہ کار آمد ہی ثابت ہوتا رہا۔ جرائم کی دنیا میں وہی میرا پہلا استاد تھا جس نے گھناؤنی دنیا میں کھل کر آزادی اور اطمینان کا سانس لینے کا گر سکھایا تھا۔ ان تمام داؤ پیچ سے آگاہ کیا تھا جو مخالف کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ خاص طور اس نے مجھے چاقو زنی کے فن میں طاق کر دیا تھا۔ آتشی اسلحہ کا استعمال وہ شاذ و نادر ہی کرتا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو اذیتیں دے کر لحہ لحہ .... سسک سسک کر مرتے دیکھ کر خوش ہونے کا عادی تھا۔

شیرا اور میری دوستی کا قصہ خاصہ دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ مجھے شیرا والی بیرک میں منتقل ہوئے تقریباً"دو ماہ ہو چکے تھے۔ اس وقت تک میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا تھا اس لئے میں بلا چوں چرا شیرا اور اس کے ساتھیوں کی برتری کو سر جھکا کر تسلیم کرتا رہا لیکن ایک دن حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ میں خاموش نہ رہ سکا۔ شیرا کے خاص بندے خان دلاور نے جس نے اس روز خاصی چڑھا رکھی تھی نہ جانے کیوں ترنگ میں آ کر مجھے پریشان کرنے کی ٹھان لی۔ اس روز میں دن بھر کی بیگار ٹالنے کے بعد بیرک میں واپس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ خان دلاور نے اپنی بڑی بڑی موچھوں کی تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"شہزادے .... یہ تو ہر وقت لگائیوں کی طرح بدن سمیٹے الگ تھلگ کیوں دبکا

رہتا ہے' کہیں تیری جنس تو تبدیل نہیں ہو رہی؟"

میں نے خان دلاور کو گھور کر دیکھا۔ اس کے ساتھی جنس تبدیل ہونے والی بات سن کر قہقہہ لگانے لگے لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ابے .... یہ بانکیں چتون کے تیر چلانے کہاں سے سیکھ لئے؟" خان دلاور نے بڑے بازاری انداز میں کسی پیشہ ور عاشق کی طرح سینے پر ہاتھ مار کر کہا "قسم اونچے جھنڈے والے پیر کی .... اگر تو عورت ہوتا تو پورے کا پورا محلّہ تباہ کر دیتا۔ ایک ساتھ دس بارہ جنازے اٹھتے۔"

خان دلاور کے ساتھی ہنستے رہے تو وہ اور بے باک ہونے لگا۔ اول فول بکتا رہا۔ میں اس کی باتوں کو طرح دیتا رہا۔ مجھے مارپیٹ' ہاتھا پائی اور لڑائی جھگڑے کا کوئی عملی تجربہ نہیں تھا جبکہ خان دلاور کو شیرا کا دست راست ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے کوئی احتجاج کیا تو وہ سارے کے سارے شہد کی مکھیوں کی طرح مجھ پر ہلہ بول دیں گے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ ڈیوٹی پر تعینات جیل کا عملہ بھی تگڑی بندھی آمدنی کی وجہ سے شیرا اور اس کے ساتھیوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ شیرا کو اسی وجہ سے جیل کی حدود کے اندر بھی وہ تمام جائز اور ناجائز اشیاء ایک معقول معاوضہ کے عوض فراہم کر دی جاتی تھیں جو بازاروں میں مشکل سے دستیاب ہوتی تھیں۔ ان ہی مراعات نے شیرا اور اس کے گرگوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ سینہ تان کر دندناتے پھرتے تھے اور انہیں کوئی روکنے یا ٹوکنے والا نہیں تھا۔ البتہ جب اوپر سے کوئی انسپکشن ٹیم جیل کا راؤنڈ لگانے آتی تھی تو شیرا اور اس کے ساتھی جیلر اور دیگر عملے کے بے حد اصرار پر وقتی طور پر اپنی کینچلی بدل لیا کرتے تھے۔

"ایک بات تو بتا پیارے ...." خان دلاور نے ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتارنے کے بعد بڑے بیہودہ انداز میں کہا "یہ تو غلطی سے جیل کی کوٹھری میں کیسے آ گیا .... ابھی تو تیرا جوبن بھی نہیں ڈھلا' تجھے کسی مالدار اور شوقین آدمی کی کوٹھی میں اس کے نرم گرم بستر پر ہونا چاہئے تھا۔"

شیرا کے ساتھیوں نے قہقہہ لگایا تو میں چپ نہ رہ سکا۔

"خان دلاور' کیا تم شرافت سے باز نہیں آؤ گے؟" نہ چاہنے کے باوجود وہ جملہ میری زبان سے سرک گیا۔ شاید میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔

خان دلاور نے میرے لہجے کی تلخی محسوس کی تو اس کے تیور یکلخت بدل گئے۔ اس کے ساتھی بھی مجھے ٹیڑھی نظروں سے گھورنے لگے۔ ماحول میں اچانک کھچاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ غیر متعلقہ قیدی بھی سہم کر اپنی جگہ دبک گئے۔ مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس بڑی شدت سے ہوا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

"ابے او نطفہ نا تحقیق ...." خان دلاور نے بڑے غصے میں مجھے ایک گندی گالی سے نوازتے ہوئے کہا "کل کا چھوکرا اور خان دلاور کو آنکھیں دکھاتا ہے .... چل اٹھ' ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ نہیں تو ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر جسم سے الگ کردوں گا .... کیا سمجھا؟"

"زبان کو لگام دو خان دلاور" میں اس کی گالی ہضم نہ کر سکا "میں تمہیں اپنی ماں اور بہن کی شان میں گستاخی کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

جواب سن خان دلاور کسی آدمخور چیتے کی سی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے ساتھ ہی اس نے نیفے میں اڑسا ہوا رامپوری چاقو بھی نکال کر کھول لیا۔ اس کی خونخوار آنکھیں میرے وجود پر جم کر رہ گئی تھیں اس کے تیور بے حد خطرناک تھے لیکن قبل اس کے کہ وہ مجھ پر کوئی مہلک اور خطرناک وار کرتا' شیرا کی آواز گونج اٹھی۔

"نہیں خان دلاور .... نہتے حریف پر چاقو سے کاری زخم لگانا مردانگی کے خلاف ہے۔"

"جو حکم استاد کا ...." خان دلاور نے ہاتھ میں دبا ہوا چاقو ایک جانب اچھال دیا' پھر مجھے مخاطب کر کے بڑی حقارت سے بولا "چل تو بھی اپنے قدموں پر کھڑا ہو جا ورنہ یہ حسرت بھی تیرے ساتھ دفن کردوں گا۔"

میرے لئے اب اپنا دفاع کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔ میں آہستہ سے پنجے جوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"جلدی نہ کرنا خان ...." خان دلاور کے ایک ساتھی نے ہانک لگائی ہولے ہولے فننگ فانگ کرنا۔ سہاگ رات کی طرح ....

"فکر نہ کرنا ...." دوسرا بولا "ہم تمہارے ساتھ ہیں' اگر اس نے ہاتھ پاؤں نکالنے کی کوشش کی تو ...."

"نہیں........" شیرا نے سنجیدگی سے اپنا فیصلہ صادر کر دیا "ایک اور ایک کا مقابلہ ہو گا' دوسرا کوئی درمیان میں نہیں آئے گا........ اور .... بات خون خرابے تک نہیں پہنچنی چاہیے۔"

خان دلاور نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلا دئے۔ وہ مجھے اچانک دبوچ کر مارنے کے ارادے سے آہستہ آہستہ قدموں پر دائرے کی شکل میں گھومنے لگا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں لیکن میری نگاہیں دشمن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ شیرا کا فیصلہ سن لینے کے بعد مجھے کم از کم اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ خان دلاور کے ساتھی مجھ پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

میرے مقابلے میں خان دلاور کی پوزیشن زیادہ مستحکم تھی۔ وہ نہ صرف ہاتھ پاؤں اور ڈیل ڈول میں مجھ سے بہتر تھا بلکہ اسے لڑائی جھگڑے کا عملی تجربہ بھی تھا۔ میں نے پہل کرنے کی حماقت نہیں کی۔ خاموش کھڑا خان دلاور کے حملے کا انتظار کرتا رہا پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید قدرت کو میری بے بسی پر رحم آ گیا تھا

خان دلاور نے دائرے کی صورت میں گردش کرتے اچانک ہی جھپکی دے کر مجھ پر چھلانگ لگائی تھی۔ میں خود کو بچانے کی خاطر ایک طرف ہٹنا چاہتا تھا۔ خان دلاور کا الٹا ہاتھ نہ جانے کس طرح میری گرفت میں آ گیا تھا۔ میں نے بلا سوچے سمجھے قلا بازی کھا کر دور جانے کی کوشش کی۔ خان دلاور کی کلائی بدستور میری گرفت میں تھی۔ قلا بازی کھاتے وقت میرے پورے جسم کا زور اس پر پڑا تو فضا میں ہلکی سی "چٹ" کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی خان دلاور بڑے اذیتناک انداز میں چیختا ہوا زمین پر گر کو لوٹ پوٹ ہو گیا۔ غالباً" اس کی کلائی کی ہڈی چٹخ گئی تھی۔ میں سہم کر رہ

گیا' جو کچھ ہوا اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میں نے بوکھلا کر شیرا کی جانب دیکھا' اس کی نگاہوں میں میرے لئے انتقام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا' وہ بڑے اطمینان سے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا مجھے ایک ٹک گھور رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے شیرا" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اپنی صفائی پیش کی "میں نے جان بوجھ کر کوئی داؤ نہیں لگایا تھا۔"

"ہیجڑوں کی طرح چیختا چلاتا بند کر........." شیرا نے نگاہوں کا زاویہ بدل کی خان دلاور کو سرزنش کی پھر دوبارہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کی چبھن مجھے اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس ہو رہی تھی۔

"میری بات کا یقین کرو شیرا" میں نے دوبارہ اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی "میں تم سے غلط بیانی نہیں کر رہا ہوں۔"

"نام کیا تمہارا؟" اس نے میرے جملے پر کسی تاثر کا اظہار کئے بغیر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"رشید احمد .... ویسے لوگ مجھے شیدے کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔"

"کتنے سال کے مہمان بن کر یہاں آئے ہو؟"

"تین سال .... قید بامشقت۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جرم کیا تھا ....؟" شیرا نے بدستور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"مفلسی' غریبی" میں نے استہزایہ انداز میں کہا "میری گردن پتلی تھی اس لئے قانون نے مجھے مجرم بنا دیا۔ جو الزامات مجھ پر عائد کئے گئے ہیں ان کا تصور میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں کیا تھا۔"

پھر شیرا کے استفسار پر میں نے اسے اپنی پوری کہانی سنا دی۔ وہ میری روداد کو بغور سنتا رہا۔ اس کا چہرہ کسی قسم کے اندرونی جذبات سے یکسر عاری تھا لیکن اس کی دوربین نظریں میرے وجود کا ایکسرے کرنے میں مشغول تھیں۔ اس کے ساتھی بھی ہمہ تن گوش تھے۔ خان دلاور نے شیرا کی جھڑکی سننے کے بعد چیخنا بند کر دیا تھا مگر اس

کے چہرے پر اب بھی کرب موجود تھا۔ دوسرے قیدی بدستور سہمے سہمے نظر آ رہے تھے شاید وہ شیرا اور اس کے ساتھیوں کی جانب سے میرے خلاف کسی جوابی کارروائی سے خوفزدہ تھے۔

"یہاں سے واپس جانے کے بعد کیا ارادہ ہے؟" شیرا نے میری کہانی سننے کے بعد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"میں نے ابھی اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا۔"

"طے کر ڈالو ...." شیرا نے اس بار حقارت سے کہا "نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے' زخموں کو بھرنے کی خاطر نمک کی نہیں مرہم کی ضرورت ہوتی ہے' مرض کا علاج نہ کیا جائے تو وہ اندر ہی اندر پھیل کر ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اچھے بھلے انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔"

میں نے شیرا کو غور سے دیکھا' اس وقت وہ بڑا مختلف نظر آ رہا تھا۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن کسی ماہر نفسیات کی طرح بھرپور انداز میں مجھے زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں شاید کبھی ڈاکٹری کی کتاب بھی نہ آئی ہو مگر وہ کسی ماہر اور تجربہ کار سرجن کی طرح معاشرے میں پھیلے ہوئے کینسر کی سرجری میں پوری انہماک سے بول رہا تھا' میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہا۔

"جو مانگ کر کھانے کے عادی ہوتے ہیں ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "جھپٹ کر چھین لینے والے زیادہ آسودہ حال رہتے ہیں۔ زمانہ ایسے لوگوں کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا لیکن جن کو اچھی نظروں سے دیکھا جاتا ہے ان کا باطن بھی بڑا مکروہ اور گھناؤنا ہوتا ہے۔ حالت کی کثافت نے اب اچھے اور برے کی تمیز کو مٹا دیا ہے .... دیسی مال پر بدیسی مہر کا ٹھپا مار کر اسے منڈی میں کھلے عام بڑے دھڑلے سے فروخت کیا جاتا ہے۔ کوئی انہیں شناخت نہیں کر سکتا .... جانتے ہو کیوں؟ .... اس لئے کہ ہم سب دو نمبر کے کام کے عادی ہو گئے ہیں۔ اب تو بچے بھی خالص گھی کی خوشبو سونگھ کر کڑوا کسیلا منہ بنانے لگتے ہیں۔ جو شخص جتنا قد آور ہوتا ہے اتنا ہی بڑا فراڈیا بھی ہوتا ہے۔ اجلے اور میلے لباس میں اب کوئی فرق نہیں رہا۔ جو لوگ اجلی قیمتی پوشاک پہن کر قیمتی اور چمچماتی گاڑیوں میں

دندناتے پھرتے ہیں لوگ انہیں عزت دار سمجھتے ہیں۔ یہ جاننے کی کوشش کوئی نہیں کرتا کہ ان کے پاس اتنی ڈھیر ساری دولت کہاں سے آ گئی وہ دوسروں کی خوشیاں بھی خرید لیتے ہیں .... اونچی اونچی کوٹھیوں اور حویلیوں میں صرف شرفا نہیں رہتے' ان میں اسمگلر بھی بستے ہیں جن کے نام کی بڑی بڑی پلیٹیں صدر دروازے پر جگمگاتی رہتی ہیں .... یہ ہماری تہذیب کے لئے مہلک جراثیم ہیں لیکن ان کی غلاظت چمکتے سکوں کے بوجھ تلے اتنی دب جاتی ہے کہ کوئی اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا" شیرا ایک لمحے کو سانس لینے کو رکا پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہنا شروع کیا:

"آج کی دنیا میں جینا ہے تو زمانے کے ساتھ سر اٹھا کر چلو ورنہ بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔ خود اپنی مثال لے لو .... تم نے سچائی کے راستے پر چل کر کیا کمایا؟ .... تین سال کی قید بامشقت' اگر پولیس کا کہا مان لیتے تو بڑے سکھی رہتے' سیاسی رگڑے بازی تمہیں تانبے سے کندن بنا دیتی .... آج تم جیل میں نہیں کسی عالیشان کوٹھی میں آرام کر رہے ہوتے۔ جس پارٹی نے پولیس کی ایک کالی بھیڑ کو خریدا تھا وہ تمہارا منہ بھی کرارے کرارے نوٹوں سے بھرنے سے دریغ نہ کرتے۔ تمہاری بھی اپنی ایک حیثیت ہوتی' عیش ہی عیش ہوتا .... لیکن تم نے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تم ایمانداری کا سودا کر کے گھاٹے میں رہے .... ایمانداری کا کیا انعام ملا تمہیں؟ .... تین سال کی سزا .... آخ تھو" شیرا نے نفرت سے تھوک دیا پھر تھوڑے توقف سے بولا۔

"جانتے ہو میرا باپ کون تھا؟ وہ ایک مدرسے میں معلم تھا' قوم کے بچوں کو معمار بنانے کی خاطر لمبے چوڑے لیکچر دیا کرتا تھا۔ بڑی بڑی نصیحتیں کرتا تھا' سکندر اور پورس کی کہانی سنایا کرتا تھا' سقراط اور بقراط کے فلسفے بگھارا کرتا تھا۔ خود ایک تنگ و تاریک کمرے میں رہتا تھا لیکن دوسروں کو محلوں میں رہنے کے آداب سکھایا کرتا تھا۔ مذہب کی تلقین کیا کرتا تھا' اچھے اور برے کی تمیز سکھاتا تھا .... لیکن جانتے ہو کیا ہوا اس کے ساتھ۔؟ ایک دن اس پر راسپوٹین ہونے کا الزام عائد کر دیا گیا .... اسے ایک معصوم لڑکی کی آبرو ریزی کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا .... وہ اپنی صفائی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلایا لیکن ناجائز ذرائع سے کمائی گئی دولت اس کی برسوں کی کمائی

ہوئی عزت اور شرافت کو پل بھر میں نگل گئی .... بڑا عزت دار تھا وہ مرد قلندر' اس سے پہلے کہ قانون اسے سزا سناتا اس نے خود اپنے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر چھت کے آنکڑے سے خود کو لٹکا لیا .... اس کی شرافت کا جنازہ اٹھا تو اس میں گنتی کے سات آدمی تھے جن میں میں بھی شامل تھا۔

"باپ کی موت پر میرے اندر بھی اتھل پتھل شروع ہوگئی۔ میں نے جذبات میں آکر باپ کے مشن کو پورا کرنے کی ٹھان لی لیکن کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ شرفا میرے قریب آنے سے گریز کرتے تھے .... کترا کر اور بچ بچا کر ادھر ادھر نکل جاتے تھے۔ اس لئے کہ زمانے نے میری پیشانی پر ایک زانی کی اولاد ہونے کی چھاپ لگا دی تھی۔ میرے پاس ایک وقت کی روٹی بھی نہیں تھی۔ میں فاقے کرتے رہا' حق کا بھوت میرے سر پر سوار تھا اس لئے میں پیٹ پر پتھر باندھ کر گزارا کرتا رہا مگر میری محبت آہستہ آہستہ کمزور پڑتی گئی۔ بھوک کی شدت نے مجھے ہرا دیا پھر ایک دن مجھے بھی اگر ایک شیرا میسر نہ آجاتا تو شاید میں زندگی پر موت کو ترجیح دیتا .... مگر اب میں زمانے کے سامنے سینہ تان کر چلتا ہوں۔ جو لوگ کل تک میری صورت دیکھنے کے روادار نہیں تھے وہ آج میری جوتیاں چاٹنا بھی فخر سمجھتے ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اور سیاسی لیڈر میری وفاداری خریدنے کی خاطر بڑھ چڑھ کر بولیاں لگاتے ہیں' ہر طرف میرا طوطی بولتا ہے .... یہاں جیل میں بھی میرے نام کا سکہ چلتا ہے۔ سنتری سے لے کر جیلر تک سب میری خدمت کرتے ہیں۔ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں شاید اس لئے کہ انہیں اپنی ملازمت عزیز ہے۔ میرے حمائتیوں کی ایک فون کال ان کی کرسی ہلا سکتی ہے۔"

شیرا کسی مقرر کی طرح بے تکان بولتا رہا۔ اس کا انداز مبلغوں جیسا تھا' اس کی باتیں میرے دل میں اتر رہی تھیں۔ وہ مجھے اپنی زندگی کے تلخ تجربات سے آگاہ کرتا رہا۔ حالات سے پنجہ لڑانے کے داؤ پیچ بتاتا رہا پھر اس نے اچانک کچھ سوچ کر مجھ سے پوچھا:

"یہاں سے رہائی پا کر باہر جاؤ گے تو باپ کی جگہ کون تمہارے سر پر ہاتھ رکھے گا؟"

"اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "دور پرے کے رشتے دار ہیں لیکن میں ان پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

"پھر .... پیٹ کا ایندھن کس طرح حاصل کرو گے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' کھسیا کر رہ گیا۔

"سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں ...." میں نے دل مسوس کر کہا۔

"فٹ پاتھ پر رات گزارو گے تو سوتے میں دھر لئے جاؤ گے" شیرا کے لہجے میں زہر کی آمیزش تھی "ایک بار آنکھ بند رکھنے کا نتیجہ بھگت چکے ہو .... اب بھی آنکھ نہ کھولی تو دوبارہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرو گے .... لہولہان ہو جاؤ گے .... میری مانو تو اب زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھ لو ...."

"استاد سچ کہہ رہا ہے پیارے" شیرا کے ایک ساتھی نے اس کی تائید کی "استاد کا ہاتھ تھام لو تو بیڑا پار ہو جائے گا۔"

"یہ شرافت کا زمانہ نہیں ہے" دوسرے نے کہا "بڑے بڑے مولوی اور پیش امام جو دن رات اللہ اللہ کرتے ہیں ضرورت پڑنے پر قانون ان کی گردن بھی دبوچ لیتا ہے .... جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ اب تو کوٹھی سے زیادہ کوٹھے پر بیٹھنے والوں کی زیادہ عزت ہوتی ہے۔"

"کیا سوچ رہے ہو شہزادے!" شیرا نے بدستور میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بڑے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔

"شاید تم جو کچھ کہہ رہے ہو اب مجھے اسی پر عمل کرنا پڑے گا" میں سنبھل کر بولا "مجھے اچھی طرح یاد ہے .... اندھے قانون نے مجھے باپ کی میت کو کاندھا دینے کی حسرت سے بھی محروم کر دیا تھا۔ مجھے جن پیچیدہ راستوں سے اذیتیں دے دے کر گزارا گیا ہے وہ میرے ذہن پر ہمیشہ نقش رہیں گے۔ میں نے زندگی کو جس ڈھنگ سے گزارنے کے خواب دیکھے تھے اس کے راستے میں زبردستی نو انٹری (NO ENTRY) کا بورڈ لگا دیا گیا۔ مجھے جن گندی گندی گالیوں سے نوازا گیا ہے وہ میرے دل و دماغ میں ہمیشہ صدائے بازگشت بن کر گونجتی رہیں گی۔ میرے جسم پر

زخموں کے دائمی نشانات شاید میری روح کو مرتے دم تک کچوکے لگاتے رہیں گے .... بس' مجھے کسی تنکے کے سہارے کی ضرورت ہے۔ نہ زمانے نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے میں اس کا حساب چکتا کیے بغیر آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"تو پھر مجھ سے ہاتھ ملا شہزادے!" شیرا نے مجھے بڑی اپنائیت سے مخاطب کیا "آج سے ہم دونوں ایک ہیں .... تو تنکے کی بات کر رہا ہے' شیرا شہتیر بن کر تیری حفاظت کرے گا۔"

مجھے اپنی رگوں میں زندگی کی ایک نئی حرارت محسوس ہوئی۔ میں نے جواب میں آگے بڑھ کر شیرا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ دن میری زندگی کا اہم ترین دن تھا۔ سیدھا راستہ چلتے چلتے حالات نے مجھے .... ایک نیا موڑ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نئے راستے پر استاد شیرا میرا ہم رکاب تھا۔ اس روز کے بعد سے جیل کی زندگی میرے لئے بھی بہت سہل اور آسان ہو گئی۔ خان دلاور جو صرف ایک لمحے پیشتر بد ترین دشمن کی حیثیت میں میرے مقابلے میں آیا تھا بالکل بھائیوں کی طرح مجھ سے گلے مل رہا تھا۔ فضا میں جو کھچاؤ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس میں اچانک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے اس بیرک میں جس گھٹن اور اجنبیت کا احساس ستاتا رہتا تھا وہ پل بھر میں دور ہو گیا۔

دوسرے روز سے میری تربیت کا آغاز ہو گیا۔ شیرا زبان کا بڑا کھرا تھا۔ اس نے مجھے کندن بنانے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا۔ وہ ہر وقت مجھے اپنی نگاہوں میں رکھتا تھا۔ زندگی کے طور طریقوں سے آگاہ کرتا رہتا۔ اپنے تجربوں کا نچوڑ گھول گھول کر میرے کانوں میں ٹپکاتا رہتا۔ مختلف قسم کے ہتھیاروں کے بر وقت استعمال کے گر سکھاتا رہتا۔ غرضیکہ اس نے مجھے بنانے سنوارنے اور مشکل سے مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کے سلسلے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ میں کوئی کند ذہن طالب علم نہیں تھا اس لئے میں نے بہت جلد وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو شیرا مجھے سونپنا چاہتا تھا .... پھر ایک شام باقاعدہ میری دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔ خان دلاور نے اس رسم کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بیرک کے تمام قیدیوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ شیرا نے خود اپنے ہاتھوں سے پھولوں کا ایک وزنی گجرا میرے گلے

میں ڈالتے ہوئے مجھے پوری شدت سے لپٹ لیا تھا۔ اس روز میں نے پہلی بار شیرا کی پلکوں پر آنسوؤں کے قطرے لرزتے دیکھے تھے۔ شاید اسے اپنی زندگی کے بکھرے ہوئے اوراق کا کوئی خاص صفحہ یاد آ گیا تھا۔ میں نے اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

وہ دن میرے لئے روز عید سے کم نہیں تھا۔ بیرک کے سارے قیدی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ دلوں کی کدورتیں دور ہو چکی تھیں۔ ہر شخص آزادی سے فس بول رہا تھا۔ اس روز شیرا نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا:

"شہزادے .... اب تو اکیلا نہیں رہا' ہم سب تیرے سنگی ساتھی ہیں۔ ایک ساتھ جئیں گے ایک ساتھ مریں گے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں استاد" میں نے بڑے خلوص اور دیانتداری سے کہا "اگر تم نہ ہوتے تو شاید میں ٹوٹ کر بکھر گیا ہوتا۔"

"غیروں جیسی باتیں مت کر شہزادے ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا" شیرا کے لہجے میں صداقت تھی' ریا کاری کو کوئی شائبہ نہیں تھا۔

"ہمارے حساب کتاب دلوں میں ہوتے ہیں شیدے!" خان دلاور نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام کر سمجھایا "ایک دوسرے پر کوئی آڑا وقت آجائے تو ہم اپنا فرض چکتا کرتے رہتے ہیں۔ احسان جتانا تو کم ظرفوں کا کام ہوتا ہے۔"

"اب تو یہاں سے باہر جائے گا تو تنہا نہیں رہے گا" شیرا نے کہا "ہمارے یار دوست جیل کے دروازے پر تیرا استقبال کریں گے۔ ہمارے اڈے' ہمارا کاروبار سب کچھ تیرا ہو گا۔ کسی قسم کی کوئی فکر نہ کرنا' شیرا کی طرح اب تیرے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا جائے گا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو خبر بھیج دی ہے وہ تجھے غیر نہیں سمجھیں گے۔"

"میں تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر بھی فراموش نہیں کر سکوں گا" میں نے شیرا کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

"یہ تیری مہربانی ہوگی" وہ مسکرایا پھر سنجیدگی سے بولا "لنگوٹ کے معاملے میں اپنی رسی کبھی دراز کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ یہ نشہ انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح

چاٹ جاتا ہے۔ بد کردار عورت دو دھاری تلوار سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے' اس سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں استاد۔"

"ایک بات اور گرہ سے باندھ لے۔ خود کو منوانے کی خاطر انسان کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' جان مارنی پڑتی ہے ...." شیرا نے مجھے حالات کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "جب تک تو کسی کی ماں کے ساتھ رشتہ قائم نہیں کرے گا وہ تجھے باپ نہیں کہے گا' لمبے راستے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ لیکن ضرورت کے تحت ہمیں کبھی کبھی شارٹ کٹ بھی اختیار کرنا پڑتا ہے .... میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد سب سے پہلے اس ولدالحرام کا ٹینٹوا دبانا جس نے تجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔ پہلے مرحلے پر کسی بزدلی یا رعایت کا مظاہرہ نہ کرنا .... میں اس پارٹی لیڈر سے واقف ہوں جس کے ہاتھ وزارتی کرسیوں تک دراز ہیں۔ بظاہر بہت نیک اور شریف نظر آتا ہے لیکن شیرا جانتا ہے کہ اس کی ولدیت کے خانے میں بھی دو نمبر کا نام درج ہے .... تو سمجھ رہا ہے نا میری بات! اس کی شہ رگ پر ہاتھ پھیرتے ہی تیرا بھاؤ بہت بڑھ جائے گا۔ میری طرح تیرے نام پر بھی تجوریوں کے منہ کھلنے لگیں گے۔ ہمیشہ اپنی منہ مانگی قیمت وصول کرنا۔ اوپر والے کے علاوہ کسی سور کے تخم کے آگے گردن نہ جھکانا چاہے جان چلی جائے .... آتشی اسلحہ کے بجائے چاقو کا استعمال زیادہ کرنا۔ شکار ایک ہی گولی کھا کر ڈھیر ہو جائے تو بات نہیں بنتی۔ وہ تڑپ تڑپ کر جان دے تو اس نظارے کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے .... اس کے علاوہ ایک بات کا خاص خیال رکھنا' کبھی کسی مظلوم اور غریب پر ہاتھ نہ ڈالنا ورنہ اس کی آہ تجھے زنگ کی طرح چاٹ جائے گی ...."

میں شیرا کی ایک ایک نصیحت کو ذہن نشین کرتا رہا' وہ صرف میرا محسن ہی نہیں بلکہ میرا اتالیق بھی تھا۔ اس کی نصیحتیں زندگی کے ہر موڑ پر میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی رہیں جس کا ذکر میں پیش آنے واقعات اور حادثات کے ساتھ کرتا رہوں

گا۔

جس روز میری سزا کی مدت پوری ہوئی وہ دن بھی میری زندگی میں یادگار کی حیثیت سے کم نہیں۔ صرف مجھے ہی شیرا سے بچھڑنے کا دکھ نہیں تھا' خود شیرا کی پلکیں بھی بار بار بھیگ رہی تھیں۔ خان دلاور اور دوسرے تمام ساتھی بھی ملول نظر آ رہے تھے۔ سب باری باری مجھے گلے لگا کر میری پیٹھ تھپک رہے تھے۔ سب سے آخر میں شیرا نے مجھے گلے لگا کر ہمیشہ ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی پھر اس نے مجھے مسکراتے ہوئے رخصت کیا .... میں نے جیل کے احاطے سے باہر قدم نکالا تو شیرا کے ساتھی مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ وہ باری باری مجھے پھولوں کا ہار پہنا رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ کوئی فاتح جنرل ہوں جو کسی جنگی محاذ کو سر کرنے کے بعد کامیاب و کامران واپس آیا ہو۔

میں نے کھلی ہوا میں آزادی کا طویل سانس لے کر ماحول کا جائزہ لیا۔ وہ دنیا جہاں کبھی مجھے گھٹن کا احساس بڑی شدت سے ہوتا تھا اب ایک ہری بھری شکار گاہ کی مانند نظر آ رہی تھی .... !!

وہ جو میرے استقبال کے لئے آئے تھے خوشی کے نعرے بلند کر رہے تھے، جیسے میں ان کے لئے غیریا اجنبی تھا، مجھے جلوس کی شکل میں ایک ایسی عمارت میں لے جایا گیا جس کے باہر دارالاسلام کا بورڈ آویزاں تھا۔ مجھے اس بورڈ کو دیکھ کر بڑی خوش گوار حیرت ہوئی۔ وہ دو منزلہ عمارت تھی۔ اوپری منزل رہائشی تھی جہاں میرے قیام کا خاطر خواہ بندوبست کیا گیا تھا۔ شیرا کا ایک معتمد خاص رمضان خان جو راجو کے نام سے مشہور تھا میری پذیرائی میں پیش پیش تھا۔ وہ پستہ قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش پوش بھی تھا۔ اس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد میں اپنی خوابگاہ میں گیا تو راجو بھی میرے ساتھ ساتھ تھا۔ غالباً" شیرا نے اسے قبل از وقت ہی میری حیثیت سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے وہاں کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ عمارت کے رہائشی حصے میں کل تین کمرے تھے۔ ایک میرے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ دوسرے میں راجو کا قیام تھا اور تیسرے میں شیرا کے دو آدمی رہتے تھے۔ کمروں کے علاوہ ایک کشادہ ڈرائنگ روم بھی تھا جس کی تزئین اور آرائش قابل دید تھی۔

ایک طویل عرصے کے بعد مجھے نرم و گرم بستر نصیب ہوا تو بڑی طمانیت کا احساس ہوا۔ میرے ذہن میں دارالاسلام کا بورڈ بار بار ابھر رہا تھا۔ اگر وہ عمارت شیرا کی ملکیت تھی تو وہاں اس مہذب بورڈ کا کیا کام تھا؟ شیرا نے جیل میں مجھ سے اپنے

تین اڈوں کا ذکر کیا تھا جہاں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔ راجو میرے قریب ایک آرام کرسی پر بیٹھا شیرا کے کاروبار کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں نے درمیان میں اس سے دارالاسلام کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکرا کر بولا:

"آپ کا یہ سوال میرے لئے غیر متوقع نہیں ہے۔ دراصل اس عمارت کے نچلے حصے میں ایک دینی مدرسہ قائم ہے۔ استاد نے باقاعدہ دو معلم رکھ چھوڑے ہیں جو درس و تدریس کا کام انجام دیتے ہیں۔ ہفتے میں ایک بار بڑا اجتماع بھی ہوتا ہے۔ اس روز غریب و غربا میں مفت لنگر تقسیم ہوتا ہے۔"

شیرا کی زندگی کا یہ دوسرا پہلو بھی میرے لئے کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ میں نے مزید معلومات حاصل کی تو راجو نے کہا:

"استاد نے آپ کو بتایا ہو گا کہ اس کا باپ معلم تھا، بڑا مذہبی آدمی تھا۔ اس پر عصمت دری کا جھوٹا الزام عائد کیا گیا تھا صرف اس لئے کہ اس کھرے آدمی نے ایک تنظیم کے حق میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے کام سے انکار کر دیا تھا۔ وہ مردِ قلندر اس مکروہ الزام کو برداشت نہ کر سکا۔ دل برداشتہ ہو کر اس نے خود کشی کر لی۔ وہ اسی عمارت میں رہتا تھا۔ اس وقت یہاں بس ایک کچا پکا کمرہ ہوا کرتا تھا۔ بعد میں استاد نے یہ جگہ خرید کر دو منزلہ عمارت کرا دی، دارالاسلام کا تصور استاد کے ذہن میں اپنے مرحوم باپ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی خاطر ابھرا تھا۔"

"کیا عمارت استاد کے اڈوں میں شمار نہیں ہوتی؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافہ کی خاطر دریافت کیا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔" راجو نے پہلو بدل کر کہا "اس عمارت کو تمام اڈوں کا ہیڈ کوارٹر ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں، متعدد بار یہاں پولیس اور دوسری ایجنسیوں نے بھاری نفری کے ساتھ چھاپے بھی مارے ہیں لیکن انہیں کبھی بھی کوئی قابل گرفت ثبوت نہیں ملا۔ استاد بڑے سائنٹفک طریقوں سے کام کرنے کا عادی ہے۔ اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہے مگر اس کے باوجود وہ رسک (RISK) لینے کی غلطی کبھی نہیں کرتا۔ ہر کام کو نپٹانے کے لئے ایسے ایسے نادر طریقے وضع کرتا ہے کہ بڑے بڑے دانشمند بھی

ششدر رہ جاتے ہیں۔"

"اتنے اثر و رسوخ اور ذہانت کے باوجود ...."

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں" راجو نے میرے جملے کا مفہوم بھانپ کر بڑے اطمینان سے جواب دیا "آپ نے ان امیر کبیر عربوں کے بارے ضرور سنا ہو گا جو عالیشان محلوں کے مالک ہونے کے باوجود سال میں ایک دو بار کچھ دنوں کے لئے ریگستان میں جا کر خیموں میں قیام کرتے ہیں .... دراصل اس طرح انسان اپنے اصل مقام کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اور سرجن بھی نئی نئی ریسرچ سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر مختلف ممالک کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے .... جیل بھی ایسی ہی درسگاہ ہے جہاں جرائم پیشہ گروہ کے سربر آوردہ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس منڈی سے ہمیں نہ صرف نوجوان افراد کی کھیپ بھی بہ آسانی میسر آ جاتی ہے بلکہ جرم و سزا کے بارے میں اپ ٹو ڈیٹ (UP TO DATE)" معلومات بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں۔" راجو نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "اس بار استاد کے اوپر کوئی سنگین جرم عائد نہیں ہوا تھا۔ وہ چاہتا تو سیاسی داؤ پیچ لگا کر بچ سکتا تھا' کچھ بڑے لوگوں نے جو استاد کے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھرتے ہیں انہوں نے مشورہ بھی دیا تھا کہ جیل جانا مناسب نہیں ہے لیکن استاد نے ان کی پیشکش رد کر دی .... یوں سمجھ لیں کہ استاد کی کھوپڑی میں ایک بار جو بات بیٹھ جائے وہ آسانی سے تبدیل نہیں ہوتی۔ وہ اکثر تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے بھی جیل یاترا کے پروگرام بنا لیتا ہے لیکن اس کے سارے فیصلے اور پروگرام اٹل ہوتے ہیں .... وہ جب چاہے گا۔ جیل کا دورہ مختصر کر کے باہر آ جائے گا' بڑے بڑے چوٹی کے وکیل اور بیرسٹر بھی استاد کا مقدمہ مفت لڑنے کی حسرت دل میں لئے پھرتے ہیں؟"

"اور خان دلاور کس جرم کی پاداش میں سزا بھگت رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ استاد کا دست راست ہے اس لئے ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے"۔ راجو نے کہا۔

"تم مجھے خاصے پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو ...." میں نے اسے کریدا تو

وہ شانے چکا کر بولا:

"ارادہ تو تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا لیکن بی۔ اے۔ آنرز کرنے کے بعد طبیعت اچاٹ ہو گئی۔"

"کوئی خاص وجہ ....؟"

"کچھ ایسی ہی وجہ تھی جس نے آپ کو بھی ڈاکٹر بن کر دکھی لوگوں کی سچائی کرنے سے روک دیا" اس بار وہ قدرے بے تکلفی سے بولا "ہم دونوں تقریباً ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ شروع شروع میں مجھے راستہ تبدیل کرتے وقت بے بسی کا احساس ہوا تھا .... ایک دھچکہ سا لگا تھا۔ خواب چکنا چور ہو جائیں تو انسان کو ملال تو ہوتا ہے لیکن استاد کی محبت اور شفقت نے مجھے محرومی کا شکار ہونے سے بچا لیا .... بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔"

"استاد نے میرے بارے میں تم لوگوں کو کیا ہدایات دی تھیں؟"

"اس نے صرف اتنا کہلوایا تھا کہ آپ کو خان دلاور سے کم نہ سمجھا جائے" راجو نے مسکرا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ استاد جیسے جوہر شناس نے آپ کو اپنے تجربے کی کسوٹی پر پورا اترنے کے بعد ہی عزت بخشی ہو گی۔"

میں بڑی رات تک راجو کو کرید کرید شیرا کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ راجو کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق شہر کے مختلف علاقوں میں شیرا کے تین اڈے تھے جہاں اس کے آدمی شب و روز جائز و ناجائز دھندوں میں مصروف رہتے تھے۔ ہر اڈے کا نظام الگ الگ افراد کے ذمہ تھا۔ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہونے کے باوجود شیرا کے اشارے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اڈے کے سربراہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کالی بھیڑوں کا خیال بڑی پابندی سے رکھتے تھے۔ ان کو بھتے کی رقم ہمیشہ بر وقت پہنچائی جاتی تھی جس کے عوض وہ شیرا کے کاروبار کا خاص خیال رکھتے تھے اور آنے والے خطروں کی نشاندہی کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے پولیس کی ریڈ ہمیشہ ناکام ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ شیرا نے ہر اڈے کے نظام کو کچھ اس طرح وضع کیا تھا کہ محض پندرہ منٹ کے نوٹس پر مخصوص کارندے تمام ثبوت انڈر گراؤنڈ کر کے میدان صاف

کر دینے میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ شیرا نے اپنے آدمیوں کے درمیان چھوٹے بڑے کی تمیز مٹا رکھی تھی۔ وہ سب کو ایک نظر سے دیکھنے کا عادی تھا۔ صرف اڈوں کے سربراہ ہر معاملے میں جواب دہی کے پابند ہوتے تھے۔ بظاہر وہ کارندے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ہر طرح سے اس کا خیال رکھتا تھا مگر کوئی اس کے ساتھ فریب کرے تو وہ بخش دینے کے اصول کے خلاف تھا۔ ایسے افراد کو وہ اس قدر ہولناک اور عبرتناک سزائیں دیتا تھا کہ دوسرے کانوں کو ہاتھ لگانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

"استاد نے میرے سلسلے میں کوئی خاص ہدایت بھی کی ہے؟" میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"جی ہاں .... مجھے اس بات کے لئے پابند کیا گیا ہے کہ ہر طریقے سے آپ کا خیال رکھوں" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا "آپ مجھے اپنا باڈی گارڈ بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

"میں دوستی اور محبت کے رشتوں کو زیادہ مقدم سمجھتا ہوں" میں نے اپنائیت کا اظہار کیا۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ...." وہ مسکرایا

"استاد نے جیل سے رہا ہوتے وقت مجھے ایک نصیحت کی تھی" میں نے کچھ توقف کے بعد کہا "مجھے ایک ضروری اور اہم کام نپٹانا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے تمہاری معلومات سے استفادہ حاصل کرنا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ آرام کریں" راجو نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوستانہ انداز میں مشورہ دیا "باقی باتیں صبح بھی ہو سکتی ہیں۔"

میں تھکا ہوا تھا اس لئے میں نے راجو کا مشورہ قبول کر لیا۔ اس رات ایک طویل عرصے کے بعد میں گھوڑے بیچ کر سویا۔ صبح بیدار ہوا تو ذہن کا بوجھ دور ہو چکا تھا۔ گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد طبیعت اور ہلکی ہو گئی۔ راجو نے گزشتہ رات ہی مجھے وہ الماری دکھا دی جس میں لباس اور دوسری ضرورت کی تمام چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ ناشتہ کے سلسلے میں بھی راجو نے خاصہ اہتمام کیا تھا۔ ناشتہ کے دوران بھی ہمارے درمیان شیرا کی باتیں ہوتی رہیں۔ مجھے راجو سے ملے چوبیس گھنٹے بھی

نہیں ہوئے تھے لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے سے واقف ہیں' وہ مدھم مگر ٹھوس لب و لہجے میں گفتگو کرنے کا عادی تھا' ذہانت اور دور اندیشی اس کی نگاہوں سے چھلکتی تھی' وہ دوسروں کو اپنی باتوں سے گرویدہ کر لینے کے فن سے واقف تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں دوبارہ اپنی خوابگاہ میں آ گیا' راجو مجھ سے کسی ضروری کام سے جانے کو کہہ کر چلا گیا تھا۔ میں بستر پر نیم دراز ہو کر آنے والے کل کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو حالات کے نئے سانچوں میں ڈھالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس نئی زندگی کی ابتدا میں شیرا کے مشورے سے کرنا چاہتا تھا۔ خود کو منوانے کی خاطر مجھے بھی شارٹ کٹ اختیار کرنا لازم تھا' مجھ پر ان افراد کے قرض باقی تھے' جنھوں نے بڑی دیدہ دلیری سے مجھ سے شرافت کی زندگی بسر کرنے کا حق چھین لیا تھا' وہ میری خوشیوں کے قاتل تھے وہی میری زندگی کو ایک نیا موڑ دینے کے ذمہ دار تھے' ان ہی کی بدولت میں اپنے والد کی آخری رسومات میں حصہ لینے کے حق سے بھی محروم تھا' میں ان تلخ حقیقتوں کو کیسے فراموش کر دیتا؟ تین سال کی قید با مشقت کی اذیتیں اور کربناک لمحے میرے ذہن میں تازہ تھے' شیرا نے میرا ہاتھ تھام کر جینے کا سہارا نہ دیا ہوتا تو شاید میں گھٹ گھٹ کر ختم ہو جاتا' مایوسی اور بے کسی کی شدت کا احساس مجھے پاگل بھی کر سکتا تھا ایسی صورت میں کسی پاگل خانے میں زندگی سسک سسک کر دم توڑ دیتی اور مجھے لاوارثوں کی طرح دفنا دیا جاتا۔

میرے ذہن میں گرم آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ انتقام کا جو لاوا ابل رہا تھا وہ سرد ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا' قسمت نے مجھے سنہری موقع عطا کیا تھا میں اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا .... میری فہرست پر پہلا نام شبیر کا تھا جس نے موت کی ہولناک دھمکی دے کر میری زبان پر قفل ڈال دئے تھے' میں کمزور تھا اس لئے طاقت کے سامنے سرنگوں ہو گیا' مگر اب حالات مختلف تھے' کل میرے دشمنوں نے مجھے گمراہی کے اندھیرے کھڈ میں دھکیل کر موت سے ہمکنار کرنے کی چال چلی تھی' وہ اپنا کردار ادا کر چکے تھے .... اب میری باری تھی' وقت کی گردش نے اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا' جو بازی میرے حق میں مات ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اب میرے

اختیار میں تھی۔

میں اپنے خیالات میں نہ جانے کتنی دیر مستغرق رہا پھر راجو کی آواز نے مجھے چونکا دیا' خوابگاہ میں داخل ہونے کے بعد شاید وہ میرے چہرے کے تاثرات سے میرے وجود کے اندر اٹھنے والے طوفان کی شدتوں کا اندازہ لگا چکا تھا۔

"آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں؟" اس نے مجھے کریدنے کی کوشش کی

"میں نے کل رات تم سے استاد کی نصیحت کی بات کی تھی" میں نے اس کے جملے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یاد ہے ...." اس ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا "استاد نے شاید آپ کو کوئی ضروری کام سونپا ہوگا"

"ہاں .... میں اس کام کو وقت ضائع کئے بغیر نپٹانا چاہتا ہوں" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن فی الحال آپ کو ایک زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"وہ کیا ...." میں نے راجو کو وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"آپ کا کوئی ملاقاتی ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہے' آپ پہلے اس سے ملاقات کر لیں۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی" میں ٹوٹے لہجے میں بولا "اب اس شہر میں اپنا شناس کوئی نہیں ہے۔"

"پھر بھی آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔"

میں نے راجو کی بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا' مجھے جیل سے رہا ہوئے ابھی پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ میرا کوئی ملاقاتی پیدا ہو گیا تھا .... کون ہو سکتا ہے وہ جس نے تین سال گزر جانے کے بعد بھی مجھے یاد رکھا تھا؟ میں اپنی یادداشت کو کریدتا ہوا اٹھ کر راجو کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میری رگوں میں گردش کرتے ہوئے خون کی حدت یکلخت کئی گناہ تیز ہو گئی .... سینے میں دبی دبی چنگاریوں نے پلک جھپکتے میں بھڑک کر خطرناک شعلوں کی شکل اختیار

کر لی تھی .... ڈرائنگ روم میں جو شخص موجود تھا میں نے اسے پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا .... وہ شبیر کے سوا کوئی اور نہیں تھا .... وہی پہلا کنکر تھا جس نے میری زندگی کی خاموش اور ٹھہری ہوئی لہروں سے ٹکرا کر تلاطم کی صورت پیدا کی تھی' اسے اپنے روبرو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا' مجھے باپ کی وحشت اور دیوانگی کا وہ منظر یاد آ گیا جب پولیس کے کارندوں نے اس پر رحم کھانے کے بجائے بیدردی سے گھسیٹ کر میری نگاہوں سے دور کر دیا تھا .... شبیر میری بربادی کا پہلا باب تھا' میں اسے کیسے فراموش کر سکتا تھا ....؟

مجھے یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ راجو نے گزشتہ رات میری بات کو نظر انداز کر کے آرام کرنے کا مشورہ کیوں دیا تھا' شاید اسے علم تھا کہ شیرا نے مجھے جیل سے رخصت ہوتے وقت کیا نصیحت کی تھی' اس نے خلاف توقع شبیر کو اچانک میرے سامنے لا کر چونکا دینے کا جو پروگرام مرتب کیا تھا اس میں اسے مایوسی نہیں ہوئی تھی .... صرف میں ہی نہیں بلکہ شبیر بھی مجھے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گیا .... وہ مجھے اس طرح آنکھیں پھاڑے اور پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی قوت بینائی پر یقین نہ آ رہا ہو .... اس کے خیال میں مجھے پہلے مرجانا چاہئے تھا۔

نفرت اور حقارت کے ساتھ ساتھ مجھے مسرت کا احساس بھی گدگدا رہا تھا' کل تک میں شبیر سے خوفزدہ تھا' اس کے ایک جملے نے میری راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں' میں مہربلب اپنی زندگی کو حادثات کی بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہو گیا تھا' موت کی دہشت نے اس وقت میری رگوں میں خون کو منجمد کر دیا' میں بے گناہ ہونے کے باوجود اپنی صفائی میں زبان کھولنے سے قاصر تھا لیکن اب وقت کا پانسہ اچانک پلٹ گیا تھا' آج شبیر کی آنکھوں میں موت کے سائے کپکپا رہے تھے اور میں سینہ تانے اسے گھور رہا تھا' اس کے چہرے پر نظر آنے والی سرخی رفتہ رفتہ ماند پڑتی جا رہی تھی' میں نے اسے کوئی دھمکی نہیں دی تھی لیکن اسے وقت کے کروٹ بدلنے کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا .... شیرا کے اڈے پر راجو کے ساتھ دیکھ کر شاید اسے میری قوت کا احساس ہو چکا تھا' میں دل ہی دل میں حالات کی تبدیلی پر لطف اندوز ہوتا رہا پھر میں نے اسے گھورتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا!

"ڈاکٹر شبیر .... کہیں تمہیں شناخت کرنے میں میری نگاہیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں ....؟"

وہ خاموش کھڑا رہا' غالباً" وہ اپنے ذہن کے انتشار کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"خاکسار کو رشید احمد کہتے ہیں ...." میں نے اس کی یادداشت کو جھنجوڑنے کی خاطر بڑے تلخ لہجے میں کہا "پہچانا مجھے ....؟"

"تم ...." اس نے مجھے جواب دینے کے بجائے راجو کی سمت دیکھ مردہ آواز میں کہا" "تم مجھے یہاں کسی مریض کو دکھانے لائے تھے ....؟"

"میری جانب غور سے دیکھو ڈاکٹر شبیر ...." یکلخت میرے لہجے میں تلخیوں کا زہر شامل ہو گیا "کیا میں تمہیں مریض نظر نہیں آتا؟ .... تین سال پہلے کے اس دن کو یاد کرو جب تم نے اپنے کرخت لہجے میں میرے وجود پر ایک مہلک اور خطرناک انجکشن کا تجربہ کیا تھا' اس وقت میں گنگ رہ گیا تھا صرف دیکھ سکتا تھا' محسوس کر سکتا تھا لیکن زبان کھولنے سے قاصر تھا' پھر مجھے ایک ایسے سینی ٹوریم میں بھیج دیا گیا جو صحت مند دل و دماغ کے لئے کسی حالت میں موزوں نہیں تھا' وہاں میرا موثر علاج نہیں ہو سکا' وہاں کے ماحول نے مجھے ذہنی خلفشار کے مرض میں مبتلا کر دیا' میری شخصیت تبدیل ہوتی چلی گئی .... اور آج .... آج میں ایک مختلف انسان ہوں .... کیا تمہاری تجربہ کار نگاہیں اس تبدیلی کو نہیں محسوس کر رہی ہیں ....؟"

"تم .... !" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا' میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے بکھرے وجود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ مجھے پہچان چکا تھا اسی لئے سوچ سمجھ کر کوئی چال چلنے پر غور کر رہا تھا

"تین سال کی قید بامشقت .... بغیر کسی جرم و گناہ کے ...." میں نے کھل کر ٹھوس لہجے میں کہا "کیا تم اس کی اذیت کو محسوس کر سکتے ہو؟"

"میں تمہارا شکرگزار ہوں" اس کے جواب میں ریا کاری اور مکاری کی آمیزش تھی "اگر تم زبان بند نہ رکھتے تو شاید تمہاری جگہ میں ...."

"صرف باتوں کے مرہم سے میرے زخم مندمل نہیں ہوں گے" میں تیور بدل کر

بولا "تمہیں اب میری اس خاموشی کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

وہ اپنی جگہ سٹپٹا کر رہ گیا' راجو بدستور خاموش کھڑا ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تم کو یاد ہوگا جب تم نے مجھے زبان بند رکھنے کی دھمکی دی تھی' اس وقت تم کسی سیاسی پارٹی کے سرگرم کارکن تھے .... شاید اب بھی ہو .... بہرحال تم اس تنظیم کی خاطر دہشت پھیلا کر لوگوں کو ہراساں کرنے کا مکروہ کام سرانجام دے رہے تھے۔"

"ہاں ...." اچانک اس نے پینترا بدل کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش کی "میں جس تنظیم سے منسلک تھا وہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہے .... اس ملک پر اسی کی حکومت ہے۔"

"ڈاکٹر شبیر........." میں نے اسے تیز اور بے رحم نظروں سے گھورا "تم مجھے اس شخص کا نام اور پتہ بتاؤ گے جس نے تمہاری حیثیت کو خرید رکھا تھا؟"

"اور اگر میں ...."

"انکار کا لفظ زبان تک مت لانا" میرے لہجے میں سفاکی آ گئی "مجھے استاد شیرا نے منع کیا تھا کہ کسی چھوٹے اور کمزور آدمی پر ہتھیار اٹھانے سے گریز کروں .... کل کی بات اور تھی لیکن اب میں قد آور ہو چکا ہوں اور تمہاری حیثیت ایک حقیر کیڑے جیسی ہے جسے میں چٹکی میں دبا کر کچل سکتا ہوں' وقت اور حالات نے ہماری شخصیتوں کو تبدیل کر دیا ہے .... اب تمہیں میری بات تسلیم کرنی ہو گی"

"تم جس شخص کے بارے میں دریافت کر رہے ہو وہ اب ایک اونچی کرسی پر بیٹھا ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولا "وہاں تک تمہارے ہاتھ نہیں پہنچ سکیں گے۔"

میں شبیر کا جواب برداشت نہیں کر سکا' میرا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر پوری طاقت سے لہرایا .... شبیر کو اس اچانک جارحانہ حملے کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خود کو سنبھال نہ سکا' اس کے قدم اپنی جگہ سے اکھڑ چکے تھے' پشت پر صوفہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً زمین بوس ہو جاتا' میری آنکھوں سے خون ابل رہا تھا' میں نے اسے سوچنے

مجھنے اور سنبھلنے کا موقع نہیں دیا' شیرا نے مجھے یہی گر سکھایا تھا کہ حریف پر تابڑ توڑ حملہ کرنے میں کرنے میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں چھوڑنی چاہئے چنانچہ میں نے شبیر کو سوچنے کا موقع نہیں دیا' میرے ہاتھ اور پیر بجلی کی سی تیزی سے حرکت کر رہے تھے' شبیر چیختا چلاتا رہا' اپنے بچاؤ کی خاطر ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرتا رہا لیکن اس نے جوابی حملہ کر کے اپنی موت کو دعوت دینے کی حماقت نہیں کی تھی۔

پندرہ منٹ بعد وہ میرے سامنے فرش پر بے سدھ پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا' اس کا لباس کئی جگہ سے مسک گیا تھا' چہرے پر جگہ جگہ خون جما نظر آرہا تھا' ہونٹ کے نیچے خون کی ایک پتلی سی لکیر نظر آ رہی تھی جس سے خون آہستہ آہستہ رس رہا تھا اس کے کس بل نکل چکے تھے' آنکھوں میں موت کے سائے لرز رہے تھے۔

"مجھے اس شخص کا نام بتا دو ورنہ ...."

اس بار اس نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی' اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی' پھر میرے حکم پر اس نے مطلوبہ شخص کو فون کر کے ایک اہم اطلاع دینے کی خاطر ایک مخصوص جگہ ملنے کا وقت بھی دے دیا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اس عمل کے دوران وہ خزاں کی زد میں آئے ہوئے کسی کمزور پودے کی مانند سرتاپا کپکپا رہا تھا۔

"گڈ ...." میں نے اسے حقارت سے گھورا "اب تم اس وقت تک میرے مہمان رہو گے جب تک میرا کام پورا نہیں ہو جاتا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے ارادے سے باز آجاؤ" وہ آستین میں اپنے خون کو جذب کرتے ہوئے بولا "وہ خطرناک لوگ ہیں' ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں' تم خسارے میں رہو گے ...."

"یہ سوچنا ہمارا کام ہے ...." اس مرتبہ میرے بجائے راجو نے سرد لہجے میں جواب دیا "تم صرف اپنی زندگی کی خیر مناؤ' اپنی زبان کو تالو سے لگا کر رکھنا ورنہ تمہارا انجام تمہارے اندازے سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا ...." راجو نے شانے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کو بلا کر شبیر کی نگرانی پر تعینات کیا اور میرے ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔

------O------

اس وقت رات کے ساڑھے دس کا عمل تھا جب میں راجو کے ساتھ سمندر کے ساحل کے کنارے ایک مخصوص مقام پر کار میں بیٹھا اس شخص کا انتظار کر رہا تھا جسے شبیر نے گیارہ اور ساڑھے گیارہ کے درمیان ملاقات کا وقت دیا تھا' وہ میری زندگی کی پہلی مجرمانہ مہم تھی لیکن میں خوفزدہ نہیں تھا' مجھے سزا یافتہ ہونے کی سند پہلے ہی مل چکی تھی' میں جیل میں زندگی گزارنے کے ڈھنگ سے بخوبی واقف ہو چکا تھا' شیرا کی رفاقت اور اس کی تربیت نے مجھے بہت نڈر اور بے خوف بنا دیا تھا' میں اپنی صلاحیتوں کے اس پہلے امتحان کے لئے پوری طرح آمادہ تھا۔

"شبیر نے غلط نہیں کہا تھا برادر ...." راجو نے دبی زبان میں کہا "ہم نے جس آدمی کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے اس کی جڑیں حکومت میں بہت اندر تک پھیلی ہوئی ہیں' آکٹوپس کے خطرناک پنجوں کی طرح۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو ....؟" میں نے راجو کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"جو کام آپ کرنا چاہتے ہیں وہ اس خاکسار کو سونپ دیں" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

"تم یقیناً مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو گے لیکن اس مقام تک پہنچنے کی خاطر تم نے بھی کبھی پہلی سیڑھی پر ضرور قدم رکھا ہوگا" میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی "آج کا معرکہ میرے لئے بھی ایک آزمائش ہے' میں اس موقع پر پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا۔"

"لیکن ...."

"تم میرے ساتھ ہو میرے لئے یہی بہت ہے" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا "میری ایک بات کا خیال رکھنا' جب تک میں تمہاری مدد طلب نہ کروں تم درمیان میں نہیں آؤ گے۔"

"کیا یہ آپ کا حکم ہے ....؟"

"نہیں ...." میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے کہا "ایک چھوٹی سی درخواست سمجھ لو۔"

راجو جواب میں مسکرا دیا' میں اس کے جذبوں کی صداقت کو محسوس کر رہا تھا'

ہمارے درمیان ایک بار پھر شیرا کے متعلق گفتگو ہونے لگی .... ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے سفید رنگ کی ایک لمبی سی ہم سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رکی تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی .... میرے امتحان کا وقت سر پر آ پہنچا تھا' راجو نے جو اسلحہ فراہم کیا تھا وہ جسم پر موجود تھا' اس کے علاوہ دو خنجر میری دائیں اور بائیں پنڈلیوں پر تسے سے بندھے تھے' میری نگاہیں سفید رنگ کی کار پر مرکوز تھیں جس کے رکنے کے بعد اگلا دروازہ کھول کر ایک باڈی گارڈ قسم کا لمبا تڑنگا شخص شلوار قمیض میں باہر نکلا تھا' اس کے لباس کے اندر کہیں خود کار آتشی اسلحہ بھی ضرور رہا ہوگا۔

"وہ تنہا نہیں ہے برادر" راجو نے مجھے خبردار کیا "گاڑی میں اس کے علاوہ ایک دو آدمی اور بھی ہو سکتے ہیں' کم از کم ڈرائیور تو ضرور ہوگا۔"

"پھر........؟"

"مجھے بھی خدمت کا موقع دیں........" وہ بڑی عاجزی سے بولا "خدا نہ کرے اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں استاد کو کیا منہ دکھاؤں گا' خود میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کرتا رہے گا .... ایک اور ایک کا مقابلہ ہوتا تو میں اصرار نہ کرتا۔"

"یہ میری صلاحیتوں کی آزمائش کی گھڑی ہے .... پلیز' تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرو۔"

راجو نے میرے لہجے کی تپش کو محسوس کیا تو کسمسا کر خاموش ہوگیا' میں گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور آہستہ آہستہ سفید کار کی جانب قدم اٹھانے لگا' فاصلہ جوں جوں گھٹتا جا رہا تھا میری رگوں میں خوف کی گردش تیز ہوتی جارہی تھی' میں پوری طرح محتاط تھا لیکن باڈی گارڈ نما شخص نے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔

"کون ہو تم ....؟" اس نے سرد لہجے میں مجھے مخاطب کیا' اس کی عقابی نظریں میرا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔

"مجھے تم سے نہیں .... تمہارے صاحب سے بات کرنی ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے جگری کا مظاہرہ کیا۔

"کام کیا ہے ....؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔

"اپنے صاحب سے کہو کہ مجھے ڈاکٹر شبیر نے بھیجا ہے" میں نے ٹھوس آواز میں

اسے ہدایت کی۔

مجھے اپنے ارادے میں ناکامی نہیں ہوئی' گاڑی میں بیٹھا ہوا میرا شکار قریب میں آگیا' شبیر کے حوالے کے بعد مجھے اس کے قریب جانے کی اجازت مل گئی' باڈی گارڈ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر پوزیشن سنبھال لی لیکن اس وقت تک اس نے کسی آتشی اسلحہ کی نمائش کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی' گاڑی میں میرا مطلوبہ شخص تنہا نہیں تھا' ڈرائیور بھی موجود تھا۔

"کیا بات ہے ....؟" پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے شخص نے شیشہ نیچے کرتے ہوئے مجھے غور سے گھورا "شبیر خود کیوں نہیں آیا ....؟" اس کے سوال نے مجھے اس بات کا یقین دلا دیا کہ وہی میرا مطلوبہ آدمی تھا' میرے اندر اتھل پتھل شروع ہوگئی' مجھے اپنے بچ نکلنے کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی لیکن اس بات کا یقین تھا کہ میرا شکار میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گا۔

"کیا ہم پرائیویسی میں بات نہیں کر سکتے؟" میں نے ڈرائیور کی سمت دیکھ کر سرگوشی کی' جواب میں اس نے ایک ثانیے کو مجھے غور سے دیکھا پھر اس نے ڈرائیور کو باہر جانے کے احکامات صادر کردیئے' مجھے اس کی حماقت پر ہنسی آ رہی تھی' وہ ضرورت سے زیادہ اعتماد کا شکار ہو رہا تھا' حکومت کے نشے اور برتری کے احساس نے غالباً اسے ذہنی طور پر قلاش کر دیا تھا۔

"کہو .... کیا پیغام ہے؟" ڈرائیور کے جانے کے بعد اس نے پوچھا۔

"اپوزیشن کے کچھ سر پھرے افراد حکومت کے خلاف سازش کا جال بن رہے ہیں" میں نے بڑی رازداری سے کہا "شبیر ان کی نگاہوں میں آگیا ہے اسی لئے وہ خود نہیں آیا' ہو سکتا ہے کہ سازش کی ابتدا کسی خوفناک دھماکے سے ہو' ڈاکٹر کی اطلاع کے مطابق ان کا پہلا ٹارگٹ میونسپل ہال بھی ہو سکتا ہے ...."

"ان حرامزادوں کے نام کیا ہیں؟" اس نے غراتے ہوئے معلوم کیا۔

"مجھے ان کے بارے میں نہیں معلوم' البتہ ڈاکٹر شبیر نے ایک سربمہر لفافہ آپ کے لئے دیا ہے" میں نے کوٹ کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے اس میں تمام تفصیل درج ہو۔"

میں نے وہ حرکت کار کے دروازے پر دونوں کہنیاں ٹکا کر اس قدر محتاط انداز میں کی تھی کہ باڈی گارڈ بھی میرے ہاتھوں کی جنبش محسوس نہیں کر سکا' رات کی تاریکی بھی میرے لئے معاون ثابت ہوئی تھی' بند لفافے میں اپوزیشن کی کسی خفیہ اور خطرناک سازش کی اطلاع نے میرے شکار کے دل کی دھڑکنیں ضرور تیز کر دی ہوں گی' وہ اس اطلاع کو اوپر پہنچا کر اپنے نمبر بڑھوانے کے خواب بھی دیکھ رہا ہوگا لیکن جب میں نے بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر اس کے کشادہ سینے کا نشانہ لیا تو وہ یکلخت ہی تھرتھرانے لگا۔

"خبردار ...." میں نے اسے تنبیہہ کی "اگر زبان سے کوئی آواز نکالنے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

"کک .... کیا چاہتے ہو ....؟" وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا' اس کے چہرے پر امارت کا احساس کسی بجھتی ہوئی شمع کی مانند ٹمٹمانے لگا۔

"تمہاری موت ...."

"نن .... نہیں" وہ بھینچی بھینچی آواز میں گڑگڑانے لگا "خدا کے لئے مجھے جان سے مت مارو .... مم .... میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں ...."

اس کے چہرے پر موت کے سائے لرز رہے تھے' جس ستون پر اس نے اپنی شاندار عمارت کی بنیاد رکھی تھی وہ متزلزل ہوئی شروع ہو چکی تھی' میں نے وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کی' برق رفتاری سے پستول کی نال اس کے سینے پر رکھ کر یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے' اس کے بعد میں نے نہایت پھرتی سے خود کو نرم ریت پر گرا دیا' اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو شاید باڈی گارڈ کی چلائی ہوئی گولی میرے وجود کو بھی چاٹ گئی ہوتی' میں نے شیرا کی دی ہوئی تربیت کو آزمانے میں کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا' زمین پر خود کو گرانے کے ساتھ ہی میرا سیدھا ہاتھ پنڈلی پر بندھے ہوئے خنجر کی جانب لپکا تھا .... میرا نشانہ خطا نہیں ہوا' باڈی گارڈ کے حلق سے نکلنے والی کربناک چیخ رات کے سناٹے میں دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی' وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند ڈگمگاتا ہوا ریت پر ڈھیر ہو گیا' ڈرائیور نے خطرے کو محسوس کر کے جان بچانے کی خاطر مخالف سمت میں دوڑ لگا دی' میں اسے بھی بہ آسانی شکار کر

سکتا تھا لیکن شیرا کی نصیحت نے میرے ہاتھ روک لئے' میں نے اسے مارنے کا ارادہ ترک کیا پھر تیزی سے دوڑتا ہوا اپنی کار میں جا بیٹھا جس کا انجن راجو نے اسٹارٹ کر رکھا تھا' اس نے فوری طور پر مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا' گاڑی کو گیر میں ڈال کر ہوا سے باتیں کرنے لگا .... میں نے سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں' پہلی مہم پر مجھے جو کامیابی نصیب ہوئی تھی اس کا احساس میرے انتقام کے جذبوں کو تھپتھپا رہا تھا .... جرائم کی دنیا میں وہ میرا پہلا ٹھوس قدم تھا۔

-------O-------

دوسری صبح شائع ہونے والے اخبارات میں وہی خبریں تھیں جو عام طور پر ہوا کرتی ہیں' البتہ حکومت کی بساط کے ایک اہم مہرے کے پٹ جانے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی' مرنے والے کی خبر کو مع تصویر کے سیاہ حاشیہ لگا کر چھاپا گیا تھا' اطلاع کے مطابق باڈی شدید زخمی حالت میں سرکاری ہسپتال میں زیر علاج تھا' اس نے بیان دیا تھا کہ حملہ کرنے والے کو اس نے بہت قریب سے دیکھا تھا اور دوسری بار نظر آنے پر اسے بہ آسانی شناخت کر لے گا' گاڑی کے ڈرائیور نے بھی اسی قسم کا ملتا جلتا دعویٰ کیا تھا' میں جانتا تھا کہ ان کے بیان میں کوئی وزن نہیں ہے' وہ شاید مجھے ہراساں کرنے کی خاطر جال پھیلا رہے تھے اخبار میں جو تفصیل شائع ہوئی تھی وہ بھی حقیقت کے برعکس تھی' اطلاع کے مطابق حکومت کا وہ اہم پٹھو جو اب مرحومین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا رات گیارہ اور ساڑھے گیارہ کے درمیان ایک اہم اجلاس میں شرکت کے بعد واپس لوٹ رہا تھا کہ ساحلی علاقے میں واقع اس کے بنگلے سے تقریباً" دو میل کے فاصلے پر چند دہشت گردوں نے اس کا راستہ روک لیا' قاتل چونکہ تربیت یافتہ تھا اس لئے مرحوم کے باڈی گارڈ کو بھی جوابی کارروائی کا موقع نہیں مل سکا۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں نے حسب توقع اس قتل کی سازش میں حزب اختلاف کو ملوث کرنے اظہار کیا تھا' میں نے اخبار پڑھنے کے بعد اسے ایک طرف ڈال دیا' راجو ناشتے کے بعد مجھ سے کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا' میں ڈرائنگ روم میں

صوفے پر بیٹھا اپنے خیالات میں محو تھا کہ راجو داخل ہوا' وہ اس وقت کچھ تھکا تھکا نظر آرہا تھا۔

"کیا خبر ہے ....؟" میں نے پوچھا۔

"فی الحال پورے شہر میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے' پولیس ہر مقام پر چوکس نظر آرہی ہے" راجو نے بتایا "ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈے پر بھی سادہ لباس والے مشتبہ افراد کو سونگھتے پھر رہے ہیں' جگہ جگہ گاڑیاں روک کر تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"تم ان باتوں کو کیا کہو گے ....؟"

"وقت کی بربادی" اس نے کہا "اس طرح ایک طرف تو عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور دوسری جانب مجرم محتاط ہو جاتے ہیں۔ زمانہ چاند تک پہنچ گیا' سائنس داں ستاروں پر کمند ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں لیکن پولیس ابھی تک گھسے پٹے حربے استعمال کر رہی ہے .... میں جانتا ہوں کہ اس اچھل کود سے کیا ہوگا .... حکومت کے اشارے پر اپوزیشن کے کئی بے گناہ گھروں سے اٹھا لئے جائیں گے' امن وامان کی صورت خراب کر کے اس کی ذمہ داری بھی مخالفین کے کھاتے میں ڈال دی جائے گی' پولیس مقابلے کی آڑ میں ناپسندیدہ افراد کو بھون دیا جائے گا' مرنے والوں کے عزیز اقربا زیادہ شور شرابا کریں گے تو ان کی زندگی کا معاوضہ ادا کر کے جلی سرخیوں میں اس کی تشہیر کی جائے گی"

"ڈاکٹر شبیر کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے ....؟" میں نے کچھ سوچ کر کہا "کیا اسے چھوڑ دینا مناسب ہوگا؟"

"میں نے اسے صبح ہی آزاد کر دیا ہے ...."

"کیا مطلب ....؟" میں چونک اٹھا۔

"مجھے افسوس ہے برادر کہ میں جلدی میں آپ سے مشورہ نہیں کر سکا" راجو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "لیکن یہ میری ذمہ داری ہے کہ وہ اب صرف ہمارے اشاروں پر ناچے گا۔"

"لیکن ...."

"مجھے اندیشہ تھا کہ زخمی ہونے والا باڈی گارڈ آپ کو شناخت کر سکتا ہے چنانچہ

میں نے ڈاکٹر شبیر کی وفاداری کو آزمانے کے لئے اس کی رہائی کو باڈی گارڈ کی موت سے مشروط کر دیا تھا" راجو نے سنجیدگی سے کہا "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ باڈی گارڈ اب اس دنیا میں نہیں ہے ...."

"گڈ ...." میں راجو کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا' باڈی گارڈ کی زندگی میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتی تھی' میں جذبات کی رو میں اسے فراموش کر بیٹھا تھا لیکن راجو نے اس معمولی خدشے کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا' ہم کچھ دیر تک اسی موضوع پر بات کرتے رہے پھر اچانک مجھے کاظم پاشا کا خیال آگیا' میں نے راجو سے اس بارے میں دریافت کیا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بڑے اداس لہجے میں بولا۔

"محبت' سیاست اور جنگ میں ہر کمینگی کو جائز سمجھا جاتا ہے .... میں کاظم پاشا کو بہت قریب سے جانتا تھا ...."

"کیا ....؟" مجھے دھچکہ سا لگا "کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے اسے کئی بار سمجھایا تھا کہ تعلیمی اداروں میں سیاسی سرگرمیوں سے باز آجائے لیکن وہ جس نیک مقصد کے لئے کام کر رہا تھا اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا' عجیب سر پھرا نوجوان تھا .... اس پر کئی بار قاتلانہ حملے ہوئے' وہ بار بار معجزاتی طور پر بچتا رہا' اس کا مشن ان لوگوں کو بے نقاب کرنا تھا جو نوجوان طالب علموں کو اپنے مطلب کی خاطر سکوں کی چمک دکھا کر گندی سیاست میں ملوث کر کے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے تھے .... مگر موت تو برحق ہے برادر .... ایک روز وہ گولی کام کر گئی جس پر اس کا نام لکھا جا چکا تھا۔"

"کیا تم ان لوگوں سے واقف ہو جو اس کی موت کے ذمہ دار ہیں؟"

"ہاں ...." راجو نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا "وہ حرام کا تخم اسی جماعت کا سربراہ تھا جس کے لئے کاظم پاشا نے اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی تھی ...."

"میں سمجھا نہیں ....؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"دولت اور کرسی دونوں کا نشہ بڑا ذلیل ہوتا ہے۔" راجو نے مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا "میں جس شخص کی بات کر رہا ہوں وہ بھی دولت اور کرسی کی لالچ میں آ کر

فروخت ہو گیا تھا' اسی کی نشاندہی پر کئی بے گناہ کام آ گئے .... کاظم پاشا کو کالج کے احاطے میں ہی گولی ماری گئی تھی مگر پولیس آج تک قاتلوں کا سراغ نہیں لگا سکی .... اپنا پیٹ سب کو عزیز ہوتا ہے ...."

"کاظم پاشا میرا ہم جماعت تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ہمارے تعلقات اتنے گہرے نہیں رہے کہ اسے دوستی کا نام دیا جا سکے' بس واجبی سی شناسائی تھی لیکن میں جس حادثے کا شکار ہو کر جیل گیا تھا اس نے راستے میں .... "اتفاقاً" کاظم پاشا سے بھی میرا ایک تعلق پیدا کر دیا تھا" میں نے راجو تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ مسکرا کر بولا:

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے .... آپ جس سب انسپکٹر کی بات کر رہے ہیں وہ استاد کا خاص غلام ہے' ہو سکتا ہے اس نے بھی کاظم پاشا کو کیس میں منتقی کرنے کے لئے تنظیم کے سربراہ سے کوئی لمبی رقم اینٹھ لی ہو ...."

"اس بد کردار کا کوئی نام بھی ضرور ہو گا ...." میں نے قدرے جھلا کر دریافت کیا۔

"اس کا نام عظمت بیگ ہے ...."

"عظمت بیگ ....؟" میں چونک اٹھا "یہ تو ایک خاصی مشہور مذہبی شخصیت کا نام ہے۔"

"داڑھی کی آڑ میں شکار کھیلنا تو بہت پرانا محاورہ ہے برادر ...." راجو زہر خند لہجے میں بولا "عظمت بیگ تو ایک نمبر کا چلتا پرزہ ہے' بگلا بھگت بن کر دونوں پارٹیوں کا مال بغیر ڈکار لئے ہضم کر رہا ہے' اسے وزارت کی پیشکش بھی ہوئی تھی لیکن اس نے انکار کر دیا .... حکومت سے نورا کشتی کے پیش نظر وہ دھواں دھار تقریریں بھی کرتا ہے اور آئے دن اخبارات کے ذریعے بیان بھی داغتا رہتا ہے .... مجھے تو یہ بھی پتہ ہے کہ اس کی جڑیں کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہیں" آخری جملہ ادا کرتے وقت راجو بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

"کیا تم مجھے عظمت سے ملوا سکتے ہو ....؟"

"کیوں نہیں ...." راجو نے بڑے اعتماد سے کہا پھر فون کی گھنٹی بجی تو اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا کچھ دیر بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر بولا "آپ کے لئے

ایک خوشخبری ہے .... استاد کو آپ کے پہلے کارنامے کی اطلاع مل گئی ہے' اس نے آپ کو مبارک باد کا پیغام بھیجا ہے ...."

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' شیرا کے بارے میں سوچنے لگا جو بڑے منظم طور پر اپنا کاروبار چلا رہا تھا' اس کے لئے جیل کے اندر یا باہر رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' دونوں جگہ اس نے اپنے قدم پوری مضبوطی سے جما رکھے تھے!

-------O-------

راجو کے مشورے پر میں ایک ہفتے تک دارالاسلام ہی تک محدود رہا پھر ایک رات وہ مجھے ڈیفنس کے سب سے گنجان اور خوبصورت علاقے میں واقع ایک عالیشان کوٹھی پر لے گیا' کسی مصلحت پر اس نے گاڑی ڈرائیور کے ذریعہ باہر ہی سے واپس کر دی تھی' کوٹھی کے باہر باوردی چوکیدار موجود تھے لیکن وہ راجو سے واقف تھے اس لئے ہمیں اندر جانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا' ایک ملازم نے ہمیں ڈرائنگ روم تک پہنچا دیا' میں ڈرائنگ روم کو دیکھ کر ششدر رہ گیا' اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر میں وقت برباد نہیں کروں گا' صرف اتنا ہی کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ اس کی سجاوٹ اور آرائش پر دونوں ہاتھوں سے آنکھ بند کر کے بے دریغ دولت لٹائی گئی تھی' کوٹھی بھی پندرہ سو گز کے رقبے پر تعمیر تھی' میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے راجو سے پوچھا:

"کیا یہ کوٹھی بھی استاد استعمال میں ہے؟"

"جی نہیں .... استاد بیحد سادگی پسند واقع ہوا ہے' وہ اس قسم کی فضولیات اور ٹیم ٹام کو پسند نہیں کرتا۔"

"پھر .... یہ کس کی ملکیت ہے؟"

"نازنین بیگم کی ...." راجو نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا "آپ اسے دیکھیں گے تو اس ڈرائنگ روم کا حسن بھی اس کے سامنے شرماتا نظر آئے گا' بلا کی حسین عورت ہے' ناگن کی طرح بل کھا کر چلتی ہے۔ خاصیت بھی ناگنوں جیسی ہے' اس ڈسا پانی کی حسرت دل ہی میں لئے ٹکٹ کٹا جاتا ہے' یہاں عام لوگوں کا گزر نہیں

ہوتا‘ صرف وہی افراد آسکتے ہیں جن کے پاس حرام کی دولت کی کوئی کمی نہیں ہوتی .... کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جن کو خود نازنین بیگم کی طرف سے یہاں آنے کا بلاوہ ملتا ہے۔“

”ہمارا شمار کن لوگوں میں ہے ....؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”مفت کے تماش بینوں میں ....“

”کیا مطلب ....؟“ میں نے راجو کی باتوں سے نازنین بیگم کے کاروبار کا اندازہ لگاتے ہوئے سوال کیا ”کیا ہم یہاں کامیابی کا جشن منانے آئے ہیں؟“

”ایسا بھی نہیں ہے ....“ راجو نے کہا ”مجھے معلوم ہے کہ استاد نے آپ کو حسین چیزوں کے سلسلے میں کیا نصیحت کی ہو گی‘ میں بھی استاد کی نصیحتوں پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے کا عادی ہوں لیکن کبھی کبھی ضرورت ہمیں ایسی جگہوں پر آنے پر مجبور کر دیتی ہے۔“

”آج تمہیں کون سی ضرورت یہاں کھینچ لائی ہے ....؟“

”ضرورت میری نہیں .... آپ کی ہے ....“

”میں سمجھا نہیں ....؟“ میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

”کچھ دیر اور صبر کرلیں برادر .... پردہ اٹھنے کے بعد آپ سب کچھ سمجھ لیں گے۔“

”کیا استاد بھی نازنین کے واقف کاروں میں سے ہے؟“ میں نے اپنی معلومات کی خاطر دریافت کیا۔

”جی ہاں ....“ راجو نے بڑی تفصیل سے کہا ”نازنین اور استاد دونوں ایک دوسرے کے پرستار ہیں لیکن بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ کبھی قائم نہیں ہوا‘ نازنین کا شمار اپنے حلقے کی ان خوش نصیب خواتین میں ہوتا ہے جن کی چوکھٹ پر قدم رکھنے کی بڑے بڑے سرمایہ دار بھی صرف حسرت کر سکتے ہیں لیکن یہی نازنین بیگم استاد کی آمد کی اطلاع پاکر کوٹھی کے صدر دروازے پر استقبال کے لئے منتظر رہتی ہے‘ شہر کے روسا نازنین پر پانی طرح دولت لٹاتے ہیں اور یہ بڑی پابندی سے دارالاسلام کے لئے دو لاکھ کا چندہ دیتی

ہے‘کئی بار اس نے رقم بڑھانے کی بھی درخواست کی تھی لیکن استاد نے منع کر دیا ....“

”دارالاسلام کے لئے چندہ .... میں سمجھا نہیں؟“ میں تعجب سے پوچھا۔

”استاد کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے‘ وہ اگر پتھر پر بھی لات مارے تو اس میں سے بھی دولت کا چشمہ پھوٹ سکتا ہے‘ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ دارالاسلام میں ہفتے میں ایک روز عام اجتماع ہوتا ہے جس میں مفت لنگر تقسیم ہوتا ہے‘ یہ سلسلہ صرف دارالاسلام تک محدود نہیں ہے .... ہر اڈے کے لئے ہفتے کا ایک خاص دن مخصوص ہے جس میں غریب و مسکین شامل ہوتے ہیں۔“ راجو نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ”مفت لنگر میں ہماری کمائی ہوئی دولت نہیں استعمال ہوتی ہے‘ یہ کاروبار صرف لوگوں کے دئے ہوئے چندہ سے چلتا ہے‘ استاد کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا‘ مخیر لوگ خود اپنی مرضی اور خوشی سے بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں لیکن ہم اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ اس رقم میں ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت شامل نہ ہو۔“

”گویا استاد نازنین کی کمائی کو حرام نہیں سمجھتا ....؟“ مجھے راجو کی بات پر حیرت ہوئی تھی۔

”یہ راز ابھی تک ہماری سمجھ میں بھی نہیں آسکا“ راجو نے جلدی سے کہا ”ویسے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ نازنین واحد خاتون ہے جس کی کمائی کو استاد نے لنگر میں شامل کرنے کی اجازت دے رکھی ہے ....“

ہم گفتگو میں مصروف تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ہماری خاطر تواضع کا سلسلہ جاری تھا‘ خدمت کرنے والے شاید گونگے اور بہرے تھے‘ وہ خاموشی اور بڑے ادب سے چپ چاپ ٹرالی لئے اندر داخل ہوتے اور نظریں جھکائے الٹے قدموں واپس لوٹ جاتے‘ فضا اتنی سحر انگیز تھی کہ مجھے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا‘ میں راجو کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں شیرا کی پہلودار شخصیت کے تانے بانے جوڑ رہا تھا کہ ایک ملازم دروازے پر نمودار ہوا‘ میرا خیال تھا کہ وہ ہمارے لئے نازنین کا کوئی خاص پیغام لایا ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا‘ آنے والے کے منہ میں شاید

زبان نہیں تھی' اس نے نگاہوں نگاہوں میں راجو کو کوئی اشارہ کیا پھر ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کو اندر سے بند کرتا ہوا ایک بغلی راستے سے تیز تیز قدم اٹھاتا نظروں سے اوجھل ہو گیا' میں نے راجو سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہا مگر اسی لمحے خوشبو کا ایک معطر جھونکا آیا اور ذہن کو فرحت بخش تازگی سے دوچار کر گیا۔

راجو کی نگاہوں کے تعاقب میں میری نظریں بھی مشرقی گوشے کی سمت گھوم گئیں پھر یوں لگا جیسے میں کسی الف لیلوی داستان کا ایک کردار بن گیا ہوں .... مشرقی دروازے سے گزر کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم میں داخل ہونے والی خاتون آسمانوں پر سجائے جانے والے اندر کے اکھاڑے کی کوئی حسین اپسرا لگ رہی تھی' راجو نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ بہت کم تھا' اس کی ایک ایک جنبش دلوں کو گرمانے کے لئے بہت کافی تھی' وہ بلا کی حسین تھی' اس کے جسم کے ایک ایک عضو سے جیسے روشنی کی ٹھنڈی ٹھنڈی خواب آور کرنیں پھوٹ رہی تھیں' اس کا رنگ و روپ اور ہر ادا قابل دید تھی' اس کی کھلی ہوئی زلفیں ناگنوں کی طرح شانوں پر بل کھا رہی تھیں' اس کی بادامی غلافی آنکھوں میں ایسا جادو تھا جو دلوں کو تسخیر کر سکتا تھا' خوابیدہ خوابیدہ وہ حسین آنکھیں جیسے شراب کے دو چھلکتے جام تھے جن سے نشہ پھوٹ رہا تھا' دراز پلکوں کی جنبش سونے پر سہاگے کا کام انجام دے رہی تھی' گالوں کی سرخی لعل بدخشاں سے کہیں زیادہ دلفریب تھی' اس کے مخروطی ہونٹ' ستواں ناک' اور جسمانی نشیب و فراز سب ہی قیامت تھے' کس کس ادا کی تعریف کی جاتی' زبان اور الفاظ کی شعلہ بیانی اس کے حسن کی تعریف کرنے سے قاصر تھی' وہ مجسم شعلہ تھی جس میں مقناطیسی کشش کوٹ کوٹ کر بھری تھی' اس نے کسی زیور کی چمک دمک سے اپنے وجود کو سجانے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی' غالباً اسے احساس تھا وہ بذات خود ایک ایسا انمول اور تراشیدہ ہیرا ہے جس کے سامنے زروجواہر بھی ہیچ تھے۔ وہ سر تا پا قیامت تھی۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پلکیں بند کروں اور وہ خواب بن کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔

ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ ہمارے قریب سے باد نسیم کے معطر جھونکے کی طرح

گزری' خاص طور پر اس نے مجھے نظر بھر کر دیکھا اس کے بعد اپنے مخملی جسم پر پھسلتے حریری لباس کو ایک ادائے دلبرانہ سے سمیٹ کر ہمارے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی' میں بدستور اس کے حسن کی سحر انگیزیوں میں گم تھا .... پھر جیسے ماحول میں نقرئی گھنٹیاں سی بج اٹھیں .... وہ راجو سے مخاطب تھی۔

"استاد نہیں آئے ....؟"

"وہ آجکل دورے پر ہیں ...."

"اور تم نے مجھے خبر تک نہ کی" اس نے راجو کے مخصوص انداز کو بھانپ کر شکوہ کیا "کیا میں استاد کے کسی کام نہیں آ سکتی تھی"

"ہم استاد کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے" راجو نے سنجیدگی سے کہا "آپ جانتی ہیں کہ ہم استاد کے اشاروں پر صرف کل پرزوں کی مانند حرکت کرتے ہیں ...."

"اس وقت کیسے زحمت کی ....؟" اس نے بڑے اخلاق سے دریافت کیا۔

"برادر کو آپ سے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے" راجو نے میری طرف اشارہ کیا۔

"برادر ....!" اس نے ایک بار پھر مجھے بڑی توجہ سے دیکھا' اس کی نگاہوں کی تپش میرے وجود کو پگھلانے لگی' مجھے اپنا گلا خشک ہوتا محسوس ہو رہا تھا' شاید میں اس کی نگاہوں کی تاب نہیں لا سکا تھا "آپ کی تعریف ....؟" اس نے بدستور میری سمت دیکھتے ہوئے راجو سے پوچھا۔

"آپ انہیں خان دلاور ہی سمجھ لیں" راجو نے میری اہمیت کو اجاگر کیا تو نازنین کے ہونٹوں پر گداز پر ایک ملکوتی تبسم ابھرا آیا۔

"آپ کا نام ....؟" اس بار وہ براہ راست مجھ سے مخاطب تھی۔

"رشید احمد ...." میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

میرا نام سن کر اس کے چہرے کے تاثرات میں کچھ نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو گئیں' شاید اسے نام پسند نہیں آیا تھا یا پھر اس نام سے اس کی زندگی کا کوئی اہم تعلق ضرور تھا' اس کی نگاہوں میں تجسس جاگ اٹھا' مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"آپ کا تعلق شاید صوبہ پنجاب سے .... میرا مطلب یہ ہے کہ آپ مقامی نہیں معلوم ہوتے ...."

"آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے ...." میں نے اس کی ذہانت کی داد دی "میرا تعلق بھاولنگر سے ہے' چشتیاں میں میرا ایک چھوٹا سا گھر تھا' وہیں میں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی' اس کے بعد والد نے مجھے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر کراچی بھیجا تھا لیکن ...."

"لیکن وقت کی گردش نے میرے برادر کو دورے پر بھیج دیا تھا۔" راجو نے بڑی خوبصورتی سے میری مشکل آسان کرتے ہوئے ایک ہی جملے میں ساری کتھا بیان کرتے ہوئے کہا" استاد سے برادر کی ملاقات سرکاری مہمان خانے میں ہی ہوئی تھی' اب یہ بھی ہماری برادری میں شامل ہو گئے ہیں ...."

"اوہ ...." وہ راجو کا جواب سن کر مضطرب سی ہو گئی لیکن فوراً" ہی خود پر قابو پاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئی "استاد کے حوالے سے تو آپ میرے لئے اور زیادہ عزیز بن گئے ہیں .... فرمایئے' میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"اگر ہماری اطلاع غلط نہیں ہے تو آج شاید محترم اور عالی جناب عظمت بیگ صاحب آپ کے مہمان خصوصی بننے والے ہیں" راجو نے حقارت سے کہا۔

عظمت بیگ کا نام سن کر یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ راجو مجھے نازنین کی کوٹھی پر کس مقصد کے لئے لے گیا تھا۔

"عظمت بیگ ...." نازنین کی پیشانی بھی عظمت بیگ کا نام سن کر شکن آلود ہو گئی اس نے پہلو بدل کر کہا "جن کے ظاہر و باطن ایک نہ ہوں' قول و فعل میں زمین و آسمان کا تضاد ہو وہ افراد مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے' عظمت بیگ تو بڑا بد ذات آدمی ہے' دن میں مذہب آڑ لے کر سیدھے سادھے معصوم لوگوں کو فریب دیتا ہے اور ...."

"ہم اس کی اصلیت سے پوری طرح واقف ہیں" میں نے بیحد سنجیدگی سے کہا "اسے کوئی مناسب سبق دینا بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہو چکا ہے' اسی غرض سے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔"

"آپ اشارہ کریں .... میں تعمیل حکم سے انکار کی جرات نہیں کروں گی"
اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا "کیا اس کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک کرنا ہے؟"

"جی نہیں ...." میں نے جلدی سے وضاحت کی "دراصل عظمت بیگ نے میرے ایک ہم جماعت کو اپنے مفاد کی خاطر حالات کی سولی پر چڑھا دیا تھا' اسی سلسلے میں مجھے اس کا کچھ حساب چکتا کرنا ہے .... جان سے مارنا ہوتا تو ہم آپ کو زحمت نہ دیتے۔ آپ شاید میرا مطلب سمجھ رہی ہیں ...."

"اب سمجھ گئی ...." اس نے بے تکلفی سے جواب دیا "آپ اسے بلیک میل کر کے پالتو کتوں کی طرح اپنے اشارے پر بھونکنے پر مجبور کرنے کے خواہشمند ہیں ...."

"اگر آپ کو منظور نہیں ہے تو ہم کوئی دوسرا راستہ بھی اختیار کر سکتے ہیں" راجو نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب یہ نہیں ہو سکتا ...." اس نے راجو کو جواب دیا پھر مجھے دیکھ کر بڑی اپنائیت سے بولی "رشید صاحب پر اب ہمارا بھی کچھ حق بنتا ہے" میں اس کی خود سپردگی کے اس برملا انداز پر گڑ بڑا کر رہ گیا' نہ جانے وہ میرے وجود میں پہلی ہی ملاقات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی تھی .... کہیں وہ اس کی طبیعت کا خاصہ تو نہیں تھا' میں نے سوچا پھر میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے موقع نہیں دیا' یکلخت بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"ایک چھوٹی سی درخواست ہے آپ سے .... عظمت بیگ جیسے حرفوں کے بنے دوغلے شخص سے دور ہی رہئے گا' وہ اپنے مفاد کی خاطر بڑی سے بڑی کمینگی کا ثبوت بھی دے سکتا ہے .... اور میں نہیں چاہتی کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں ...."

"بڑی گہری باتیں کرتی ہیں آپ ...." میں نے اس کے آخری جملے کو محسوس

کر کے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا "کہاں سے سیکھی ہیں یہ باتیں؟"

"زمانے نے سکھا دی ہیں" اس کے ہونٹوں پر ایک سوگوار سا تبسم جاگ اٹھا۔ " آپ یہ سب کچھ جو دیکھ رہے ہیں یہ میری شناخت نہیں ہے' یہ ان شرفا کی دین ہے جنہوں نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا' اس عمارت کی ایک ایک اینٹ کے بوجھ تلے میرا ماضی سسک رہا ہے' اس کی مٹی اور گارے میں میرے خواب دفن ہیں' اس کی بنیادوں میں میرے ارمانوں کا خون شامل ہے ...." وہ بتدریج جذباتی ہوتی چلی گئی "خوابوں کی تعبیر نہ ملے تو پھر بے بسی انسان کا مقدر بن جاتی ہے' روشن چراغوں کی اوٹ میں چھپے اندھیروں تک ہر شخص کی نظر نہیں پہنچ سکتی .... مسکراہٹ کی قیمت تو سب ادا کرتے ہیں .... درد کا درماں کون کرتا ہے؟"

"افسوس ہے کہ مجھے شاعری سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔" میں نے ایک بار پھر بے رخی کا مظاہری کیا۔

"ہم اب اجازت چاہیں گے" راجو نے ماحول کی تبدیلی کو محسوس کر کے اٹھتے ہوئے کہا "کیا اس بات کی امید رکھیں کہ آپ عظمت بیگ کے سلسلے میں ہمارے کام آئیں گی؟"

"امید پر تو دنیا قائم ہے ...." وہ بھی ہمیں رخصت کرنے کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی' میں نے اس کے جواب میں کرب کی شدت محسوس کی' اس کی سحر آموز نگاہوں میں کھنڈرات کی ویرانی ابھرنے لگی تھی' شاید اسے میرے کسی جواب سے دکھ پہنچا تھا' اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے راجو سے کہا۔ "مجھے بھولنے کی عادت نہیں ہے .... میں اپنا ماضی بھی آج تک فراموش نہیں کر سکی ہوں اب لوگ مجھے نازنین بیگم کے نام سے جانتے ہیں مگر مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹی سی تھی تو اماں اور ابا کے علاوہ کچھ واقف کار بھی مجھے نازو کے نام سے پکارتے تھے .... آپ شاید یقین نہ کریں گے کہ میرا باپ اس وقت سبزی بھاجی کا ٹھیلا لگایا کرتا تھا .... میرے پڑوس میں برکت علی نامی ایک شخص رہا کرتا تھا' میں اسے چاچا برکتے

کہہ کر پکارتی تھی .... بہت پیار کرتا تھا وہ مجھ سے۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر ایک سرد آہ بھر کے بولی "یادیں ہی تو ہیں جو وجود سے کبھی کنارہ اختیار نہیں کرتیں .... سائے کی طرح پیچھا کرتی رہتی ہیں۔"

میں برکت علی کا نام سن کر تڑپ اٹھا' جیسے میرے وجود کے نہاں خانوں میں کسی نیزے کی انی اچانک پھنس کر ٹوٹ گئی ہو' نازنین راجو سے مخاطب تھی لیکن میں سمجھ چکا تھا کہ اس کا اشارہ میری طرف ہے' میں اس کی خلش کو محسوس کر کے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں پر قابو نہ پا سکا' اب میرا راجو کے ساتھ وہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں تھا' میں نے نازنین کے چہرے کو غور سے دیکھا تو میرا دل ڈگمگانے لگا اور میرے اندر بھی جوار بھاٹے کی کیفیت طاری تھی' ایک لمحے کو میرے قدم رکے پھر میں نے راجو کا ہاتھ تھاما اور تیز تیز قدم اٹھاتا کوٹھی سے باہر آگیا' مجھے یقین تھا کہ نازنین کی بے چین کی نظروں نے دور تک میرا تعاقب ضرور کیا ہوگا .... میرے ذہن میں برکت علی کا نام صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا .... وہ نام کسی غیر کا نہیں .... میرے مرحوم باپ کا تھا .... !!

نازنین کی زبان سے اپنے باپ کا نام سن کر میرے زخم دوبارہ تازہ ہوگئے' وہ نازنین نہیں میری اپنی نازو ہی تھی جسے میں وقت کے بھنور میں الجھ کر بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا' بچپن اور جوانی کے درمیان سالہا سال کا سفر اتنا گرد آلود تھا کہ چہرے دھندلا گئے تھے۔ یادیں ناہموار راستوں کے پیچ و خم میں کھو کر رہ گئی تھی .... اس نے راجو کی موجودگی میں بڑی خوبصورتی سے اپنے چہرے کا نقاب پلٹ دیا تھا .... وہ باوفا تھی' خوش قسمت تھی' اس کی لگن سچی تھی جو اس نے مجھے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا لیکن میں اس کی باتوں کا غلط مطلب اخذ کر کے اس پر طنزیہ جملوں کے نشتر لگاتا رہا۔

میں اسے پہچاننے سے قاصر ہی رہا تھا .... پہچانتا بھی کیسے ...... میں نازنین پر نازو ہونے کا گمان بھی نہ نہیں کر سکتا تھا شاید اس لئے کہ میں جس نازو سے واقف تھا وہ بہت بھولی بھالی اور معصوم سی گڑیا تھی' ہمارا بچپن ایک ساتھ ہی گزرا تھا' اس وقت ہمیں تلاش روزگار یا فکر معاش سے کوئی تعلق نہیں تھا' ہم سارا سارا دن ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے' ذرا بڑے ہوئے ہوش نے کروٹ لی اور شعور بیدار ہوا تو رفاقتیں محبتوں میں تبدیل ہو گئیں' پہلے سب کے سامنے برملا ملتے تھے پھر حجاب اور حیا مانع ہونے لگی .... نازو سر پر اوڑھنی ڈالنے کے بعد جیسے یکلخت جوانی کی سرحدوں میں داخل ہو گئی تھی .... پھر ہم چوری چھپے کھیتوں میں چلے جاتے جہاں

کسی سایہ دار درخت تلے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے' ہماری باتوں کا نقش ہمارے معصوم دلوں پر نقش ہوتا رہا' مجھے وہ وقت بھی یاد آگیا جب چشتیاں سے کراچی کے لئے روانہ ہوا تھا' نازو نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر مجھے ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہا تھا' اس کی بھیگی نگاہیں تا دیر میرے وجود پر جمی رہی تھیں۔

مجھے بھولی بسری باتیں یاد آتی رہیں' نازو نے اپنے گھر پر مولوی چراغ دین سے واجبی تعلیم حاصل کی تھی' اس کا باپ بڑا محنتی' جفاکش اور دیانتدار آدمی تھا' اسے صرف پچیسی کھیلنے کا شوق تھا' یہی شوق میرے والد کو بھی تھا جس کی وجہ سے ان دونوں کی بہت گاڑھی چھنتی تھی' نازو کا باپ مجھے پسند کرتا تھا لیکن وقت کا سیلاب مجھے خس و خاشاک کی طرح بہا کر دور لے گیا' قدرت نے میری قسمت میں محرومیاں رقم کر دی تھیں' کچھ ایسی صورت یقیناً نازو کے ساتھ بھی پیش آئی ہو گی جو وہ نازو سے نازنین بیگم گئی' اب اسے لباس پہننے اور خراماں خراماں چلنے کا سلیقہ آگیا' اس کی معصوم غزالی آنکھوں میں حالات کی جادوگری اور سحر کی آمیزش شامل ہو گئی تھی' کوئلے سے ہیرا بننے تک اسے یقیناً بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا لیکن اب بہرحال شعلہ بن چکی تھی' اسے احساس ہو چلا تھا کہ اس کی نگاہوں کی تپش پتھر کو بھی پگھلا سکتی ہے' پلکوں کی ایک ایک جنبش سے اس نے دلوں پر بجلی گرانے کا انداز سیکھ لیا تھا' پہلے وہ ایک معصوم پرندہ تھی لیکن اب ایک کامیاب شکاری کی حیثیت اختیار کر چکی تھی' قطرے سے گہر بننے تک اس کی روح کی پاکیزگی کو ضرور روندا گیا ہوگا .... اس کے معصوم خوابوں کی کرچیاں اس کے وجود میں کہیں نہ کہیں ضرور پیوست ہوں گی .... زمین سے آسمان تک کا سفر طے کرنے کی خاطر اس نے خون آشام درندوں کے سامنے ہاتھ بھی ضرور جوڑے ہوں گے پھر لٹ جانے کے بعد انتقامی جذبوں کی خاطر بدلتے حالات سے مفاہمت کر لی ہوگی .... اگر میرا اندازہ درست تھا تو پھر ہم دونوں ہی ایک کشتی کے سوار تھے .... فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے مجھے فراموش نہیں کیا تھا .... پہلی نظر میں شناخت کر لیا تھا اور میں اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر اس کی اصلیت نہیں جان سکا تھا!

میرے ذہن میں گرم آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے' میرے اندر کہیں کوئی

پرانی بھٹی پھر بھڑک اٹھی تھی جس کے شعلے مجھے جھلسا رہے تھے' عجیب عجیب سے خیالات ابھرابھر کر آپس میں گڈ مڈ ہو رہے تھے .... میں نے چشتیاں میں ایک بار ایک کچی گلی کو پکی سڑک بنتے دیکھا تھا' میرے ذہن میں وہ کثافت آمیز مراحل گھومنے لگے جس سے گزر کر سوندھی سوندھی مٹی کی مہک تارکول میں لتھڑنے کے بعد سڑک کے روپ میں سامنے آئی تھی۔ میرے دل پر آریاں چلنے لگیں' مجھے وہ معصوم اور بھولی بھالی نازو یاد آگئی جس نے شہر جانے کی خبر سننے کے بعد کئی بار رو رو کر مجھے روکنے کی کوشش کی تھی' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"شہر جانے کا خیال دل سے نکال دے شیدے .... میرا دل گھبرانے لگتا ہے ...."

"پریشان کیوں ہوتی ہے نازو .... میں کوئی ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہا" میں نے اسے سمجھانے کی خاطر کہا تھا "پانچ سال تو چٹکی بجاتے گزر جائیں گے پھر جب میں بڑا آدمی بن جاؤں گا تو تیرا باپ خوشی خوشی تجھے میری جھولی میں ڈال دے گا۔"

"سنا ہے شہر جا کر لوگ انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاتے ہیں" اس نے معصومیت سے پوچھا "کیا وہاں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؟"

"جب تو میری رانی بن کر چلے گی تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

میری بات سن کر وہ ایک لمحے کو چھوئی موئی کے کسی معصوم پودے کی طرح اپنے وجود میں سمٹ گئی پھر سوچ کر بولی "یہاں کس بات کی کمی ہے جو تو شہر کی طرف بھاگنے کو پر تول رہا ہے؟"

"شہر جا کر انسان ڈھیر ساری دولت کما لیتا ہے' میں نے اسے باور کرایا' اور روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے' اس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔"

"سچ ...." اس نے حیرت کا اظہار کیا پھر کچھ سوچ کر بولی "روپیہ کمانے کے بعد تو میرے لئے کیا خریدے گا؟"

"ٹیکہ ...." میں نے اس کی کشادہ پیشانی پر نظر ڈالی "ٹیکہ سج جانے کے بعد تیری یہ سونی پیشانی سرسوں کے کھیت کی طرح لہلہانے لگے گی۔"

"تیرے بنا دل نہیں لگے گا" اس نے دل کی گہرائیوں سے جواب دیا پھر بولی "

چاچا برکتے بھی تو یہاں محنت مزدوری کر کے روزی کماتا ہے .... تو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جا' ایک ساتھ مل جل کر رہنے کی برکت ہی کچھ اور ہوتی ہے ...."

لیکن میں نے نازو کی بات نہیں مانی تھی اور اب ایک طویل عرصے کے بعد میں نے اسے دیکھا تھا تو پہچان نہ سکا' حالات نے اسے معصوم ٹہنی سے ایک تناور درخت بنا دیا تھا .... اسے وہ سب کچھ حاصل ہو گیا تھا جسے پانے کی خاطر ڈاکٹر بننے کے ارادے سے شہر آیا تھا .... اس کے ظاہر و باطن میں اتنا تضاد آگیا تھا کہ میں اسے شناخت نہ کر سکا لیکن اس نے میرے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے باوجود پہچان لیا تھا' شاید اس کے جذبوں کی سچائی تھی .... بلندیوں پر پرواز کرنے کے باوجود ایک ذرہ اس کے ذہن میں محفوظ تھا .... وہ ذرہ میں تھا جسے اس نے زندگی کے خار زاروں پر آبلہ پا چلتے ہوئے تھی اپنی گھنیری پلکوں کی اوٹ میں بڑی حفاظت سے چھپا رکھا تھا۔

راجو نے مجھے گھر آنے کی اطلاع دی تو میرے خیالات کا شیرازہ ٹوٹ کر بکھر گیا' میں نے راجو سے کوئی بات نہیں کی' گاڑی سے اتر کر تیز تیز سیڑھیاں عبور کر کے اپنی خوابگاہ میں آگیا' مجھے اس وقت کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا' میرا ذہن ان حالات کے بارے میں الجھ رہا تھا جنھوں نے نازو کو نازنین بننے پر مجبور کیا تھا۔

لباس تبدیل کر کے میں بستر پر دراز ہوا تو راجو دستک دے کر اندر آگیا' وہ تجربہ کار تھا' راستے بھر میری خاموشی اس کے لئے یقیناً پریشان کن ثابت ہوئی ہوگی۔

"کیا بات ہے برادر!" اس نے آرام کرسی پر بیٹھ کر مجھے کریدنے کی کوشش کی "آپ خاموش کیوں ہیں؟"

"نازنین کے بارے میں سوچ رہا ہوں ...." میں روانی میں کہہ گیا۔

"نہ سوچیں ...." وہ میری بات کا غلط نتیجہ اخذ کر کے مسکرا دیا "اس کے چاہنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔"

"کچھ باتیں اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں" میں نے راجو کی معنی خیز مسکراہٹ کو درگزر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ حکم دیں" وہ بڑی دریا دلی پر اتر آیا "نازنین کے بجائے نازنینوں کے انبار

لگا دوں گا لیکن ایک شرط پر .... استاد کو سنبھالنا آپ کا کام ہوگا۔"

"تم نازنین کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟" میں دبی زبان میں سوال کیا۔

"آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟" اس بار اس نے مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

"وہ جو کچھ نظر آتی ہے .... وہ نہیں ہے۔"

"میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کروں گا" وہ پر خیال انداز میں بولا "اس دنیا میں کوئی بھی لڑکی اپنی مرضی سے چل کر نہیں آتی' ہم اور آپ جیسے شہہ زور اسے یہاں زبردستی گھسیٹ لاتے ہیں پھر وہ اسی راستے کی مسافر بن جاتی ہے .... واپسی کا راستہ اس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ کوئی انہیں قبول نہیں کرتا۔"

میں نے راجو کو ہم خیال پایا تو ماہی بے آب کی مانند تڑپ اٹھا' وقت کی اس گردش کے بارے میں سوچنے لگا جس نے نازو کو اپنے بھنور میں لپیٹ کر شمع محفل بنا دیا تھا .... راجو کی دوربین نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں' وہ نگاہوں کے ذریعہ میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"راجو ...." میں نے پینترا بدل دیا "کیا تمہیں امید ہے کہ نازنین بیگ جیسے زمانہ شناس کو اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہو جائے گی؟"

"وہ ہمارے ساتھ دغا نہیں کر سکتی" راجو نے سنجیدگی سے جواب دیا "اسے بخوبی علم ہے کہ استاد کو ناراض کر کے سکون سے نہیں رہ سکتی۔"

"ہو سکتا ہے کوئی مجبوری اس کے آڑے آجائے" میں نے نازو کے بارے میں جاننے کے خاطر دوسرا راستہ اختیار کیا "میرا مطلب ہے کہ نازنین جیسی عورتیں خود مختار نہیں ہوتیں' کوئی نہ کوئی ان کی نگرانی ضرور کرتا ہوگا ورنہ یہ سونے کی چڑیاں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔"

"آپ کا خیال غلط نہیں ہے ...." راجو نے معنی خیز انداز میں کہا "اپنی نازنین بیگم بظاہر آزاد پنچھی نظر آتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ پنجرے سے باہر نکالنے سے پیشتر ان کے پر قینچ دیے گئے ہیں .... میں اس شخص کو بھی جانتا ہوں جو نازنین بیگم کی کمائی بھی کھاتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ بھی دیتا ہے' بڑا خطرناک آدمی سمجھا جاتا ہے' اس نے دس بارہ غنڈے اور بدمعاش بھی جمع کر رکھے ہیں لیکن ایک

پتے کی بات بتاؤں آپ کو .... جو آدمی اتنا بے غیرت ہو کہ عورت کی کمائی پر خم ٹھونکے وہ مردانگی کا مظاہرہ کبھی نہیں کر سکتا' دھونس دھڑلے کی اور بات ہے' ویسے ایک بات سچ ہے کہ چودھری نواز نے نازنین کی بدولت بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات بنا رکھے ہیں .... کچھ ان شرفا کی وجہ سے بھی مغرور ہو گیا ہے .... مگر استاد کو دیکھ کر ہمیشہ دم ہلاتا ہوا کسی کونے کھدرے میں دبک جاتا ہے۔"

"چودھری نواز ...." میں نے کچھ سوچ کر پوچھا "وہی تو نہیں جس کی بائیں کنپٹی پر گہرے زخم کا نشان ہے؟"

"آپ واقف ہیں اس سے ....؟"

"نہیں ...." میں نے تیزی سے بات بنائی "ایک بار وہ جیل میں کسی سے ملنے آیا تھا' وہیں دیکھا تھا۔"

مجھے اپنے منصوبے میں ناکامی نہیں ہوئی' نازنین کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر میں نے جو دوسرا راستہ اختیار کیا تھا اس کے پہلے ہی موڑ پر چودھری نواز کی مکروہ شخصیت میرے علم میں آ چکی تھی .... میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی .... نواز بھی چشتیاں ہی کا رہنے والا تھا' اس کا باپ چودھری نیاز احمد دودھ کے کاروبار کے ساتھ ساتھ پہلوانی بھی کرتا تھا' دودھ کے کاروبار کی وجہ سے اس کا حلقہ خاصہ وسیع تھا' اکھاڑے میں اس کے ساتھ جوڑ کرنے والے اسے استاد کے لقب سے نوازتے تھے' اچھا خاصہ نیک اور ملنسار آدمی تھا' دو منزلہ عمارت میں رہتا تھا' دولت کی بھی اس کے پاس کوئی کمی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود یار دوستوں اور محلے والوں سے ہمیشہ بڑی انکساری سے پیش آتا تھا لیکن اس کا بیٹا نواز احمد خراب لڑکوں کی صحبت میں رہ کر وقت سے پہلے پر پرزے نکالنے لگا تھا' دودھ دہی کی بہتات نے اسے خاصہ صحتمند بنا دیا تھا اس لئے دوسروں پر رعب جمانے میں پیش پیش رہتا تھا' راستہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑنا اور ان پر آوازیں کسنا اس کا محبوب مشغلہ تھا' ایک بار اسی گندی عادت کی بدولت رات گئے دو آدمیوں نے اسے اکیلے میں گھیر لیا تھا' نواز احمد کی قسمت اچھی تھی جو کچھ لوگ شور و غل سن کر اس کے بچاؤ کو آ گئے ورنہ اسی رات اس کا قصہ پاک ہو جاتا۔ حملہ آوروں نے اپنے چہرے نقاب میں چھپا رکھے تھے اس

لئے ان کی تو شناخت نہیں ہو سکی البتہ فرار ہوتے ہوتے بھی وہ نواز احمد کی بائیں کنپٹی پر چاقو کا اتنا گہرا گھاؤ لگا گئے تھے جو ہمیشہ کے لئے اس کا شناختی نشان بن کر رہ گیا تھا' نیاز احمد کو خبر ہوئی تو اس نے حملہ آوروں کو تلاش کرنے کے بجائے نواز ہی کو دھن کو رکھ دیا تھا۔ اس لئے کہ اسے اکثر اولاد کی کمینی حرکتوں کی رپورٹ ملتی تھی' اس مار کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ نواز احمد اپنے محلے میں سر جھکا کر چلنے لگا لیکن دور دراز کے علاقوں میں اس کی بد معاشیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

چودھری نیاز احمد نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا اوباش لڑکوں کے ساتھ بدمعاشیوں میں اپنا وقت برباد کرتا پھرے' اس نے نواز احمد کو پڑھائی کے لئے باہر بھیجنے کی ٹھان لی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا' ایک روز چودھری نیاز کی دوکان پر کچھ بہکے ہوئے شرابی آپس میں جھگڑ پڑے' نیاز احمد کے آدمیوں نے انہیں قابو کرنا چاہا تو ایک بندے نے نیفے سے ریوالور نکال کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی' پہلے نیاز احمد کا ایک ملازم گرا پھر ایک سنساتی ہوئی گولی نیاز احمد کے چراغ کو بھی گل کر گئی' باپ کی موت کے بعد نواز احمد نے دودھ کی دوکان پر دھرنا جما لیا' اب وہ ہر طرح آزاد تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایک بار نازو نے بھی دبی زبان میں نواز احمد کی شکایت کی تھی .... بہر حال چودھری نواز کا نام سن کر میرے زخم تازہ ہو گئے' اس نے میری محبت کو اپنے پیروں تلے روندا تھا' نازو کی بربادی میں اس کا مکروہ ہاتھ نظر آجانے کے بعد میرے اندر انتقام کی آگ شعلے کا روپ دھارنے لگی۔

"یہ چودھری نواز رہتا کہاں ہے ....؟" میں نے راجو سے دریافت کیا۔

"کیا بات ہے برادر!" راجو نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "میں محسوس کر رہا ہوں کہ نازنین میں آپ کی دلچسپی کچھ زیادہ ہی ...."

"تمہارا اندازہ غلط ہے ...." میں جلدی سے بولا "میں کسی اور وجہ سے چودھری نواز کے بارے معلوم کر رہا ہوں۔"

"کیا اس کا بھی کوئی پرانا حساب بے باق کرنا ہے؟"

"ہاں ...." میں نے بات بناتے ہوئے جواب دیا "چودھری نواز نے جیل میں

جس بندے سے ملاقات اس نے بعد میں بلاوجہ مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت میں خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہ گیا تھا۔"

"کیا استاد کو اس کی خبر نہیں ہوئی تھی؟"

"اس وقت میں دوسری بیرک میں تھا .... استاد کی شاگردی اس بندے کی رہائی کے بعد میسر آئی تھی" میں نے کہانی کی اہمیت کو بڑھاتے ہوئے کہا "جانتے ہو اس نے مجھ سے کیا کہا تھا .... اس نے میری بے بسی اور شرافت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی نفرت سے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں سزا پوری ہونے کے بعد اس شہر کو ہی خیر باد کہہ دوں ورنہ چودھری نواز کے گرگے میری تکہ بوٹی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔"

"اس نے شاید غلط نہیں کہا تھا" راجو ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا "چودھری نواز نے بھی اس شہر میں خاصہ ٹھکا جما رکھا ہے۔ اس کے چیلے چانٹے قتل و غارت گری سے گریز نہیں کرتے' بار بار پکڑے جاتے ہیں پھر چھوٹ کر باہر آ جاتے ہیں .... دراصل نازنین بیگم کی سفارش نے ان حرامزادوں کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔"

"تم مجھے چودھری نواز کا پتہ دو ...." میں نے سرسراتے لہجے میں کہا "بعد میں جو ہو گا .... دیکھا جائے گا۔"

"میں آپ کو اس کم ذات سے ٹاکرا کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا' اس ولد حرام کے لئے میں ہی بہت ہوں۔"

"راجو .... ! کیا تم اس بات کو روک سکو گے کہ جس گولی پر قدرت کسی بندے کا نام لکھ دیتی ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا!"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں برادر لیکن اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو استاد مجھے معاف نہیں کرے گا" راجو نے پہلو بدل کر کہا "میری معلومات کے مطابق استاد ہفتہ دس دن میں دورے سے واپس آ رہا ہے اس کے بعد ...."

"میرا خیال ہے کہ چودھری نواز اتنا گمنام شخص نہیں ہو گا کہ اسے تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے ...."

"میں آج کا کام کل پر چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"پہلے عظمت بیگ کے قصے کو نپٹالیں تو زیادہ مناسب ہوگا" راجو نے میری بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "چودھری نواز کے مقابلے میں عظمت بیگ بھی زیادہ موٹی آسامی ہے .... اس میں سے چربی بھی زیادہ نکلنے کی امید ہے"

"تم شاید مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہو" میں نے قدرے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو برادر ...." وہ بڑی عاجزی بولا "آپ مجھے حکم دیں' میں چودھری حکم نواز کو ہاتھ پیر باندھ کر آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گا .... پھر آپ کو پورا پورا اختیار ہوگا ...."

"میں تمہاری دوستی اور وفاداری کی قدر کرتا ہوں میرے عزیز' لیکن مچان پر بیٹھ کر شکار کھیلنا میرے اصول کے خلاف ہے" میں نے اسے اپنا مدعا سمجھانے کی کوشش کی "لطف تو جب ہے کہ شیر کی کچھار میں گھس کر اس کو للکار کر مارا جائے۔"

"آپ بضد ہیں تو میں آپ کو اس کا پتہ دوں گا لیکن ایک شرط پر ...."

"وہ کیا؟"

"میں اور میرے دو ساتھی بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے .... یہ میرا وعدہ ہے کہ جب تک دوسری جانب سے کوئی غیر متعلقہ آدمی اپنی ٹانگ نہیں اڑائے گا ہم بھی دخل در معقولات نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے .... مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے" میں نے راجو کی بات مان لی تو اس نے اطمینان کی سانس لیا پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا۔

وہ رات میں نے پلکوں تلے گزاری تھی' میں خود کو نازو کی بربادی کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا اگر میں نے اس کی بات مان لی ہوتی اور بڑا آدمی بننے کی خاطر شہر نہ آیا ہوتا تو میری موجودگی میں چودھری نواز کے گندے ہاتھ نازو کے پاک دامن تک نہیں پہنچ سکتے تھے' بہر حال میں نے بڑی سنجیدگی سے طے کر لیا تھا کہ چودھری نواز کو عبرتناک موت مار کر اپنے دل کا کچھ بوجھ ضرور ہلکا کرنے کی کوشش کروں گا' وہ میرے ارمانوں کا قاتل تھا' اس نے چھپ کر میری خوشیوں پر خنجر مارا تھا' میرے خوابوں کے محل

مسمار کر دیئے تھے' نازو کو جیتے جی مار ڈالا تھا اور اب اسی کی سلگتی لاش پر اپنی قوت کا سکہ جمائے بیٹھا تھا' میں اسے زندہ کس طرح چھوڑ سکتا تھا؟

میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر عظمت بیگ کے سلسلے میں راجو مجھے نازنین کی کوٹھی پر نہ لے گیا ہوتا تو شاید اس کی یاد نہ جانے کب تک میرے دل کے نہاں خانوں میں میری پریشانیوں کے بوجھ تلے دبی رہتی' تقدیر نے مجھے جس رستے کا مسافر بنا دیا تھا اس پر شرافت کی زندگی کا تصور بھی میرے لئے اجنبی بن کر رہ گیا تھا' شیرا کی رفاقت نے میرے جذبوں کو مہمیز کر کے زندگی کے ایک نئے رخ سے روشناس کرایا تھا' میں ان لوگوں کے اسی دنیا میں اپنا حساب بے باق کرنے کی قسم کھا چکا تھا جو میری خوشیوں کے قاتل تھے' جنہوں نے میرے باپ کو بے بسی اور کسمپرسی کی موت سے ہمکنار کر دیا تھا' جن کی بدولت ڈاکٹر بن کر غریب افراد کی مسیحائی کے خواب چکنا چور ہوئے تھے' سیاست کے خون آشام درندوں نے مجھے خوفزدہ کر کے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا تھا' میں ان مہربانوں کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا جنہوں نے میری شرافت کو کچل کچل کر مجروح کیا تھا .... نازو کے راستے میں آ جانے سے میرے خون کی تپش اور میری وحشتوں میں کچھ اور اضافہ ہو چکا تھا میرے اندر دبا ہوا آتش فشاں دھواں دینے لگا تھا۔

میں رات بھر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا پھر میں غنودگی کی کیفیتوں سے دوچار تھا کہ خوابگاہ میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی میرا خیال تھا کہ راجو دوسرے کمرے سے کال اٹینڈ کرے گا لیکن وہ غالباً اپنے کمرے میں نہیں تھا یا پھر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہیلو ...." چوتھی گھنٹی بجی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"اچھا ہوا جو آپ نے خود ہی کال ریسیو کر لی۔" دوسری جانب سے نازو کی مترنم آواز سنائی دی تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو ہونے لگیں "مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں رشید احمد بول رہا ہوں" میں نے جان بوجھ کر سپاٹ لہجہ اختیار کیا "آپ کو کس سے کام ہے؟"

"میں نازنین بول رہی ہوں" اس نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا' شاید میرے روکھے لہجے نے اس کے نازک احساس کو ٹھیس پہنچائی تھی .... "کل رات آپ راجو کے ساتھ غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔"

"معاف کیجئے گا ...." میں نے معذرت کا انداز اپنایا "فون پر میں آپ کی آواز نہیں پہچان سکا تھا' میرے لئے کوئی حکم؟"

"آپ نے عظمت بیگ کے سلسلے میں جو کام سونپا تھا وہ ہو گیا ہے" اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا "آپ راجو یا کسی قابل اعتماد آدمی کو بھیج کر اپنی امانت منگوالیں .... میں نے عظمت بیگ کے سلسلے میں جو مواد تیار کیا ہے اس کے منظر عام پر آنے کے بعد اس کے عزت کا بھرم خاک میں مل جائے گا .... ہو سکتا ہے وہ خود کشی ہی کر لے۔"

"میں راجو کا شکر گزار ہوں جس کی وجہ سے آپ نے میری درخواست قبول کر لی تھی" میں نے بدستور خود کو پردے میں رکھنے کی کوشش کی۔

"میرا شکریہ نہیں ادا کریں گے آپ!" اس کے لہجے میں حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے" میں نے دل پر جبر کر کے جواب دیا "کہاں .... یہ یاد نہیں آرہا۔"

"جو بات یاد نہ آئے اسے بھلا دینا چاہئے" اس نے پامال لہجے میں کہا "سراب کے پیچھے بھاگنے سے پیاس نہیں بجھتی' تشنگی کا احساس اور شدت اختیار کر جاتا ہے۔"

"کل رات رخصت ہوتے ہوئے آپ نے کسی چاچا برکتے کا نام لیا تھا .... کون تھا وہ؟"

"ایک بھولی بسری کہانی کا کردار تھا .... بالکل میری طرح" اس کی آواز میں درد کی آمیزش تھی۔

"اگر میں آپ کو نازنین کے بجائے بجائے نازو کہوں تو آپ کو ناگوار خاطر تو نہیں ہوگا؟"

"میں یہ حق آپ سے کبھی نہیں چھینوں گی ...." وہ تڑپ اٹھی اور رندھی آواز میں بولی "کیا آپ اب بھی مجھے آزمانے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"نازو ...." میں نے جلدی سے کہا "میں بہت زخمی ہو چکا ہوں شاید اسی لئے حقیقت سے فرار کی راہ تلاش کر رہا ہوں۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا ...." وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"میں تم سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں نازو .... مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں" میں نے اپنائیت کا اظہار کیا۔

"میں .... میں شاید اب اس قابل نہیں رہ گئی" اس نے کراہ کر کہا "آپ اپنی نازو کو بھولے نہیں میرے لئے یہی بہت ہے۔"

"نازو ...." میں جذباتی ہونے لگا "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہاری بربادی کا ذمہ دار کون ہے' میں ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالوں گا .... ان گنہگار آنکھوں کو حلقوں سے باہر نکال کر قدموں تلے روند ڈالوں گا .... مم .... میں چودھری نواز کے وجود کے دھجیاں اڑادوں گا ...."

"نہیں شیدے .... نہیں" اس نے تڑپ کر مجھے سمجھانے کی کوشش کی "وہ بہت خطرناک لوگوں کا گروہ ہے' ان کے ہاتھ بہت لمبے ہو چکے ہیں۔"

"میں تم سے بہت جلدی ملوں گا نازو .... میرا انتظار کرنا" میں نے اپنا جملہ مکمل کرتے ہی ریسیور کریڈل سے علیحدہ رکھ دیا' مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ مجھے اپنے پیار کی قسم دے کر میرے پیروں میں بیڑیاں نہ پہنا دے .... پھر میں نے راجو کو بلا کر اسے ہدایت کی کہ وہ کسی معتبر آدمی کو بھیج کے سارے ثبوت منگوا لے جو اس نے میری خاطر تیار کئے تھے۔

"کیا نازنین نے خود فون کیا تھا؟" راجو نے نیچے رکھے ہوئے ریسیور کو دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا' اس کی آنکھوں میں اب بھی نیند کا خمار موجود تھا۔

"ہاں ...." میرا جواب بے حد مختصر تھا۔

"آپ مجھے کچھ پریشان نظر آرہے ہیں برادر!" راجو نے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہ چودھری نواز کا کوئی معاملہ ہے؟"

"ہاں ...." میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہاتھ مسل کر کہا "میں نے نازنین سے اس کا تذکرہ چھیڑا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ چودھری نواز بہت خطرناک اور عیار دشمن ہے۔"

"آپ نے اچھا نہیں کیا برادر!" راجو نے سنجیدگی سے کہا "اگر نازنین بیگم نے اسے ہمارے ارادے سے مطلع کر دیا تو وہ ہم سے بچنے کی خاطر بہت دنوں کے لئے انڈر گراؤنڈ چلا جائے گا .... آج تک اس مردود نے استاد یا اس کے کسی آدمی سے آنکھیں ملانے کی جرات نہیں کی ہے' وہ خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ دور اندیش اور چالاک بھی ہے' جہاں سینہ ٹھونک کر سامنے نہیں آ سکتا وہاں نامردوں کی طرح اپنے کسی آدمی کو پشت سے وار کرنے کی ہدایت کر کے خود منظر عام سے ہٹ جاتا ہے۔"

"میں نے اسی لئے آج رات ہی اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں اور میرے ساتھی آپ کے ساتھ ہیں" راجو نے کہا "رہا نازنین کا مسئلہ تو آپ اس کی فکر ہی نہ کریں' میں ابھی فون کر کے اسے سختی سے تاکید کئے دیتا ہوں کہ وہ چودھری نواز اور ہمارے معاملے میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی حماقت نہ کرے .... مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے گی۔ ہمارے کسی حکم سے انکار کر کے وہ استاد کی خفگی مول لینے کی حماقت کبھی نہیں کرے گی۔"

"نہیں .... تم فی الحال نازنین کو کوئی ہدایت نہیں دو گے" میں نے فیصلہ کن آواز میں کہا "ایک بات اور .... اس وقت اگر نازنین کے علاوہ بھی کسی کا فون میرے لئے آئے تو کوئی بہانہ کر کے ٹال دینا۔"

راجو نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا' مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا' شاید وہ میری گفتگو کے ذریعہ کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کے لئے کوشش کر رہا تھا!

--------O--------

چودھری نواز کے کمرہ خاص تک پہنچنے کی خاطر مجھے تین لاشوں کو پھلانگنا پڑا تھا'

راجو کے دونوں ساتھی چودھری نواز کے آدمیوں کے مقابلے میں زیادہ پھرتیلے ثابت ہوئے تھے' انہوں نے پلک جھپکتے میں میرے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور اب وہ سرونٹ کوارٹرز کی طرف چلے گئے تھے' راجو میرے ہمراہ تھا لیکن چودھری نواز کی خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ کر وہ بھی رک گیا' اس نے وعدہ خلافی نہیں کی تھی۔

اس وقت رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی' مجھے خوابگاہ میں داخل ہونے کے سلسلے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی' دروازہ اندر سے لاک تھا لیکن راجو کے چابک دست ہاتھوں نے میری خاطر اس کی رکاوٹ بھی پلک جھپکتے میں دور کر دی' چودھری نواز مجھے جس حالت میں ملا وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھی' نشے کی زیادتی اور اپنے آدمیوں کی وجہ سے شاید اس نے سوچا بھی نہ ہو گا کوئی اس کی خوابگاہ میں گھس کر اس کے عیش و آرام میں مداخلت بھی کر سکتا ہے' میں نے جس وقت اندر قدم رکھا وہ ایک نازک اندام حسینہ کے نیم عریاں جسم سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا' دونوں ہی کیف و مستی میں سرشار تھے' پہلے اس لڑکی کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ ہڑ بڑا گئی پھر چودھری نواز نے میری سمت دیکھا تو اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی' لڑکی نے بڑی تیزی سے ایک چادر اپنے جسم پر کھینچ لی تھی۔

"کون ہو تم؟" وہ مجھے کسی آدمخور درندے کی مانند پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورتے ہوئے غرایا "میں نے منع کیا تھا کہ رات کے وقت مجھے کسی وجہ سے بھی ڈسٹرب نہ کیا جائے ...." وہ مجھے اپنا ہی کوئی کارندہ سمجھ رہا تھا۔

"کب تک خواب غفلت میں پڑے رہو گے چودھری نواز!" میں نے سرد لہجے میں کہا "مجھے غور سے دیکھو' میں تمہارا کوئی زر خرید غلام نہیں ہوں۔"

"تم خواہ کوئی بھی ہو ...." وہ غرایا "میں اس وقت کوئی فضول بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں' جو بات کرنی ہے صبح کرنا۔"

وہ ابھی تک شراب و شباب کے نشے کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا' البتہ لڑکی کی نگاہوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

"ہوش میں آجاؤ چودھری نواز!" میں اونچی آواز میں بولا "ہو سکتا ہے صبح تک تم اس قابل ہی نہ رہو کہ میری بات سن سکو ...."

"کیا مطلب ....؟" وہ غصے میں اٹھ کر بیٹھ گیا "مجھے بتاؤ کہ تمہیں میرے آدمیوں نے یہاں تک آنے کی اجازت کس طرح دی؟"

"اجازت ...." مجھے اس کے نادر شاہی سوال پر ہنسی آگئی "اجازت مردہ نہیں زندہ لوگ دیا کرتے ہیں۔"

"کیا کہا تم نے؟" اس بار وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا "کیا تم نے میرے آدمیوں کو مار ڈالا ہے؟"

"ہاں ...." میں نے اسے حقارت سے گھورتے ہوئے سپاٹ آواز میں جواب دیا "اب تمہاری باری ہے۔"

"تم .... تم شاید مجھ سے مذاق کر رہے ہو ...." اس نے مجھے غیر یقینی انداز میں دیکھا پھر پلکیں جھپکائے بغیر بولا "تمہیں شاید میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے!"

"فکر مت کرو .... آج تمہاری طاقت کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا۔"

وہ مجھے بدستور غصیلی نظروں سے گھور رہا تھا' اسے غالباً" موقع کی نزاکت کا پوری طرح احساس نہیں تھا لیکن جب میں نے کمر پر بندھی ہوئی پٹی میں سے پہلا چاقو نکالا تو اس کی چمک کو دیکھ کر چودھری نواز کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا' اس کا نشہ آہستہ آہستہ ہرن ہو رہا تھا

"کک .... کیا چاہتے ہو تم؟" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"نازو کی زندگی کا حساب ...." میں نے سفاک لہجے میں کہا۔

"اوہ ...." اس نے سنبھلنے کی کوشش کی "اگر نازو نے تمہارے ساتھ کاروباری تعلقات میں کوئی ہیرا پھیری کی ہے تو میں تمہارا نقصان پورا کروں گا .... وہ .... تم سے معافی بھی مانگ لے گی۔"

"مجھے غور سے دیکھو چودھری نواز ...." میں نے چاقو کو لہراتے ہوئے کہا "پہچاننے کی کوشش کرو"

"مم .... میں نے شاید تمہیں پہلے کہیں دیکھا ضرور ہے" وہ مجھے گھورتے

ہوئے بولا "کہاں؟ یہ یاد نہیں آرہا۔"

"برکت علی کا نام سنا ہے کبھی؟" میں نے خونخوار لہجے میں جواب دیا تو اسے بھولی بسری تمام باتیں یاد آگئیں

"تت .... تم شیدے ہو ....؟" اس نے مردہ سی آواز میں کہا' اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑنی شروع ہو گئی' لڑکی بدستور چادر کے اندر سمٹی سمٹائی بیٹھی مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آج تمہارا یوم حساب تمہارے سر تک آ پہنچا ہے ...." میں نے باہر راجو کی موجودگی کی وجہ سے دبی زبان میں کہا پھر چاقو کو اٹھا کر کے تھام لیا' مری نگاہیں اس کے مکروہ وجود پر جمی ہوئی تھیں "طاقت کے نشے نے تمہیں اندھا کر دیا تھا' تم نے میری غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ایک مہکتی کلی کو شاخ سے نوچ کر مٹی میں ملا دیا۔ عورتوں کی دلالی کی کمائی نے تمہاری آنکھوں میں چربی پیدا کر دی ہے۔ تمہارے تعلقات بہت اوپر تک ہیں اس لئے تمہیں قانون سے بھی کوئی خوف نہیں رہا لیکن ایک قانون ایسا بھی ہے جس کے آگے کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ...." میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ "آج تمہارے تعلقات .... تمہارے اثر رسوخ اور تمہاری حرام کی کمائی ہوئی دولت .... کچھ کام نہیں آئے گی' میں تمہاری ان آنکھوں کو پھوڑ ڈالوں گا جن سے نازو کو بری نگاہوں سے دیکھا تھا .... تم کئی بار قانون کے شکنجے سے بچ چکے ہو لیکن آج ...."

میں خاموش ہوا تو شاید چودھری نواز نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی' اس نے تیزی سے مسہری سے چھلانگ لگا دی۔ وہ فرار ہونا چاہتا تھا لیکن استاد شیرا نے مجھے ایسے موقعوں سے نبرد آزما ہونے کے سلسلے میں جو تربیت دی تھی وہ ضائع نہیں گئی' میں نے ہاتھ کا رخ معمولی سا تبدیل کر لیا' میرا نشانہ خطا نہیں گیا' میرا پھینکا ہوا چاقو فضا میں لہراتا ہوا اس کے داہنے شانے میں دستے تک پیوست ہوا وہ کربناک انداز میں چیختا ہوا کسی زخمی پرندے کی مانند فرش پر ڈھیر ہو گیا' سہمی ہوئی لڑکی نے موت اور زندگی کے اس بھیانک کھیل کو دیکھ کر چلانا شروع کر دیا' وہ میرے خلاف نہیں تھی لیکن موقع کی نزاکت کے پیش نظر مجھے مجبوراً" اسے خاموش کرنا پڑا' میں نے جھپٹ کر

اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لی' وہ اس قدر خوف زدہ اور بوکھلائی ہوئی تھی کہ مجھے زیادہ زور آزمائی کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی' دو تین جھٹکوں کے اندر ہی اس کی گردن ایک سمت ڈھلک گئی تھی' میں نے لڑکی کو چھوڑنے کے بعد دوسرا چاقو نکالا تو چودھری گڑگڑانے لگا' ہاتھ جوڑ کر بولا!

"رحم کرو .... مم .... تمہارے ساتھ ہر قسم کی سودے بازی کرنے کو تیار ہوں .... مجھے مت مارو .... میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"اوپر سے بلاوا آجائے تو پھر توبہ کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں لیکن میں تمہیں اتنا موقع ضرور دوں گا کہ تم آخری بار کلمہ پڑھ لو .... اس کے بعد ...."

چودھری نواز نے میرے ہاتھ کو فضا میں بلند ہوتا دیکھ کر میرے خطرناک ارادے کو بھانپ لیا تھا' وہ تیزی سے اٹھ کر بھاگا لیکن اس بار میرا پھینکا ہوا چاقو اس کی پسلی کے درمیان پھنس کر رہ گیا' وہ ایک بھیانک چیخ مار کر دوبارہ ڈگمگاتا ہوا فرش پر گرا اور ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگا۔

میری وحشت جنون کی سرحدوں کو چھو رہی تھی' میں نے تیسرا چاقو نکالا اور کسی قصائی طرح آگے بڑھ کر اس کے پھڑپھڑاتے ہوئے جسم کو اپنے بوجھ تلے دبوچ لیا' چودھری نواز مجھ سے گڑگڑا گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگ رہا تھا' خدا کا واسطہ دے رہا تھا لیکن اس کی کربناک چیخوں کی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی' میری نظروں کے سامنے نازو کا معصوم چہرہ تھا جو درندوں کے ہجوم میں گھری ہوئی .... بچاؤ .... بچاؤ کی صدا بلند کر رہی تھی' میرے ہاتھ مشینی انداز میں چلنے لگے' میں نے ان دونوں آنکھوں کو ہمیشہ کے لئے بے نور کر دیا جنہوں نے کبھی میری نازو کی پاکیزگی کو میلی نظروں سے دیکھا تھا' چودھری نواز درد کی شدت سے گزر کر خاموش ہو چکا تھا لیکن میرے انتقام کی تشنگی ابھی باقی تھی' میں نے بڑی بیدردی سے ایک ہاتھ کو اس کے جسم سے علیحدہ کیا پھر اس کا دوسرا ہاتھ میرے شکنجے میں آگیا لیکن اسی وقت راجو نے اندر داخل ہو کر تیزی سے کہا۔

"برادر! ہمیں اب نکل چلنا چاہئے' میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔"

میں راجو کی آواز سن کر تیزی سے اچھل کر کھڑا ہوگیا' میرے سامنے فرش پر چودھری نواز کا خون میں لت پت بے جان جسم پڑا تھا' اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل کر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی تھیں

"مجھے افسوس ہے چودھری نواز .... میں جلدی میں تمہارے ساتھ خاطر خواہ کارروائی نہیں کر سکا" میں نے اس کی لاش کو ٹھوکر مار کر حقارت سے کہا پھر اس کے چہرے پر تھوک کر تیزی سے راجو کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا' میں نے ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے اس لئے کسی ثبوت کو مٹانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

رات کی تاریکی میں ہم بغیر کسی مداخلت کے اپنے ٹھکانے تک واپس آگئے' راجو نے راستے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا ...... شاید اس نے میری وحشت اور درندگی کا ہولناک مظاہرہ دیکھ لینے کے بعد اس وقت مجھے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

---------O---------

دوسری صبح میں دیر سے بیدار ہوا' غسل کر کے لباس تبدیل کیا تو طبیعت قدرے ہلکی ہوگئی' ناشتے کے لئے باہر نکلا تو راجو میرا منتظر تھا' اس نے میرے بغیر ناشتہ نہیں کیا تھا' ناشتے کے دوران ہمارے درمیان چودھری نواز ہی کا ذکر ہوتا رہا' گفتگو کے دوران میں نے اس بات کا اندازہ لگا کر خوشی محسوس کی تھی کہ راجو کو اس بھیانک انتقام کی اصلیت کا علم نہیں ہو سکا تھا' شاید میرے چودھری نواز کی خوابگاہ میں داخل ہونے کے بعد وہ باہر کی سن گن لینے کی خاطر اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس چلا گیا تھا لیکن وہ اس حقیقت کو جاننے کی خاطر مضطرب ضرور تھا جس نے مجھے درندگی پر اکسا دیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں برادر!" اس نے ناشتے کے دوران دبی زبان میں کہا "آپ برا تو نہیں منائیں گے؟"

"میرے خیال میں اب ہمارے درمیان کوئی ایسا پردہ نہیں ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے کوئی بات پوچھنے کی خاطر تکلفات سے کام لینا پڑے" میں نے مسکرا کر بڑی اپنائیت سے جواب دیا "تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

"کیا چودھری نواز سے آپ کی کوئی پرانی دشمنی تھی؟"

"ہاں ...." میں نے ایک فرضی کہانی کو ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے کہا "کسی زمانے میں ہم ایک دوسرے کو بہت قریب سے جانتے تھے' ہمارے درمیان دوستی نام کا کوئی رشتہ نہیں تھا' بس واجبی سی سلام دعا تھی لیکن پھر ایک معاملے میں چودھری نواز میرے آڑے آگیا' میں نے اس وقت درگزر سے کام لیا تھا' میرا خیال تھا کہ وہ دوبارہ میرا راستہ کاٹنے کی حماقت نہیں کرے گا لیکن ...."

"کیا کوئی بہت سنگین معاملہ تھا؟" راجو نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "گزشتہ رات بھی میں یہی دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن اس وقت آپ پر جنون طاری تھا اس لئے ...."

"نفرت کا جذبہ جب حد سے گزر جائے تو پھر جنون کی شکل اختیار کر لیتا ہے" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا " مجھ پر مرحوم کا قرض باقی تھا' تم سے جب معلوم ہوا کہ وہ اسی شہر میں ہے تو میں برداشت نہ کر سکا .... استاد کی ایک بات میرے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔"

"وہ کیا؟" راجو نے وضاحت طلب نظروں سے دریافت کیا۔

"استاد نے کہا تھا کہ ایک جنگل میں دو شیر ہوں تو کسی ایک کی برتری کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہو جب وہ دوسرے کو پھاڑ کھائے۔"

"استاد کی ہر منطق نرالی ہوتی ہے" راجو نے سنجیدگی سے کہا پھر قدرے معنی خیز لہجے میں بولا "برادر .... کہیں اس برتری کی اکھاڑ پچھاڑ کے پیچھے کسی لڑکی کا تو کوئی چکر نہیں تھا؟"

"زر .... زن .... اور زمین ہی کے جھگڑے اتنی سنگین نوعیت اختیار کر لیتے ہیں جو بات قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے" میں نے گول مول انداز میں کہا۔ "عظمت بیگ کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے' دولت کی ہوس سے مجبور ہو کر ہی اس نے کاظم پاشا کی زندگی کا سودا دشمنوں سے کر ڈالا تھا .... کیا تم اس کو واجب القتل قرار نہیں دو گے؟"

عظمت بیگ کا ذکر درمیان میں آجانے سے چودھری نواز کا معاملہ پس پشت چلا

گیا۔

"آپ کے لئے ایک خوش خبری ہے میرے پاس۔" راجو نے چائے کا آخری گھونٹ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے کہا "اس نے آپ کے لئے ایک ایسی ویڈیو بھیجی ہے جس میں بہت سارے مادر زاد برہنہ ثبوت بھی موجود ہیں جو عظمت بیگ کی موٹی گردن کے لئے پھانسی کا پھندہ ثابت ہو سکتے ہیں .... میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو نازنین بیگم پہلی ملاقات کے بعد ہی آپ پر کچھ زیادہ مہربان ہو گئی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں بھی نہیں سمجھ سکا کہ اس ظالم نے ایسے خاص مناظر کیوں منجمد کر لئے جو صرف کیمرے کی خفیہ اور پرائیویٹ آنکھ تک محدود رہتے ہیں" راجو نے میرے ساتھ ہی ناشتے کی میز سے اٹھتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے سرگوشی کی "عظمت بیگ تو شاید نشے کی زیادتی کی وجہ سے ماں کے پیٹ سے تازہ تازہ برآمد نظر آ رہا ہے لیکن نازنین بیگم لباس میں ہونے کے باوجود ...."

"کاظم پاشا کا بھی کوئی ذکر ہے درمیان میں؟" میں نے راجو کو اس کا جملہ مکمل نہیں کرنے دیا' نازو کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سننا مجھے گوارا نہیں تھی' وہ جس مقام پر تھی اس میں اس کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا' راجو نے کہا تھا کہ شہر میں اس کے پرستاروں اور چاہنے والوں کی تعداد ان گنت ہے لیکن میں اس فہرست میں اپنا شمار نہیں کر سکتا تھا .... اس لئے کہ اب بھی میرے دل کے نہاں خانوں میں اس کی ایک تصویر موجود تھی جو پرستش کے قابل تھی۔

"میں نے کہا تھا نا آپ سے کہ نازنین بیگم ایسی خطرناک اور زہریلی ناگن ہے جس کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہے" راجو اپنی کہی ہوئی بات کو دہراتے ہوئے بولا۔ "عظمت بیگ جیسا خرانٹ اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے والا بھی نازنین کے سامنے موم کی طرح پگھل گیا .... نفس کی غلامی انسان کو اندھا کر دیتی ہے' بڑے بڑے پارسا بھی اپنی ناپاک خواہشات کے جال میں پھنس کر عورت کے تلوے چاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں .... عظمت بیگ کس کھیت کی مولی ہے .... نازنین کے سحر میں آکر پیاز کی طرح پرت پرت کھلتا چلا گیا .... کاظم پاشا کو مروانے کی خاطر اس نے

جو پرچہ ترکیب استعمال کیا تھا اس کی پوری روداد اس کی اپنی زبانی ٹیپ میں محفوظ ہے .... اب وہ پوری طرح آپ کی مٹھی میں آگیا ہے .... پٹے کے بغیر آپ کے پیچھے پیچھے دم ہلاتا پھرے گا۔"

ہم گفتگو کرتے ہوئے خوابگاہ میں آگئے' راجو بدستور بڑی تفصیل سے اور مزے لے کر ویڈیو ٹیپ کی تفصیلات بیان کر رہا تھا' میں نے بار بار اسے گھما پھرا کر موضوع سے ہٹانے کی حماقت نہیں کی' اس طرح وہ میرے دل کا چور پکڑ سکتا تھا جو مجھے فی الحال منظور نہیں تھا' میں نے اس کی جانب سے کان بند کر کے نازو کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

راجو ٹیپ کے بارے میں جو تفصیل سنا رہا تھا اس میں نازنین کے پیشے کی گندگی کو اجاگر کرنے کی کوشش رہا تھا' میں یہاں نازنین کی شرافت کے سلسلے میں کوئی بلند بانگ دعوے نہیں کر ، گا' سارا شہر جانتا تھا کہ اس نے زندگی کی کس روش پر اپنا نشیمن آباد کیا ہوا ہے لیکن یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ اسے غلاظت کے اس ڈھیر تک لانے والے کون تھے' دنیا والوں نے محض اس کے حسن کی رعنائیوں اور جسم کے گداز کو دیکھ کر بازار میں بکنے والی قیمتی اشیاء کا ایک مخصوص لیبل لگا دیا تھا لیکن میں واقف تھا کہ وہ ایک انمول ہیرا ہے' اس کی روح کی پاکیزگی پر ابھی تک کثافت نہیں جمی تھی' تھمے ہوئے پانی کے گندے تالاب میں اس کی حقیقت کنول کے کسی خوش رنگ پھول سے مختلف نہیں تھی۔

میں نازو کو کوئی الزام نہیں دے سکتا تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے ٹیپ کی تیاری میں اپنی بربادی کے کچھ رنگ ضرور بھر دیئے ہوں گے لیکن وہ سب کچھ اس نے میری خاطر کیا تھا' اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں عظمت بیگ جیسے شاطر آدمی سے دور رہوں' اس کے مشورے میں اس کا خلوص پنہاں تھا' اس نے ٹیپ کے ذریعے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی تھی' نہ صرف عظمت بیگ کے کردار کو ننگا کر کے اسے میرے ہاتھوں میں بے بس کر دیا تھا بلکہ مجھے یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی تھی کہ میری خاطر وہ اپنی زندگی کا نذرانہ بھی پیش کر سکتی ہے' میں نے طے کر لیا تھا کہ پہلی فرصت میں وہ ٹیپ راجو سے لے کر تلف کر دوں گا' مجھے عظمت بیگ کے

اعتراف سے زیادہ نازو کی عزت عزیز تھی' اس کی حیثیت میرے لئے اس عطر جیسی تھی جو مٹی میں مل جانے کے بعد بھی اپنی خوشبو برقرار رکھتا ہے۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا کہ راجو کے ایک ساتھی نے اندر داخل ہو کر اس کے کان میں کچھ سرگوشی کی' دوسرے ہی لمحے راجو اٹھ کھڑا ہوا' اس نے سرسری زبان میں مجھ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"آپ فی الحال اپنی خوابگاہ تک محدود رہیں' میں باہر ڈرائنگ میں بیٹھے ہوئے شخص کو فارغ کر کے آتا ہوں۔"

"کوئی خاص مہمان ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ...." راجو نے لاپرواہی سے جواب دیا "ایک پولیس افسر تفتیش کی غرض سے آیا ہے۔"

"تفتیش ...." میرے کان کھڑے ہونے لگے تو راجو نے تیزی سے کہا۔

"فکر کی بات نہیں ہے برادر .... استاد اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے فن سے واقف ہے۔"

راجو قدم بڑھاتا ہوا کمرے نکل سے گیا' میں کچھ دیر تک آنے والے پولیس آفیسر کے بارے میں غور کرتا رہا' کل رات ہی میں نے چودھری نواز کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اس وقت ایک پولیس آفیسر باہر ڈرائنگ روم میں موجود تھا' یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ کسی طرح پولیس کو ہمارا سراغ مل گیا ہو' چودھری نواز بذات خود ایک اوباش شخصیت کا مالک تھا اس کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں تھی لیکن نازو کی نسبت سے اونچے لوگوں میں پہچانے جانے لگا تھا' میں کچھ دیر تک ذہنی گھوڑے دوڑاتا رہا پھر میں نے چھپ کر اپنے کمرے تک محدود رہنا مناسب نہیں سمجھا' میرے کسی عمل سے شیرا کے کسی آدمی کو پولیس کے ساتھ آنا کانی پڑے' یہ مجھے منظور نہیں تھا' شیرا کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر میں اس کے گروہ کا ایک فرد بن چکا تھا' میں نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس پر جگہ جگہ پولیس چوکیاں پڑتی تھیں' جرم وسزا کی دنیا میں مجرم اور قانون کے محافظوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے' میں بزدل بن کر کنارہ کشی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے ڈرائنگ روم میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ڈرائنگ روم میں پہلا قدم رکھتے ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا' جو پولیس سب انسپکٹر راجو کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا میں نے اسے پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا' اسی فرض شناس افسر نے مجھے بے گناہ پکڑ کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا تھا' اسی نے کاظم پاشا کو میرے فرضی بیان کی بنیاد پر قانون کے شکنجوں میں جکڑ کر میری رہائی کی گھناؤنی پیشکش کی تھی لیکن میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا جس کی مجھے بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی' پولیس کے مخصوص صعوبت خانوں میں میرے اوپر اذیت ناک ظلم ڈھائے گئے' مجھے بھوکا پیاسا رکھا گیا' منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال کر رات رات بھر جگایا گیا' جسم کے نازک حصوں کو داغا گیا پھر جھوٹی گواہی اور شہادتوں کے ذریعے مجھے تین سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی' جیل میں اگر شیرا نے میرا ہاتھ نہ تھاما ہوتا تو شاید میں رہائی کے بعد کسی لٹے ہوئے مسافر کی مانند برہنہ پا سڑکوں پر بھٹک رہا ہوتا۔

سب انسپکٹر کو دیکھ کر میرے زخموں پر جمی کھرنڈ اکھڑنے لگی' پھر اس نے بھی میری طرف نظری ڈالی تو اپنی جگہ کسمسا کر رہ گیا غالباً" وہ بھی مجھے شناخت کر چکا تھا .... اپنی یاد داشت کو کرید رہا تھا .... یا پھر ایک نئے چہرے کو شیرا کے ہیڈ کوارٹر پر پہلی بار دیکھ کر اپنی تیز عقابی نظروں کے ذریعے مرعوب کرنے کا خواہشمند تھا' بہر حال اس کی نگاہوں میں تجسس انگڑائی لے رہا تھا' ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے' ماحول میں ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی لیکن راجو نے حالات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہ استاد کے ایک نئے مہمان ہیں۔" اس نے سب انسپکٹر سے میرا تعارف کرایا۔

"مجھے انسپکٹر ساجد کریمی کہتے ہیں" وہ وردی میں نہیں تھا اس لئے نام کے ساتھ اس نے اپنا عہدے کا اظہار بھی ضروری سمجھا تھا۔

"بڑا خوبصورت مگر عجیب سا نام ہے ...." میں نے مسکرا کر کہا پھر لاپرواہی سے قدم بڑھا کر راجو کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"عجیب سے آپ کی کیا مراد ہے؟" اس نے مجھے گھورا شاید اسے میرا جواب

گراں گزرا تھا۔

"میں بہت زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کریمی کرم کرنے والے کو کہتے ہیں جبکہ آپ کا تعلق پولیس کے محکمے سے ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس کی پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں نمودار ہونے لگیں "کیا پولیس میں سب بے رحم ہی ہوتے ہیں؟"

"اپنے اپنے تجربے اور مشاہدے کی بات ہے" میں نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

"میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے اکھڑے لہجے میں پوچھا۔

"دیہاتی آدمی ہوں ...." میں بڑی سادگی سے مسکرایا "میرے سنگی ساتھی مجھے شیدے کے نام سے جانتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ سے پہلے کہیں مل چکا ہوں" وہ ہونٹ کاٹنے لگا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ میری شکل دیکھ کر آپ کو کسی اور کا دھوکا ہو رہا ہو ...." میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے فکری کا مظاہرہ کیا۔

"استاد شیرا سے آپ کی واقفیت کتنی پرانی ہے؟" اس نے مجھے دوسرے زاویے سے کریدنے کی کوشش کی۔

"یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے اور میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی مداخلت بیجا کو پسند نہیں کرتا" میں نے خشک آواز میں کہا تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

راجو نے جلدی سے موضوع بدلنے کی خاطر ساجد کریمی سے کہا "میرا خیال ہے کہ ہمارے کسی دشمن نے پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے' آپ استاد سے بھی واقف ہیں اور چودھری نواز کس کردار کا مالک تھا یہ بھی آپ لوگوں کے علم میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بدکردار عورتوں اور ان کے سفید پوش دلالوں سے ہمارا کبھی دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن فون کرنے والے نے ہمیں گاڑی کے جو نمبر بڑے وثوق سے بتائے تھے وہ تمہارے خاص استعمال میں رہتی ہے۔"

"یہ بات بھی ہمارے حق میں جاتی ہے ...." راجو نے وکیلوں کی طرح بحث کی "آپ جانتے ہیں ایک عام مجرم بھی کسی قتل کی واردات میں اپنی گاڑی اور لائسنس شدہ اسلحہ استعمال نہیں کرتا .... ہمارا شمار تو پھر تجربہ کار لوگوں میں کیا جاتا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں لیکن اوپر سے رات بھر فون کھڑکھڑائے گئے ہیں" ساجد کریمی پہلو بدل کر بولا "ہمیں مجبور کیا جارہا ہے کہ قاتلوں کو جلد از جلد بے نقاب کیا جائے۔"

"کیا آپ نے نازنین بیگم کو بھی کریدنے کی کوشش کی ہے؟" راجو نے سنجیدگی سے کہا "ہوسکتا ہے وہ چودھری نواز کے کسی ایسے خاص دشمن سے واقف ہو جو اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔"

"میں نازنین سے مل چکا ہوں۔" اس نے کہا "اس کے بیان کے مطابق چودھری نواز کے قتل میں کسی سیاسی شخص کا ہاتھ ہو سکتا ہے' لیکن اس نے کسی پر شبے کا اظہار نہیں کیا۔"

میں بہت غور سے راجو اور ساجد کریمی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا' راجو نے گزشتہ رات اپنی خاص کار استعمال کر کے شاید دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا' ممکن ہے چودھری نواز کے کسی آدمی نے گاڑی دیکھ لی ہو تو قتل کی واردات کا علم ہونے کے بعد اس نے سامنے آئے بغیر مخبری کر دی ہو۔

"مخبر نے اپنا کوئی نام یا پتہ ٹھکانا بھی بتایا تھا؟" راجو نے مطمئن سے انداز میں سوال کیا۔

"نہیں .... اس نے گاڑی کا نمبر بتانے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔"

"ہم استاد کی غیر موجودگی میں بہت زیادہ محتاط رہتے ہیں .... لیکن اس کے باوجود سب کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں" اس بار راجو نے قدرے خشک انداز میں کہا۔

ساجد کریمی راجو کا آخری جملہ سن کر بغلیں جھانکنے لگا' میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' میں سمجھ چکا تھا کہ راجو کا اشارہ ماہانہ بھتے کی طرف تھا' گویا اس نے ساجد کریمی کی شہہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میرے یہاں آنے کا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو" ساجد کریمی نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا "میں تم لوگوں کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کرتا مگر اس بار حالات نے ہماری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے .... مجھے اس سلسلے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"مخبر نے جب ہمارے خلاف زہر اگلا ہے تو بھلا ہم آپ کے کس کام آ سکتے ہیں؟"

"کار کے نمبروں والی بات صرف میرے اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تک محدود ہے' ہم نے ابھی تک کسی قسم کی لکھا پڑھی کی کارروائی سے گریز کیا ہے لیکن اوپر کے احکامات کے تحت کاغذات کا پیٹ تو بہرحال بھرنا ہوگا۔"

مجھے ساجد کریمی کی بات سن کر ہنسی آ گئی' تین سال گزر جانے کے بعد بھی اس کے انداز گفتگو میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کاغذات کا پیٹ بھرنے کی خاطر ہی اس نے مجھے بھی اپنا نشانہ بنا ڈالا تھا' اگر میں اس کی بات مان کر کاظم پاشا کو پھنسوانے پر رضا مند ہو جاتا تو شاید وہ کاغذات کے بجائے اپنا پیٹ بھرنے کو زیادہ ترجیح دیتا اور کوئی درمیانی راستہ تلاش کر لیتا' میرے سلسلے میں اس کی تھانیداری بڑی آسانی سے چل گئی تھی لیکن استاد شیرا کے کسی آدمی پر ہاتھ ڈالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی' ایسا کوئی اقدام کر کے وہ خود اپنے پیٹ پر لات مارنے کو بھی تیار نہیں ہو سکتا تھا' اس وقت اس کی حیثیت کسی پولیس آفیسر کے بجائے کسی سوالی سے مختلف نہیں تھی' ایک مجرم کو پکڑنے کی خاطر وہ دوسرے مجرم سے مدد کی درخواست کر رہا تھا۔

"وہ عورت یا لڑکی کون تھی جس سے چودھری نواز مرنے سے پیشتر رشتہ داری جوڑ رہا تھا؟" راجو نے کچھ توقف سے دریافت کیا۔

"اس کا نام حسنہ ہے ...." ساجد کریمی نے برا سا منہ بنا کر کہا "وہ بھی بکنے والی چیز تھی لیکن ادھر کچھ عرصے سے مقتول نے اسے صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔"

"ہو سکتا ہے اس کے کسی چاہنے والے نے چودھری نواز کا بند توڑ کر حسنہ کو آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن پھر کسی وجہ سے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا ہو" راجو نے

سنجیدگی سے کہا۔

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن بڑے لوگوں کے معاملے کو دو اور دو چار کرکے فائلوں میں بند نہیں کیا جا سکتا" ساجد کریمی نے بے بسی کہا۔

"آپ شاید ایک مستند دلائل کی بڑائی کی بات کر رہے ہیں میں نے چبھتا ہوا طنز کیا۔ "اس کی جگہ کوئی چھوٹا موٹا مجرم ہوتا تو شاید اب تک آپ کسی بے گناہ کی پتلی گردن میں پھندا ڈال چکے ہوتے۔"

"کیا آپ بھی چودھری نواز کی شخصیت سے واقف ہیں؟" اس نے مجھے معنی خیز نظروں سے گھورا۔

"میں نے ایک بار ذکر کیا تھا ...." راجو نے جلدی سے درمیان میں بولتے ہوئے کہا "کیا موقعہ واردات سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جو قاتل یا قاتلوں کی نشاندہی کر سکے؟"

"نہیں .... ہمیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جو قاتلوں تک ہماری رہنمائی کر سکے۔ قاتلوں نے یقینی طور پر دستانے پہن رکھے تھے ورنہ کم از کم فنگر پرنٹ کے کچھ نشانات ملنے ضروری تھے۔"

"اوہ ...." راجو نے ہونٹ چباتے ہوئے ساجد کریمی کو بہت غور سے دیکھا "کہیں چاقو کا استعمال ہی تو آپ کو یہاں تک نہیں کھینچ لایا؟"

"نہیں ...." وہ جلدی سے بولا "میں جانتا ہوں کہ استاد دلالوں اور آبرو باختہ عورتوں سے ہمیشہ دور دور ہی رہتا ہے اور اس کی مرضی کے بغیر تم لوگ بھی ایسے گندے کاروبار میں ملوث نہیں ہو سکتے۔"

"ہو سکتا ہے کہ استاد کے کسی دل جلے شاگرد نے اس کی مرضی کے بغیر ہی چودھری نواز کی آنتیں باہر کرنے کا فیصلہ کر ڈالا ہو" میں نے ساجد کریمی کو تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا، راجو نے چونک کر میری طرف دیکھا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اس کی واپسی اب میرے اختیار میں نہیں تھی۔

"آپ یہ بات کسی وجہ سے کہہ رہے ہیں یا محض تفریحاً" دلچسپی لے رہے ہیں"

وہ جھلا کر مجھ سے مخاطب ہوا، میری بار بار کی مداخلت نے شاید اس کے صبر کے پیمانے کو لبریز کر دیا تھا۔

"جرائم کی دنیا میں ہر بات غیر یقینی ہوتی ہے۔" میں سنبھل کر بولا "مجرم ماں کے پیٹ سے کلاشنکوف یا خنجر لے کر نہیں پیدا ہوتے، وقت اور حالات انہیں مجرمانہ ذہنیت کا مالک بنا دیتے ہیں .... انتقام کا جذبہ صرف اسی وقت بھڑک کر پیدا ہوتا ہے جب انسان کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے .... اس قسم کی وارداتوں کی بے شمار وجوہات ہوتی ہیں، کبھی کوئی پرانا حساب کتاب بیباق کرنے کی خاطر کوئی شخص ہتھیار اٹھا لیتا ہے .... کبھی ظلم کی انتہا اسے اس قدر بے حس کردیتی ہے کہ اس کے لئے گناہ و ثواب میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا .... اکثر ماضی کی اذیتناک کہانی اور پے در پے حق تلفیاں انسان کو بغاوت پر اکسا دیتی ہیں ...." میں نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا "شیر کی مثال لے لیجئے" وہ، بنیادی طور پر آدم خور نہیں ہوتا لیکن کوئی اچانک لگنے والا زخم اسے خون کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے تو وہ صرف خون ہی پر گزارا کرنے کا عادی ہو جاتا .... کبھی کبھی قانون کے نگہبان اور ٹھیکیدار زبردستی کسی شریف آدمی کو اپنی کامیابی اور کاغذات کا پیٹ بھرنے کی خاطر زبردستی جیل کے پیچھے جرائم کی دنیا میں دھکیل دیتے ہیں .... وہ اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا خوشی سے نہیں بھگتتا، اس کے اندر ایک لاوا جنم لے کر پروان چڑھتا رہتا ہے .... پھر جب وہ باہر نکلتا ہے تو معاشرہ اسے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا، وہ جرم کی سزا پوری کاٹنے کے باوجود بھی لوگوں کی نظروں میں مجرم ہی رہتا ہے اور یہی احساس جب بار بار اس کے اعتماد کو کچوکے لگاتا رہتا ہے تو اس کے اندر کا لاوا پھٹ پڑتا ہے ...."

"آپ نے یہ باتیں کہاں سے سیکھیں؟" وہ مجھے تیز نظروں سے گھور کر بولا "بہت تجربے کار معلوم ہوتے ہیں ...."

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ بندہ کس کھیت کی مولی ہے ...."

میرے جواب میں ماضی کا زہر بھی شامل تھا .... ساجد کریمی مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر یکلخت اس کی نگاہیں چمک اٹھیں .... اس نے مجھے بدلی ہوئی نظروں سے گھورا .... اس نے زبان سے کوئی لفظ یا جملہ ادا نہیں کیا تھا لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ شاید وہ مجھے شناخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو نگاہوں نگاہوں میں تول رہے تھے!!

یکلخت مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا' مجھے شاید قانون کے کسی محافظ سے اتنی جلدی اپنا تعارف نہیں کرانا چاہئے تھا' جرائم کی دنیا میں ابھی میری شد بد کچھ زیادہ نہیں تھی' مجھے ہاتھ پاؤں بچا کر چلنا چاہئے تھا' تیز رفتاری سے ٹھوکر لگ کر منہ کے بل گرنے کا خطرہ در پیش تھا .... لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا' چودھری نواز کے ذکر نے میرے خون کی گردش تیز کر دی تھی' نازنین کی بربادی کے تصور نے مجھے جذباتی بنا دیا تھا' میں اپنی زبان پر قابو نہ پا سکا۔

ساجد کریمی اور میں ایک دوسرے کی نظروں میں جھانکتے رہے' اس کی نگاہوں میں شکوک اور شبہات جاگنے شروع ہو چکے تھے' وہ اپنی یادداشت کے ذخیروں کو کرید رہا تھا' میں اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہا تھا' جرم و قانون کی اس آنکھ مچولی کی کیفیت نے راجو کی پوزیشن خراب کر دی تھی' اس نے مجھے شیرا کا مہمان کہہ کر ساجد کریمی سے متعارف کرایا تھا لیکن میرے ایک ہی جملے نے اس کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کہیں مل چکے ہیں" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اس شبے کا اظہار آپ پہلے بھی کر چکے ہیں" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کسی زمانے میں میڈیکل کالج میں تو نہیں تھے؟" اس نے میری اصلیت کو

کریدنے کی کوشش کی۔

"میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا" میں اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تم ...." اس کا لہجہ یکلخت تبدیل ہو گیا .... "تم رشید احمد ہو .... میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"ہاں .... میں رشید احمد ہوں" میں نے بڑی صاف گوئی سے کہا "جس وقت تم نے پہلی بار مجھے حراست میں لیا تھا اس وقت بھی میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا' اگر میں نے قانون کی مصلحتوں کو سمجھ کر کاظم پاشا کا نام لے لیا ہوتا تو شاید ہمارے درمیان اس وقت اجنبیت کی دیوار نہ کھڑی ہوتی .... کاظم پاشا یاد ہے نا تمہیں؟"

"چودھری نواز کو تم کس طرح جانتے ہو؟" اس کے لہجے میں افسری آ گئی' میرے انداز تخاطب نے اس کی غیرت کو بیدار کر دیا تھا۔

"گزشتہ رات کسی نے فون پر ہمیں بھی چودھری نواز کے سلسلے میں دھمکی دی تھی" راجو نے پھر بات بنانے کی کوشش کی "آپ کے آنے سے پیشتر ہمارے درمیان اسی ولدالحرام کی باتیں ہو رہی تھیں۔"

"لیکن ...."

"بات کو بلا وجہ الجھانے کی کوشش مت کرو سب انسپکٹر" اس بار راجو نے ساجد کریمی کو بولنے کا موقع نہیں دیا' اس کے لب و لہجے میں سختی آ گئی تھی' میری خاطر وہ پینترا بدل کر درمیان میں آ گیا' غالباً وہ اس فن سے واقف تھا کہ جہاں سیدھی انگلی کارآمد ثابت نہ ہو وہاں انگلی کو ٹیڑھا کرنا زیادہ سود مند ثابت ہوتا ہے۔"

"راجو .... تم ...."

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ برادر استاد کے مہمان ہیں" راجو نے ساجد کریمی کا جملہ درمیان سے اچک لیا وہ کسی زہریلے سانپ کی مانند بل کھا کر پھنکارا تھا "میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ چودھری نواز کے قتل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے' تمہیں ہماری بات پر اعتماد کر لینا چاہئے۔"

"کیا یہ تمہارے گروہ میں شامل ہو چکا ہے؟" ساجد کریمی نے سوال کیا۔

"مہمان کی حیثیت ہمارے لئے کسی کارندے سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔" راجو نے

اپنے لہجے کی تلخی کو برقرار رکھا "تم استاد کی طبیعت سے بھی اچھی طرح واقف ہو' وہ بلا وجہ کا پنگا برداشت کرنے کا عادی نہیں ہے .... تم شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔"

"تم اگر مجھے جان گئے ہو تو یہ بات بھی تمہارے علم میں ہونے چاہئے کہ میں اپنی سزا کاٹ چکا ہوں۔ میں نے راجو کی پوزیشن کو محسوس کرتے ہوئے ساجد کریمی کو براہ راست مخاطب کیا "چودھری نواز کے سلسلے میں اگر تمہیں میری ذات پر شبہ ہے تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں .... ایک بار پہلے بھی تم مجھے بے گناہ پھانس چکے ہو .... کیا تم اس بات کا اقرار نہیں کرو گے کہ محض شبیر کو بچانے کی خاطر تم نے مجھے بھینٹ چڑھا دیا تھا؟"

"مجھے اس کا اندازہ بعد میں ہوا تھا ...." اس نے بڑی دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا۔

"میں نے اسی لئے تمہیں چھیڑنے کی خاطر استاد کے کسی دل چلے شاگرد کا حوالہ دیا تھا" میں نے مسکرا کر کہا "کیا تم میری صاف گوئی کی تعریف نہیں کرو گے؟"

"ایک شرط پر ...." وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا "آئندہ سے تم کسی پرانی بات کو درمیان میں نہیں لاؤ گے۔"

"اب نے تم ایک پتے کی بات کی ہے۔" راجو نے معنی خیز لہجے میں کہا "ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں .... ہمیں ایک دوسرے کا بھانڈا نہیں پھوڑنا چاہئے ورنہ نقصان دونوں کا ہو گا۔"

ساجد کریمی نے جس انداز میں قلا بازی کھائی تھی وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھی' اس کے پاس شاید مفاہمت کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا' اسے وردی سے زیادہ اپنا مفاد عزیز تھا' شیرا سے بگاڑ کر کے وہ اپنا نقصان نہیں کرنا چاہتا تھا' اسے دولت کی قدروقیمت کا بخوبی اندازہ تھا' وہ کسی سال خوردہ سانپ ہی کی طرح کینچلی تبدیل کرنے کے فن سے بھی واقف تھا' شیر کی کچھار میں گھس کر شکار کھیلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

راجو نے ہم دونوں کا ہاتھ ملوا دیا تو کھنچاؤ کی فضا یکلخت تبدیل ہو گئی' ساجد کریمی

کی فرمائش پر راجو کو اس کے لئے بوتل کا اہتمام بھی کرنا پڑا۔ شغل مے نوشی کے دوران بھی ساجد کریمی راجو کے ساتھ چودھری نواز کے قتل کے سلسلے میں گفت و شنید کرتا رہا' میں نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی .... وقت کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ !!

---------O---------

ساجد کریمی کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک حالات کے تانے بانوں پر غور کرتا رہا' چودھری نواز کو کیفر کردار تک پہنچا کر مجھے بڑی روحانی خوشی ہوئی تھی' میں نے سوچا تھا کہ اسے اس انداز میں زندہ چھوڑوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے پانی پینے کے قابل بھی نہ رہے' میں اسے لنگڑا لولا کر کے کسی پر ہجوم سڑک پر ایڑیاں رگڑنے کی خاطر چھوڑ دینے کا خواہشمند تھا لیکن بعد میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا .... وہ اگر زندہ رہتا تو اس کے وجود کے اندر پرورش پانے والے مہلک جراثیم معاشرے میں گندگی پھیلاتے رہتے چنانچہ میں نے اسے زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا تھا۔

ساجد کریمی نے جس انداز میں مجھ سے دوستی کا ہاتھ ملایا تھا اس میں اس کی خوشی کو کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کی مفاہمت کا انداز کاروباری تھا۔ راجو نے شیرا کا مہمان کہہ کر میرا تعارف کرایا۔ ساجد کریمی جیسے موقع پرست اور گھاگ پولیس آفیسر نے اس بات پر ضرور غور کیا ہو گا کہ شیرا سے ملاقات کے بعد میرے ہاتھ کتنے مضبوط ہو چکے تھے۔ وہ شیرا کے اڈوں سے ہر ماہ ایک معقول رقم سمیٹتا تھا۔ مجھ سے دشمنی مول لے کر وہ اپنا نقصان برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں اپنے اگلے قدم کے بارے میں غور کرنے لگا' زندگی کسی مستحکم شے کا نہیں سب سے کمزور اور ناقابل بھروسہ چیز کا نام ہے' سانس کی رفتار کسی لمحے بھی بند ہو سکتی ہے' موت کے سرد ہاتھ کسی وقت بھی اپنا دائرہ تنگ کر سکتے ہیں لیکن انسان ان باتوں کو نہیں سوچتا' اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ زندگی کے ہنگاموں سے کٹ کر اپنی اصلیت کی شناخت کر سکے' وہ اندھیرے کا مسافر ہے جو روشنی میں سفر کرتا

رہتا ہے' آخرت کا سامان اکٹھا کرنے کی خاطر اسے فرصت نہیں ملتی .... اس کی زندگی ان بلبلوں کے مانند ہوتی ہے جو پانی کی سطح پر ابھرتے ہیں تو بڑے بھلے نظر آتے ہیں مگر ہوا کا ایک معمولی جھونکا بھی انہیں مٹا دیتا ہے .... زندگی بھی ریت کا محل ہے جو کسی بھی لمحے .... کسی پل مسمار ہو کر زمین بوس ہو سکتا ہے لیکن خاکی انسان منہ اٹھائے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں اندھا دھند دوڑنے میں مصروف ہے۔

اس وقت میری اپنی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی' میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیکار نہیں بیٹھ سکتا تھا' تین سال قید بامشقت کا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ شیرا نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر میری عزت افزائی کی تھی۔ زندہ رہنے کا موقع فراہم کیا تھا لیکن میں زیادہ دیر اس کے اڈوں سے وابستہ نہیں رہنا چاہتا تھا' میں نے جیل سے رہائی کے بعد جس تیزی سے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تھا اس سلسلے کو برقرار رکھنا چاہتا تھا' میری کیفیت کرکٹ کے اس کھلاڑی کی سی تھی جسے ایک بار چانس مل جائے تو پھر وہ محتاط ہونے کی بجائے اور جارحانہ انداز میں کھیلنے لگتا ہے' اس کی اندھا دھند ہٹنگ فیلڈرز کو تتر بتر کر دیتی ہے .... میں بھی اپنے دشمنوں کو بوکھلا دینے کی خاطر افراتفری پھیلانے کا خواہشمند تھا' انہیں سنبھلنے اور سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا' دنیا نے مجھے جو کچھ دیا تھا وہ میں کم سے کم وقت میں واپس لوٹا دینے کا آرزو مند تھا

خون کے جو چھینٹے میرے لباس پر موجود تھے میں انہیں جمنے نہیں دینا چاہتا تھا .... میرے ہاتھ تین افراد کے خون سے رنگ چکے تھے' ان کے خون کی مہک میری بھوک کی اشتہا کو بڑھا رہی تھی' شبیر کی نشاندہی پر میں نے جس پہلے شخص کو شکار کیا تھا اس پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں تھی' اس کو جہنم رسید کر کے میں نے اپنے تین سالوں کی قید بامشقت کا کچھ حساب چکتا کر دیا تھا پھر قسمت نے مجھے نازو سے ملوا دیا .... اس سے ملنے کے بعد میری جنون خیزی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ میری زندگی کا سب سے حسین خواب تھا جسے چودھری نواز کے گھناؤنے وجود نے چکنا چور کر دیا تھا' میں نے اس کے وجود کو بھی خاک میں ملا دیا' اس کے ساتھ ہی ایک بدکردار عورت

بھی میرے ہاتھوں کام آ گئی تھی .... شاید اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔

نازو جن حالات میں گرفتار تھی اس میں اس کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا .... اسے سنگدل شکاریوں نے پر قینچ کر چھوڑ دیا تھا' اس کا دامن آلودہ ہو چکا تھا لیکن اس کی روح .... مجھے یقین تھا اس کی روح کی پاکیزگی کو کوئی گزند نہیں پہنچا ہو گا .... وہ شاید مجھے پا لینے کی خواہش میں زندہ تھی .... پہلی ملاقات میں اس کی باتوں نے یہی تاثر دیا تھا۔

اب میری اگلی منزل عظمت بیگ تھا .... وہ خون آشام بھیڑیا جس نے اپنے مکروہ وجود کی اصلیت کو چھپانے کی خاطر مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا' نازنین نے حسب وعدہ مجھے ایسے ثبوت فراہم کر دیئے تھے جو نہ صرف اس کی سیاسی زندگی کو تباہ کر سکتے تھے بلکہ وہ کسی زر خرید غلام کی طرح میرے اشاروں پر ناچنے کو مجبور ہو سکتا تھا' پہلے مجھے ان ثبوت کا انتظار تھا لیکن اب اس کی خوشی کافور ہو چکی تھی .... وہ کار آمد ہونے کے باوجود میرے کام نہیں آ سکتے تھے .... معاشیات کے قانون تقلیل افادہ کے اصول کے مطابق اب ان کی افادیت میرے لئے صفر بن چکی تھی' میں نے اس ٹیپ کو استعمال کرنے کا ارادہ ترک دیا .... شاید اس لئے کہ اس میں عظمت بیگ کی گھناؤنی حرکتوں اور جرائم کے اعتراف کے ساتھ ساتھ نازنین کی شخصیت بھی شامل تھی .... نازو سے نازنین بننے تک اسے جو اذیتناک سفر اختیار کرنا پڑا تھا میں اس کی تلخیوں میں مزید زہر نہیں گھولنا چاہتا تھا .... مجھے کل بھی اس سے پیار تھا .... میں آج بھی اس کی محبت میں گرفتار تھا .... وقت نے ہمارے درمیان فاصلوں کی دیوار کھڑی کر دی تھی لیکن میں اسے فراموش نہیں کر سکا تھا۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا کہ راجو ساجد کریمی کو رخصت کرنے کے بعد دوبارہ واپس آ گیا' اس کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔

"برادر ...." اس نے میرے سامنے بیٹھنے کے بعد کچھ تامل سے کہا "استاد کے حکم کے مطابق مجھے صرف آپ کے اشاروں پر عمل کرنا ہے' لیکن ...."

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں" میں نے اس کا مفہوم بھانپ کر جواب دیا "

مجھے شاید دارالاسلام کی چھت کے نیچے بیٹھ کر کسی پولیس افسر کی خفگی مول نہیں لینی چاہیے تھی۔"

"مجھے ساجد کریمی کی کوئی پرواہ نہیں ہے ...." وہ جلدی سے بولا "استاد کے ہاتھ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں' چھوٹے موٹے سب انسپکٹر ہمارے لئے ریزگاری سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے .... میرا مطلب کچھ اور تھا برادر .... میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمیں کبھی جرم کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے' دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں .... کبھی کبھی کوئی چیونٹی بھی ہاتھی کی موت کا سبب بن جاتی ہے .... سمندر کی گہرائی کا صحیح اندازہ ہو جائے تو پھر چھوٹے موٹے پیراک بھی اس میں چھلانگ لگانا شروع کر دیتے ہیں .... دوسری شکل میں وہ کنارے تک جانے سے بھی کترانے کی کوشش کرتے ہیں ...."

"میں ...." میں نے اعتراف کر لیا "شاید مجھے چودھری نواز کے سلسلے میں اپنی زبان نہیں کھولنی چاہیے تھی .... لیکن میں ساجد کریمی سے خوفزدہ نہیں ہوں ...."

"ہونا بھی نہیں چاہیے ...." راجو نے میری کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا "وہ ہمارے خلاف زبان کھولنے کی جرات کبھی نہ کرے گا' پھر بھی .... میں آپ کو ٹھنڈا کر کے کھانے کا مشورہ دوں گا۔"

"میں آئندہ محتاط رہنے کی کوشش کروں گا۔"

"عظمت بیگ کے سلسلے میں کیا پروگرام ہے؟" راجو نے میری سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے موضوع بدلا۔

"فی الحال میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ...."

"میں سمجھا نہیں ...." راجو نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا "اب تو وہ گلے گلے تک ہمارے شکنجوں میں ہے۔"

"ہاں ...." میں نے کچھ توقف سے جواب دیا پھر دبی زبان میں بولا "یوں سمجھ لو کہ میں اپنی کامیابی کی خاطر کسی کا سہارا نہیں لینا چاہتا۔"

"نازنین کی بات کر رہے ہو برادر!" راجو مسکرایا "وہ ہمارے ایک اشارے پر

جان بھی دے سکتی ہے' استاد کے بڑے احسان ہیں اس پر .... استاد نہ چاہتا تو چودھری نواز کے ناجائز والدین بھی اس شہر میں اپنا گندا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتے تھے .... بہرحال تم اگر نازنین کی اس چھوٹی سی خدمت کو احسان سمجھ رہے ہو تو ہم اس کی محنت اور وقت کا معاوضہ بھی ادا کر سکتے ہیں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ سکو گے ...." میں اٹھ کر ٹہلنے لگا' نازنین کے تصور اور راجو کے جملے کی ساخت نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں برادر .... برا تو نہیں مناؤ گے؟" راجو نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا "پوچھو ...."

"تم جب سے نازنین سے ملے ہو کچھ بدلے بدلے نظر آ رہے ہو ...."

"تم میرے اس اضطراب کو کیا نام دو گے ....؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے راجو کو بہت غور سے دیکھا۔

"کوئی نہ کوئی بات ہے جو تمہارے سکون کو برباد کر رہی ہے" راجو نے سنبھل کر کہا "تمہاری آنکھوں میں وہ بھوک بھی نہیں جو کسی خوان نعمت کو دیکھ کر ابھرتی ہے .... مجھے تو کچھ اور لگتا ہے؟"

"کیا ....؟"

"چودھری نواز اس کا دلال تھا' تم نے اسے کتوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا .... اس نے ہماری ہی درخواست پر اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر عظمت بیگ کے خلاف منہ بولتے ثبوت فراہم کئے ہیں لیکن وہ اہم ثبوت بھی ...." راجو کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا' اس کی تجربہ کار نظریں میرے وجود کا ایکسرے کرتی رہیں پھر یکلخت وہ بڑی مدھم مگر معنی خیز آواز میں بولا .... "کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا ضرور ہے .... تم' .... تم کہیں نازنین کو پہلے سے تو نہیں جانتے؟"

"تم شاید ٹھیک ہی سمجھ رہے ہو ...." میں نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

"انسان انسان کا دارو ہوتا ہے برادر ...." راجو نے بڑی اپنائیت سے کہا "غم بانٹ لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے .... ہو سکتا ہے میں تمہاری خدمت کر

سکوں ...."

میں نے راجو کو غور سے دیکھا' اس کی آنکھوں میں بڑی اپنائیت تھی' خلوص تھا' میں ایک لمحے خاموش رہا پھر میں نے پوری کہانی اسے تفصیل سے سنا دی' راجو نے غلط نہیں کہا تھا' دل کا غبار چھٹ جانے کے بعد میں خود کو بڑا ہلکا محسوس کر رہا تھا' راجو خاصی دیر تک میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا پھر کسی دوست کی طرح سمجھاتے ہوئے بولا :

"زخم پر نشتر لگے تو اس کی تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن' تمہاری نازو اور زمانے کی نازنیں کے درمیان ایک مشکل خلیج حائل ہو گئی ہے' چودھری نواز کے قتل ہو جانے سے بات ختم نہیں ہو جاتی .... برا نہ ماننا میرے عزیز' نازنیں کے طلبگاروں کی فہرست بہت طویل ہے۔ تم کس کس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتے رہو گے .... کس کس کو اس کی بے گناہی کا یقین دلاؤ گے؟"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں لیکن نازنیں کا وہ ویڈیو ٹیپ استعمال کرنا مجھے زیب نہیں دے گا" میں نے دل مسوس کر جواب دیا۔

"اب میں بھی تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا "لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے' ہم کوئی اور شارٹ کٹ نکال لیں گے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی' راجو نے رسیور اٹھا لیا پھر کچھ سننے کے بعد میری طرف بڑھا دیا' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"ہیلو ...." میں نے رسیور تھام کر کمزور آواز میں کہا

"نازو بول رہی ہوں ...." میرا اندازہ غلط ثابت ہوا' دوسری جانب سے نازنیں ہی کی مترنم آواز ابھری تھی "میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کہو ...." میں نے ایک سرد آہ بھری تو وہ میری کیفیت بھانپ کر بولی :

"کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو ...."

"ہاں ...." میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا ...."

"مت سوچا کرو ...." اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔ "اب ہم صرف واقف

کاروں کی طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں اس لئے کہ ...."

"نازو ...." میں تڑپ اٹھا "اس کے آگے کچھ مت کہنا ...."

"سنبھلنے کی کوشش کرو ...." اس کے لہجے میں اداسی آگئی "جو کچھ ہمارے نصیب میں نہ ہو ہم اسے زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کریں بھی تو حاصل کیا ہوگا؟ .... پشیمانی .... بدنامی .... مفت کی رسوائی۔"

"ایسا مت کہو ...." میں نے اسے باور کرانے کی کوشش کی "پاکیزگی کا اصل تعلق .... روح سے ہوتا ہے .... جسم تو فناء ہو جانے والی چیز ہے۔"

"تم نے چودھری نواز کو قتل کر اچھا نہیں کیا" وہ اصل مقصد کی طرف آگئی "اس کے پالتو کتے گلی کوچوں میں تمہاری خوشبو سونگھتے پھر رہے ہیں .... وہ بڑے خطرناک لوگ ہیں ...."

"تمہیں صرف میری ذات پر اس کا قاتل ہونے شبہ کیوں ہو رہا ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا "کیا کوئی اور ...."

"نہیں ...." وہ بڑے اعتماد سے میرا جملہ کاٹتے ہوئے بولی "کسی اور کو میری تباہی سے کوئی دکھ نہیں پہنچ سکتا .... دکان پر کوئی نیا مال آ جائے تو خریدار نفرت کا نہیں' خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔"

"نازو ...." میں چیخ اٹھا

"کس کس کا راستہ روکو گے؟ .... نازنیں کی زندگی میں تو اب ہزاروں چور راستے پیدا ہو گئے ہیں" اس کی آواز میں کسک تھی۔

"چپ ہو جاؤ نازو ...." میں نے التجا کی "میرے جنون کو ہوا مت دو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا .... تمہاری کوٹھی تک جانے والے ہر راستے کو بند کرنے کی خاطر میں اپنی تمام زندگی داؤ پر لگا دوں گا۔"

"یہ سب کتابی اور افسانوی باتیں ہیں" اس نے دل پر پتھر رکھ کر کہا پھر دوبارہ اصل مقصد پر آگئی "مجھے بتاؤ شیدے .... کیا تم ہی نے؟"

"ہاں ...." میں نے اعتراف کیا "اس کے مکروہ وجود کو میں نے مٹا کر خاک کر دیا ہے ...."

"تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"اس نے بھی میرے ساتھ کوئی بھلائی کا کام نہیں کیا تھا ...." میرے لہجے میں تلخی آگئی۔

"شیرا سے تمہاری ملاقات کیسے اور کہاں ہوئی تھی ....؟" اس نے دریافت کیا۔

"لمبی کہانی ہے ...." میں نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا "آرام سے مل کر سناؤں گا۔"

"نہیں ...." وہ تیزی سے بولی "تم فی الحال ادھر کا رخ نہ کرنا .... چودھری نواز کے شکاری کتے قاتل کی تلاش کے علاوہ میرے سائے کی بھی نگرانی کر رہے ہیں، کوٹھی میں آنے جانے والے ہر فرد کو چیک کیا جا رہا ہے، وہ کسی معمولی شے پر بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دینے کے عادی ہیں۔"

"ابھی ایک پولیس آفیسر ادھر بھی آیا تھا" میں نے کہا "اس کے بیان کے مطابق کسی نے راجو کی گاڑی کے نمبروں کی مخبری کی ہے۔"

"تمہارا اشارہ ساجد کریمی کی طرف تو نہیں ہے؟"

"کیوں؟ کیا تم بھی اس سے واقف ہو؟"

"اس سے دور ہی رہنا" نازو نے مجھے اپنی معلومات سے مستفید کیا "بڑا ہی خبیث اور حرفوں کا بنا آدمی ہے، ہو سکتا ہے راجو کی گاڑی کے نمبر اس کے ذہن کی اختراع ہو .... اسے مال بنانے کے لاکھوں گر آتے ہیں۔"

"تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہو؟"

"اگر راجو کی گاڑی چودھری نواز کے کسی آدمی کی نظروں میں آئی ہوتی تو اس کی اطلاع مجھے ضرور دی جاتی .... لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

"کیا تم چودھری نواز کے گروہ کے سرکردہ حرامزادوں کی فہرست فراہم کر سکتی ہو ....؟"

"میری ایک بات غور سے سنو شیدے" اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا "اگر تمہارے دل کے کسی گوشے میں اب بھی اپنی نازو کا خیال ہے تو فی الحال دارالاسلام سے باہر قدم

بھی نہ نکالنا، تم اس وقت سب سے محفوظ ہاتھوں میں ہو، میں تمہیں آنے والے حالات سے باخبر کرتی رہوں گی۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں" میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا "مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے .... سننا ہے۔"

"ابھی نہیں .... حالات سازگار ہو لینے دو پھر میں تمہیں منع نہیں کروں گی .... اور ہاں .... فی الحال عظمت بیگ کا خیال بھی ذہن سے نکال دو، چودھری نواز کا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو تمہیں اختیار ہو گا۔"

"نازو ...." میں نے جذباتی انداز اختیار کیا "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں اس ملک سے فرار ہو کر کسی ایسی جگہ نکل جائیں جہاں کوئی ہمیں پہچاننے والا بھی نہ ہو؟"

نازو نے جواب دینے کے بجائے سلسلہ منقطع کر دیا، شاید وہ میری بات کا جواب دینے سے گریز کرنا چاہتی تھی یا پھر کوئی مجبوری اس کے آڑے آگئی تھی، میں نے ریسور رکھ کر راجو کو ضروری باتوں سے باخبر کیا تو وہ لاپرواہی سے بولا۔

"میں ساجد کریمی کی رگ رگ سے واقف ہوں برادر .... تمہارا معاملہ درمیان نہ ہوتا تو میں اسے اتنی لفٹ بھی نہ کراتا۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نازنین نے ٹھیک مشورہ دیا ہے، ہمیں کچھ دنوں کے لئے اپنی مصروفیات ختم کرنی ہوں گی۔"

"تو کیا تم بھی چودھری نواز کے گروپ سے ...."

"برادر ...." راجو کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اس کے تیور یکلخت بیحد خطرناک ہو گئے تھے "دوبارہ راجو یا استاد کے کسی آدمی کے بارے میں اتنی غلط بات نہ سوچنا .... تم حکم دو تو میں ہفتہ دس دن کے اندر اس ولد الحرام کی تمام نفری کو نالی میں رینگنے والے گندے کیڑوں کی طرح جوتے تلے مسل کر رکھ دوں .... تمہیں ابھی استاد اور اس کے اڈے پر کام کرنے والوں کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔"

"ہاں .... میں ابھی تمہاری دنیا سے پوری طرح واقف نہیں ہوں اسی لئے

جلدی میں ایک غلط اندازہ لگا بیٹھا تھا" میں نے معذرت طلب انداز اختیار کیا "کچھ دن یہاں رہوں گا تو تمام باتوں کا عادی ہو جاؤں گا۔"

"ہم مصلحتوں کو نظر انداز نہیں کرتے" راجو نے سنجیدگی سے کہا "استاد بلا وجہ خون خرابوں کو پسند نہیں کرتا لیکن وقت آجائے تو سب سے پہلے خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑتا ہے .... بڑا ہی مرد آدمی ہے' بڑے بڑے سورماؤں کا بھی پیشاب خطا ہو جاتا ہے اس کا نام سن کر .... چاقو زنی کے معاملے میں دور تک کوئی اس کا ثانی نہیں ہے ...."

"گویا عظمت بیگ کے سلسلے میں بھی مجھے صبر سے کام لینا ہوگا؟" میں نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو میرے دوست ...." راجو نے بڑے خلوص سے کہا "تم نے مجھے اپنا سمجھا ہے' اپنا راز دار بنایا ہے تو میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا' میں جانتا ہوں کہ زیادہ گھٹن انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چٹ کر جاتی ہے مگر تمہارے سلسلے میں ایسا نہیں ہوگا .... میں عظمت بیگ کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کر لوں گا ...."

اسی لمحے شیرا کے ایک ساتھی نے کمرے میں داخل ہو کر راجو کو خبر دی کہ کوئی پارٹی تجارتی امور پر بات کرنے کی غرض سے آئی ہے' راجو خاموشی سے اٹھ کر نچلی منزل کے زینوں کی طرف چلا گیا جہاں عمارت کے عقب میں ایک کمرہ خاص ملاقاتوں کے لئے وقف تھا۔ اس کمرے کا راستہ بھی عمارت کے عقبی حصے میں واقع تھا۔

راجو کے جانے کے بعد میں اٹھ کر خوابگاہ میں آگیا' بستر پر نیم دراز ہو کر میں نے آنکھیں موند لیں' بڑی دیر تک نازو کے بارے میں سوچتا رہا پھر اٹھ کر خود کو بہلانے کی خاطر ٹہلنے لگا' میری وحشت بڑھتی جا رہی تھی' میرے اندر جو لاوا ابل رہا تھا اسے زیادہ عرصے اپنے وجود میں بند کئے رکھنا میرے بس کی بات نہیں تھی' ٹہلنے سے بھی میری وحشت کم نہ ہوئی تو میں نے ریسور اٹھایا اور شبیر کے کلینک کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ مجھے کلینک پر ہی مل گیا' فون کال بھی اسی نے ریسیو کی تھی' میری

آواز سن کر وہ کچھ گڑبڑا گیا پھر خود کو سنبھال کر پوچھا

"آج تمہیں میری یاد کس طرح ....؟"

"تم نے میرے ساتھ ایک مہربانی کی تھی ڈاکٹر شبیر" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "بھلا میں تم جیسے محسن کو اتنی آسانی سے کس طرح فراموش کر سکتا ہوں' تمہاری حسین یاد کو تو میں نے پورے تین سال تک سینے سے لگا کر رکھا تھا۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ....؟" وہ میرے جملے کا مفہوم سمجھ کر راہ راست پر آگیا۔

"میں شکر گزار ہوں کہ تم نے بوڈی گارڈ کو رخصت عطا کر دی تھی" میں نے اشارے کنایوں میں دریافت کیا "ڈرائیور کی حالت اب کیسی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اخبارات میں شائع ہونے والا بیان اس کی ذات سے زبردستی منسوب کیا گیا ہے۔"

"اس خیال کی کوئی معقول وجہ بھی ہوگی!"

"پولیس کے کچھ افسران میرے واقف کار ہیں .... ان کی باتوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قاتل کو پھانسنے کی خاطر فریب کے جال بن رہے ہیں۔"

"تم اگر چاہو تو ان کی مشکل آسان بھی ہو سکتی ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا "تمہاری معلومات کے لئے بتا رہا ہوں کہ میرا قیام ابھی تک دارالاسلام کی پہلی منزل پر ہے۔"

"تم نے شاید میرے ایک عمل کو گرہ بنا کر اپنے دل میں باندھ لیا ہے" وہ سنجیدہ ہو گیا "میرا تعلق کس پارٹی سے ہے اور کس سے نہیں' یہ قطعی طور پر میرا ذاتی معاملہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے میں نے دیدہ و دانستہ تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کی تھی .... میری جگہ تم ہوتے تو شاید ...."

"اب ان باتوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"گولی جسم سے نکال لی جائے تو خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ دوسری شکل میں زہر پھیلنے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"جس وقت میں تم سے ٹکرایا تھا اس وقت میں پولیس کی دسترس میں نہیں آنا چاہتا تھا' رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی صورت میں جرم کی نوعیت اور سنگین ہو جاتی ہے" وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا "جو تھیلا اس وقت میرے پاس تھا تم اس کے بارے میں جان چکے ہو' حالات کے پیش نظر میں نے تمہیں زبان بند رکھنے کی ہدایت کی تھی لیکن یقین کرو کہ میں ...."

"بہرحال ...." میں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس کا جملہ کاٹ دیا "میں نے اس وقت تم کو کاظم پاشا کے سلسلے میں فون کیا تھا۔"

"وہ غریب بھی سیاست کا شکار ہو گیا۔"

"تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی "کیا یہ درست ہے کہ وہ کسی کے فریب میں آکر ضرورت سے زیادہ اعتماد کا شکار ہو گیا تھا؟"

"ہاں .... کچھ ایسی ہی بات تھی۔"

"اس کی موت کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"وہ عظمت بیگ پر آنکھ بند کرکے اعتماد کرتا تھا .... وہی اندھا اعتماد اسے لے ڈوبا۔"

"حیرت ہے کہ تم عظمت بیگ کے بارے میں ایسا کہہ رہے ہو ...." میں نے تعجب کا اظہار کیا "اب تو وہ تمہاری پارٹی میں شامل ہو گیا ہے۔"

"وقت کی ضرورت کا تقاضہ یہی تھا" شیرا نے بڑی صاف گوئی سے کہا "ہم اپنی پارٹی کو استحکام پہنچانے کی خاطر ایک خاص طبقہ فکر کے لوگوں کی تلاش میں تھے .... عظمت بیگ ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتا تھا اس لئے کہ وہ مذہب کے نام پر سادہ لوح اور جذباتی لوگوں کو فریب دینے میں ماہر ہے چنانچہ ہم نے اپنی ضرورت کے پیش نظر اسے ضرورت سے کچھ زیادہ لمبے داموں خرید لیا' اس نے ہمیں وفاداری کا یقین دلایا ہے' ہماری پارٹی کے لوگ اس پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے وو منہ کے سانپ کا کوئی بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس وقت تم نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔"

"میرے لئے اور کوئی حکم؟"

"کوئی ضرورت پیش آئی تو تمہیں پھر کوئی خدمت کا موقع دیں گے" میں نے بڑے پن کا مظاہرہ کیا "فی الحال تم اپنی زبان بند ہی رکھنا' اسی میں تمہاری بہتری ہے .... ہاں کوئی اہم حالات پیش آئیں تو اس کی اطلاع دیتے رہنا۔"

"میری طرف سے مطمئن رہو ...." وہ سنجیدگی سے بولا "عملی اور پیشہ ورانہ زندگی اختیار کرنے کے بعد میں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے۔"

تین چار روز تک میں دارالاسلام تک ہی محدود رہا' نازئین کے بارے میں میرا ہم راز بن جانے کے بعد راجو سے نہ صرف میری بے تکلفی بڑھ گئی تھی بلکہ وہ دوست اور بھائیوں کی طرح میرا خیال رکھتا تھا' ہم رات کو دیر تک بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کرتے رہتے' میں نے شیرا کے تمام اڈوں کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود راجو نے مجھے تمام اڈوں کے سربراہوں' ان کے کارندوں کے علاوہ وہاں ہونے والے مختلف کاروبار کے سلسلے میں بھی بہت کچھ بتا دیا تھا' راجو کے علاوہ اس کے ساتھی بھی میری ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔

ایک دن راجو میرے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے باچھیں کھلی جا رہی تھیں

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا "آج تم خلاف توقع بہت خوش نظر آ رہے ہو۔"

"تم سنو گے تو تم بھی خوشی سے اچھل پڑو گے" راجو نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام کر کہا "کل اپنا استاد واپس آ رہا ہے۔"

"سچ ....!" شیرا کی آمد کا سن کر مجھے بھی خوشی ہوئی تھی۔

"ہاں .... استاد جب جیل کا دورہ ختم کرکے واپس آتا ہے تو ہم اس کی دل بستگی اور تفریح کا کوئی نہ کوئی اہتمام ضرور کرتے ہیں۔"

"اس بات کیا پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے؟" میں نے پوچھا "یہاں دارالاسلام میں تو اہتمام کی صورت نظر نہیں آ رہی۔"

"اس بار ہم نے ہیڈ کوارٹر کے بجائے دو نمبر کے اڈے پر استاد کا استقبال کرنے کا پروگرام کیا ہے" راجو نے مجھے بتایا "اس موقع پر ہر شخص استاد کو خوش کرنے کے لئے

کوئی نہ کوئی سرپرائز ضرور دیتا ہے۔"

"تم کیا سرپرائز دے رہے ہو ....؟"

"سوری برادر ...." راجو نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر کہا "اس کی اطلاع قبل از وقت کسی کو نہیں ہوتی' اگر وقت پر پٹارا کھولا جائے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"میرے ذمہ کیا کام سونپا گیا ہے ....؟"

"تم بھی استاد کے استقبال میں ہمارے ساتھ پیش پیش رہو گے" راجو نے کہا پھر معنی خیز لہجے میں بولا "میں استاد کو جو تحفہ پیش کرنے والا ہوں وہ تمہارے لئے بھی کسی دلچسپی سے کم نہیں ہو گا۔"

"پہلے سے معلوم ہوتا تو میں بھی حسب استطاعت کوئی تیاری کر لیتا۔"

"ہم الگ الگ کب ہیں برادر ...." راجو نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی اپنائیت سے کہا "ہمارا تحفہ بھی مشترک ہو گا' استاد کو آ لینے دو .... اس کے بعد پردہ اٹھے گا۔"

راجو بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا' میں نے اسے ڈاکٹر شبیر سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بتائی تو شانے اچکا کر بولا:

"مرنے اور جان دینے کا دعویٰ تو سب ہی کر لیتے ہیں برادر لیکن جنازے اٹھتے نظر نہیں آتے' ہمیں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے .... بہرحال اگر کوئی وقت پڑا تو ڈاکٹر شبیر کو بھی آزما کر دیکھ لیں گے۔"

---------O---------

شیرا کے آجانے سے جیسے اس کے کارندوں کے جسموں میں ایک نئی روح سرایت کر گئی تھی' وہ بیحد مسرور تھے' بڑے چاق و چوبند نظر آ رہے تھے' ہر فرد اپنی جگہ ایک نمایاں حیثیت کا مالک تھا لیکن اس کے باوجود شیرا کی آمد کی خوشی نے ان کے چہروں کو دمکا دیا تھا۔

مجھے شیرا کی قسمت پر رشک آ رہا تھا' وہ حقیقتاً بہت قد آور' بہت بڑی شخصیت

کا مالک تھا' اس نے اپنے جتھے کے نظم وضبط کو بڑے اعلیٰ پیمانے پر برقرار رکھا تھا' اس کے کارکن متحد نظر آتے تھے' ان کے درمیان گروہ بندی نام کی کوئی شے نہیں تھی' دلوں میں کدورتیں یا نفرتیں نہیں تھیں' ان کی تربیت پر شیرا نے یقیناً بڑی جانفشانی سے کام کیا تھا' رنگ و نسل کی ان کی درمیان کوئی تفریق نہیں تھی' وہ ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کے عادی تھے' دکھ درد میں ایک دوسرے کے شریک رہتے تھے' ان میں کسی قسم کی فرقہ بندی یا تعصب نہیں تھا' سب ایک ہی خاندان کے فرد نظر آتے تھے' باہم مل جل کر کوئی فیصلہ کرتے تھے' شیرا کو اپنا بڑا سمجھتے تھے اور اس کی پلکوں کی ایک ایک جنبش کا مفہوم سمجھتے تھے شیرا کے حکم پر وہ جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

مجھے وہ دنیا ایک طلسم کدہ لگ رہی تھی' وہاں کسی قسم کا کینہ وبغض نہیں تھی' دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی رنجش نہیں تھے' وہ ایک دوسری کو ٹانگ پکڑ کر پیچھے گھسیٹنے کے عادی نہیں تھے' برتری اور سبقت کے لئے ان کے درمیان کبھی رسہ کشی نہیں ہوتی تھی' وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں تھے' دولت کی تقسیم کے سلسلے میں وہ وحشیوں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لئے دانت تیز نہیں کرتے تھے' سب برابر تھے' شیرا نے انہیں ایک تسبیح کے دانوں کی طرح آپس میں پرو دیا تھا۔

شیرا کو دوبارہ اپنے درمیان دیکھ کر وہ بچوں کی طرح خوشی سے اچھل کود رہے تھے' قلقاریاں مار رہے تھے' بڑی گرمجوشی سے لپک لپک کر بغل گیر ہو رہے تھے جیسے انہیں عید کا چاند نظر آ گیا ہو' جیسے وہ شیرا کی غیر موجودگی میں نامکمل تھے' اس کے آجانے سے ان کی تکمیل ہو گئی تھی' جس کے بعد اچانک بارش ہو جانے کا سماں نظر آ رہا تھا' وہ چیخ چیخ کر شیرا کی شان میں نعرے بلند کر رہے تھے' وہ بے شمار قالب مگر ایک جان نظر آ رہے تھے' شیرا کی عظمت نے جیسے ان پر جادو کر دیا تھا' ان کی روحوں کو تسخیر کر لیا تھا' بڑی دیر تک شیرا کے استقبال میں وہ پرجوش نعرے لگاتے رہے پھر شیرا نے سیدھا ہاتھ بلند کیا تو وہ سب خاموش ہو گئے' چار کارندوں نے شیرا کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر رکھا تھا' شیرا محبت بھری نگاہوں سے اپنے پرجوش ساتھیوں

کو دیکھتا رہا پھر اس کی آواز بلند ہونا شروع ہوئی :

"میرے دوستو .... میرے ساتھیو! آج ایک بار پھر میں تمہارے درمیان موجود ہوں .... تمہاری محبتیں ' تمہاری چاہتیں میری زندگی کا انمول خزانہ ہیں' لوگ مجھے استاد شیرا کے نام سے یاد کرتے ہیں' میں جدھر سے گزرتا ہوں لوگوں کی نظریں جھک جاتی ہیں' وہ میرے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں' کترا کر دائیں بائیں چھٹ جاتے ہیں لیکن یہ بڑائی' یہ عزت یہ بھرم سب کچھ تمہارے دم سے ہے' میں تنہا ہوتا تو شاید اب تک ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا ہوتا' ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا ہوتا .... میں آج جو کچھ بھی ہوں .... جس مقام پر ہوں وہ سب کچھ تمہارے دم سے ہے ...."

"استاد شیرا زندہ باد .... استاد شیرا پائندہ باد ...." ہجوم خوشیوں کے نعرے بلند کرنے لگا۔

"میرے عزیزو .... میرے جان نثار رفیقو! میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی دغا' کوئی مکر' کوئی فریب نہیں کیا ریاکاری اور رقابت کا جذبہ انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے' جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے' ایسے لوگ بڑی جلدی ننگے ہو جاتے ہیں' لوگ ان کی خصلت اور کمینگی سے واقف ہو جاتے ہیں تو ان کی عزت دو کوڑی کی بھی نہیں رہ جاتی .... اعتماد بڑی چیز ہے .... اعتماد کو ٹھیس پہنچے تو پھر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرکنے لگتے ہیں' بڑے بڑے تناور درخت بھی جڑیں چھوڑنے لگتے ہیں' انسان کے اندر اتھل پتھل شروع ہو جاتی ہے' لیکن شیرا کو فخر ہے کہ تم نے اس کے اعتماد کو کبھی دھوکا نہیں دیا' میرے یقین کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچائی' میرے اعتبار کو تمہاری محبتوں' تمہاری چاہتوں اور تمہاری کارکردگی نے آج اتنا بلند کر رکھا ہے کہ دوسرے ہمارے مقابلے میں ہیچ دکھائی دیتے ہیں .... شیرا تنہا کچھ بھی نہیں ہے' تم سب اس کا ہاتھ پاؤں ہو .... شیرا کی اصل طاقت کا سرچشمہ ہو .... ایسی قوتیں زوال پذیر نہیں ہوتیں ....

"میرے بچو .... میرے جگر گوشو .... انسان غلطی کا پتلا ہے' بے عیب ذات صرف اس غفورالرحیم کی ہے جس نے ہم سب کو تخلیق کیا ہے .... قدم جما

کر چلنا بڑا دشوار ہوتا ہے' کبھی ایسے کٹھن موقع اور مرحلے آجاتے ہیں کہ انسان کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں' وہ لڑکھڑانے لگتا ہے .... میں بھی انسان کے اسی جتھے سے تعلق رکھتا ہوں .... اسی گروہ کا ایک فرد ہوں کوئی فرشتہ نہیں ہوں .... بڑی بڑی عدالتوں کی اونچی اونچی کرسیوں پر جو منصف دھرنا جمائے بیٹھے ہیں' بڑے یقین اور اعتماد کے ساتھ' انتہائی دیانتداری اور سچائی کے ساتھ فیصلے رقم کر رہے ہیں وہ بھی انسان ہیں' کبھی وہ بھی کوئی فیصلہ لکھتے لکھتے بھٹک جاتے ہیں' ان کا قلم بھی غلط راستے پر چل نکلتا ہے' وہ سچے لوگ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے .... انسان ہونے کے ناتے ان سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے' اسی لئے وہ ہر فیصلے کے آخر میں مجرم کے لئے اپیل کی گنجائش چھوڑ دیتے ہیں۔"

شیرا ایک لمحے کو خاموش ہو کر اپنے ساتھیوں کو دیکھتا رہا پھر بڑی عاجزی سے بولا :

"آج میں خود کو تمہارے سامنے استاد شیرا کی حیثیت سے نہیں ایک عام انسان کی طرح پیش کر رہا ہوں' تم سب آج منصف بن جاؤ .... میں مانتا ہوں کہ مجھ سے کبھی نہ کبھی کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی' کوئی فیصلہ کرتے وقت کوئی حکم دیتے وقت میرے ذہن اور میرے جذبات میں بھی اتھل پتھل ہو سکتی ہے .... تم نے اس فیصلے کو قبول کر لیا ہو گا' یہ تمہاری بڑائی ہے' میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں مگر آج میں تمہیں کھلے دل سے اختیار دیتا ہوں کہ اگر تمہارے دلوں میں یا ذہن کے کسی گوشے میں شیرا کے خلاف کوئی احتجاج ہو تو اسے برملا کہہ ڈالو .... میری خامیوں کی نشاندہی کرو تاکہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو سکے .... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا .... مجھے خوشی ہوگی اگر تمہارے کسی اعتراض سے میں اپنی کسی خامی کی اصلاح کر سکوں .... لیکن .... اگر تم میری عزت و احترام کی خاطر کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتے تو میں اس بھرے مجمع میں سب کی موجودگی میں .... فرداً" فرداً" اپنی غلطی کے سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

کارکنوں کے ہجوم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی' وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر شیرا کی شان میں نعرے لگا رہے تھے' اس کی عظمت اور بلندی کا اعتراف کر رہے تھے' میں راجو اور خان دلاور کے ساتھ ایک طرف کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا' ہمارے ساتھ اڈوں کے

دوسرے اہم افراد بھی تھے' سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے جیسے اچانک قارون کے خزانہ ان کے ہاتھ آ گیا ہو۔

"کیوں براور ...." راجو نے سرگوشی کی "آج تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟"

"میں خود کو بڑا خوش نصیب سمجھ رہا ہوں ...." میں نے صاف دل سے اعتراف کیا "استاد کی رفاقت میرے لئے زندگی کی نوید سے کم نہیں؟"

"ابھی تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا" خان دلاور اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولا "اپنا استاد استادوں کا استاد ہے ببر شیر ہے' جنگل کا بادشاہ جو چھوٹے بڑوں سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے' سب کا خیال رکھتا ہے' اپنے علاقے میں کسی دوسرے کی داداگیری کو پسند نہیں کرتا لیکن جب وہ بھوکا ہوتا ہے تو پھر اپنے ہی علاقے کے کسی نافرمان یا سرکش جانور کو چیر پھاڑ کر ہڑپ کر جاتا ہے' اس طرح انصاف بھی ہو جاتا ہے اور شکم سیری بھی .... ایک تیر سے دو شکار کرنا اسی کو کہتے ہیں' اس کے اندر نرمی اور گرمی دونوں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں جبھی تو بڑے بڑے جغادری دم دبا کر استاد کے سامنے سے بچ بچا کر نکلتے ہیں۔"

"تمہاری باتیں اب بھی ویسی ہی ہیں جیسی جیل میں ہوا کرتی تھیں" میں نے مسکرا کر کہا "ذرا نہیں بدلے ...."

"بس جیل میں ایک غلطی کر بیٹھا تھا" خان دلاور بڑی اپنائیت سے بولا "تمہیں پہچاننے میں چوک ہو گئی تھی۔"

"بھول جاؤ اس بات کو .... اب ہم سب ایک ہیں" میں نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کئی گھنٹوں تک شیرا کی واپسی کی خوشی میں ہنگامے ہوتے رہے پھر شیرا نے سب کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا' کھانے کے درمیان شیرا کی باتیں محفل کو زعفران زار بنا رہی تھیں' وہ اپنے ساتھیوں میں اس قدر گھل مل گیا تھا کہ چھوٹے بڑے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا' کھانے کے بعد شیرا کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے قریب بلا کر مجھے گلے لگا لیا بڑے خلوص سے بولا:

"اور سناؤ شہزادے .... تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"کوشش کی تھی لیکن تمہارے ساتھیوں نے اس کا موقع نہیں دیا ...."

"اچھی بات کہی ...." شیرا نے محبت سے میری پیٹھ تھپتھپائی' "اسی طرح ہنستے بولتے رہا کرو .... اچھے لگتے ہو۔"

مجھ سے بغلگیر ہونے کے بعد وہ دوسرے اہم امور میں مصروف ہو گیا' کسی ماہر اور تجربہ کار اڈمنسٹریٹر کی طرح وہ باری باری سر جوڑ کر ہر اڈے کے سربراہ سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کرتا رہا' ان کی کارکردگی کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کرتا رہا' آئندہ کے لئے ضروری ہدایات جاری کرتا رہا پھر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے ایک کمرے میں چلا گیا جسے خاص طور پر اس کے لئے آراستہ کیا گیا تھا' باقی افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

شام کو تینوں اڈوں کے سربراہوں کے علاوہ میری طلبی بھی ہوئی' خان دلاور اور راجو بھی موجود تھے' اس وقت شیرا کی تھکن دور ہو چکی تھی' اب وہ پوری طرح ہشاش بشاش اور چاق و چوبند نظر آ رہا تھا' مجھے خاص طور پر شیرا نے اپنے برابر بیٹھنے کا شرف عطا کیا' باری باری اس نے تمام سرداروں سے میرا تعارف کرایا' وہ بڑی اپنائیت سے مجھ سے بغلگیر ہوتے رہے' تعارف کا مرحلہ ختم ہوا تو شیرا نے میرے بارے میں بڑی سنجیدگی سے کہا:

"خان دلاور میرا ایک ہاتھ تھا لیکن اب شیدے کے آجانے سے میرے دونوں ہاتھ مکمل ہو گئے ہیں .... آپ حضرات کو اگر میرے انتخاب پر کوئی اعتراض ہو تو ...."

سرداروں نے شیرا کی بات مکمل ہونے سے پیشتر ہی مجھے مبارکباد پیش کرنی شروع کر دی' یہ گویا اس بات کی دلیل تھی کہ انہیں شیرا کے انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں تھا' مبارک سلامت کا سلسلہ ختم ہوا تو شیرا نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

"سنا ہے تم نے بسم اللہ شروع کر دی ہے ...."

"تمہاری دی ہوئی تعلیم کو ازبر کرنے کی خاطر یوں ہی ذرا ہاتھ پاؤں رواں کرنے کی کوشش کر رہا تھا" میں نے انکساری کا اظہار کیا

"لیکن میری ایک نصیحت یاد رکھنا" شیرا نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا "ہر کام اپنے وقت پر ہی بھلا لگتا ہے .... زیادہ کھانے سے بدہضمی ہو جانے کا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے .... میں نے کسی دانشور کی زبانی ایک بڑی عمدہ بات سنی تھی .... حادثے کی صورت میں گاڑی کے فاضل پرزے تو کہیں نہ کہیں سے سستے مہنگے دستیاب ہو جاتے ہیں لیکن زندگی کی فٹنگ فائنگ کرنے کی خاطر ابھی تک کوئی ماسٹر کٹ (MASTER KIT) ایجاد نہیں ہوئی .... آدمی کا انجن ایک بار بند ہو جائے تو دوبارہ اسٹارٹ نہیں ہوتا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں استاد۔"

"پولیس والوں سے نہ زیادہ دوستی اچھی ہے نہ زیادہ دشمنی" شیرا نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "آگ اور پٹرول کا ساتھ کبھی نہ کبھی کوئی خطرناک دھماکا ضرور کر دیتا ہے، مگر تجربے کی ایک بات اور گرہ سے باندھ لو .... تم جتنا اس مخلوق سے خوفزدہ ہونے کی کوشش کرو گے اتنا ہی یہ تمہیں دھونس دھڑلے سے ڈراتے دھمکاتے رہیں گے .... چارپائی میں کھٹمل زیادہ ہو جائیں تو کبھی کبھار اٹھا پٹک بھی ضروری ہوتی ہے، کیڑے مکوڑے پریشان کرنے لگیں تو اسپرے کی ضرورت بھی پیش آ جاتی ہے مگر ان پھول پتی والے پولیس افسروں کے سلسلے میں ہمیشہ موقع محل دیکھ کر ہی کوئی قدم اٹھانا .... ان کے جھنڈ میں شیر اور گیدڑ دونوں قسم کے جانور پائے جاتے ہیں .... کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بڑی آسانی سے اپنا ضمیر فروخت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، خود ہی جلتی بجھتی بتی کی طرح مک مکا کا سگنل دینا شروع کر دیتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو فرض کی ادائیگی میں جان پر کھیل جانے کو ترجیح دیتے ہیں .... میں ایسے افسران کی بڑی عزت کرتا ہوں .... ایسے سرفروشوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا میرے اصول کے خلاف ہے .... تم بھی ان جہاد کرنے والوں سے کبھی الجھنے کی کوشش نہ کرنا .... ان کی فرض شناسی کے اعتراف میں دو چار سال کی سزا بھگت لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

شیرا سب کو نصیحت کرتا رہا پھر ایک ایک کر کے ان کو رخصت کرنے لگا، خان دلاور درمیان میں ہی کسی ضروری کام سے اٹھ کر چلا گیا تھا، کمرے میں جب میں اور راجو باقی رہ گئے تو شیرا نے راجو سے پوچھا:

"تم شاید مجھے کوئی سرپرائز دینے والے تھے ....؟"

"ہاں استاد ...." راجو نے کہا "میں نے تمہاری دلچسپی اور منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر کچھ خاص اہتمام کیا ہے۔"

"کسی زنانی کے مجرے کا پروگرام تو نہیں ترتیب دے ڈالا؟" شیرا نے مسکرا کے بے تکلفی سے کہا۔

"ارادہ تو تھا استاد کہ تمہاری آمد کی خوشی میں کوئی محفل سجائی جائے .... کچھ ٹھمکے لگیں، گانا بجانا ہو .... دال کھاتے کھاتے طبیعت اکتانے لگے تو منہ کا ذائقہ بدلنے کو دل تو کرتا ہے ...."

"نہیں ...." شیرا یکلخت سنجیدہ ہو گیا "ہمارے کسی اڈے پر آج تک کسی آبروباختہ لڑکی یا عورت کے قدم نہیں پڑے، میں اس روایت کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں ...."

"میں تو مذاق کر رہا تھا استاد ...." راجو نے جلدی سے کہا۔

"شہزادے ...." اچانک شیرا نے مجھے ہمکلام کیا "یہ نازنین کا کیا قصہ؟"

"میں سمجھا نہیں ...." نازنین کا نام یکلخت شیرا کی زبان پر آیا تو میں ایک لمحے کو گڑبڑا گیا، میں نے دزدیدہ نظروں سے راجو کی سمت دیکھا، شاید اس نے استاد کو میری مصروفیات کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

"راجو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے شہزادے ...." شیرا نے الفاظ تولتے ہوئے کہا "وہ پہلی عورت ہے جو شیرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ہمت رکھتی ہے .... اس لئے کہ وہ اندر سے بڑی اجلی اور بے داغ ہے .... دل صاف ہو تو انسان کا ضمیر کبھی مردہ نہیں ہوتا .... ضمیر ہی تو وہ اصل شے ہے جو انسان کی بلندی اور پستی کا حساب کتاب رکھتا ہے۔"

"پہلے وہ صرف نازو تھی، استاد ...." میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا "مجھے یاد ہے .... جس دن سے اس نے اپنے جسم پر اوڑھنی ڈالنی شروع کی تھی، اسی روز سے اس نے دہلیز کے باہر قدم نکالنا بھی بند کر دیا تھا، لیکن اب ...."

"میں سن چکا ہوں تمہاری کہانی ...." شیرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی ٹھوس آواز میں سوال کیا ...." اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"اس نے مجھے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے ...." میں دبی زبان بولا "ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔"

"مجھے حالات کا بھی اندازہ ہے ...." شیرا نے تیور بدل کر کہا "ایک چودھری نواز کا قصہ پاک ہو جانے سے کہانی ختم نہیں ہو گئی' کچھ اور کلی پھندنے بھی ساتھ ہوں گے .... کاروبار لمبا ہو تو بلا وجہ کے ساجھے دار بھی پیدا ہو جاتے ہیں مگر تم فکر نہ کرو .... ہمیں ان جراثیموں کو ختم کرنے کے لئے اسپرے کرنا ہو گا ...."

"میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن اب میں چودھری نواز کے سلسلے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا ...."

"کوئی خاص وجہ ......؟" شیرا نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"گندگی میں پتھر پھینکنے سے کچھ چھینٹے اپنے دامن پر بھی آ جاتے" میں نے اپنا ماضی الضمیر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اوپر میری محنت رایگاں نہیں گئی" شیرا نے مجھے سراہتی نظروں سے دیکھا "تم ٹھیک سوچ رہے ہو لیکن نازنین ...."

"میں اس پر اپنا کوئی فیصلہ مسلط نہیں کروں گا۔" میں دل مسوس کر بولا "وہ اب خود مختار ہو چکی ہے ...."

"ایک بات پوچھوں شہزادے! .... کیا تم اب بھی سچے دل سے نازنین کا ہاتھ تھامنے کو تیار ہو ....؟"

"ہاں .... لیکن شاید وہ حالات کے پیش نظر ...."

"تسلی رکھو ...." شیرا نے میری ڈھارس بندھائی "میں کسی وقت اس سے بات کروں گا ...." وہ مجھ سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر راجو درمیان میں بول پڑا:

"استاد .... تھوڑا سا وقت میرے لئے بھی نکال لو۔"

"اوہ .... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم کوئی سرپرائز دینا چاہتے ہو ...."

شیرا کا موڈ یکلخت تبدیل ہو گیا' میں اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا' وہ اپنے چہرے کے تاثرات کو حالات اور موقع کی مناسبت سے تبدیل کرنے میں پوری مہارت رکھتا تھا۔

"تم دونوں کو میرے ساتھ کنویں میں اترنا ہوگا۔"

"کوئی خاص مچھلی پھنس گئی ہے ....؟" شیرا بھی راجو کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

میں ان دونوں کے ساتھ ہو لیا' کنویں میں اترنے کی اصطلاح میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی لیکن جب مختلف راستوں سے گزر کر راجو نے ایک خفیہ زمین دوز راستے کا دروازہ کھولا تو بات میری سمجھ میں آ گئی' وہ جگہ جہاں چور دروازہ تھا اتنی مہارت اور چابکدستی سے بنائی گئی تھی کہ عام انسان اس کے بارے میں کسی شک وشبہ کی بابت سوچ بھی نہیں سکتا تھا' ہم تینوں آگے پیچھے نشیب میں جانے والے زینوں سے نیچے اترے تو دروازہ کسی خود کار میکنزم کے تحت آپ ہی آپ بند ہو گیا' میں بہت غور سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا' تہہ خانے میں کسی قسم کی گھٹن نہیں تھی' روشنی اور ہوا کا معقول انتظام تھا اور وہاں متعدد کمرے تھے' بعد میں راجو ہی کے ذریعے مجھے اس بات کا علم ہوا تھا کہ شیرا کے تمام اڈوں پر اسی قسم کے تہہ خانے موجود تھے' ان کے اندر ہی اندر کچھ ایسے چور راستے بھی تھے جن سے گزر کر بوقت ضرورت فرار بھی ہوا جا سکتا تھا۔

ہم کئی کمروں سے گزر کر ایک بند دروازے کے سامنے رک گئے جس پر قفل لگا ہوا تھا "میں نے اس پنجرے میں ایک بولتا ہوا نایاب پرندہ رکھ چھوڑا ہے" راجو نے تالا کھولتے ہوئے مسکرا کر کہا

"نر ہے یا مادہ؟" شیرا نے بے تکلفی سے پوچھا .... "نسل اور ذات پات کیسی ہے؟"

"میں نے دم اٹھا کر تصدیق نہیں کی .... لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ راسپوتین اور میر جعفر کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔"

پھر راجو نے دروازہ کھولا تو میں نے اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں' میرے اندر انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے' حقارت کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا' میرے سامنے جو شخص موجود تھا وہ عظمت بیگ کے سوا کوئی اور نہیں تھا' راجو نے اس کے حلیے کو بڑا مضحکہ خیز بنا رکھا تھا' اس کے جسم پر سوائے ایک لنگوٹی کے کوئی اور لباس نہیں تھا۔

عظمت بیگ نے شیرا کو اپنے سامنے سینہ تانے کھڑا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں موت کے سائے لرزنے لگے' اس کے چہرے کی رنگت ہلدی کی طرح زرد ہو گئی' خوف کے احساس ہی نے اس کے وجود کو اپنے شکنجوں میں جکڑ لیا تھا' وہ گھبرا کر لڑکھڑاتا ہوا دو قدم پیچھے ہو گیا .... اس کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا' پتلیاں جیسے ساکت ہو کر جنبش کرنا بھول گئی تھیں۔

شیرا کی خونخوار نگاہیں عظمت بیگ پر جمی ہوئی تھیں' وہ اسے کچھ دیر تک قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر بے اختیار قہقہے لگانے لگا!!

شیرا کے قہقہے کمرے میں گونجتے رہے' اس کی نگاہیں عظمت بیگ کے وجود پر جم کر رہ گئی تھیں' قہقہوں کی آوازیں بتدریج بلند ہو رہی تھیں' عظمت بیگ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا' اس کی نگاہیں وحشت سے پھٹی پھٹی نظر آ رہی تھیں' شیرا کو اچانک سامنے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا یا پھر مجھے شیرا کے ساتھ دیکھ کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے' راجو چوہے اور بلی کے اس کھیل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ اس نے ہمیں جو سرپرائز دیا تھا وہ اس کی توقع کے عین مطابق خاصہ دلچسپ ثابت ہوا تھا۔

عظمت بیگ کو اپنی نگاہوں کے سامنے بے بس دیکھ کر مجھے بڑی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا' کچھ دیر پیشتر میرے اندر نفرت اور حقارت کا جو طوفان موجزن تھا اس کی کیفیت میں یکلخت تبدیلی آ گئی تھی' عظمت بیگ کی مضحکہ خیز حالت دیکھ کر مجھے ہنسی آ رہی تھی' وہ جو مذہب کے نام پر معصوم عوام کو دھوکا دیتا رہتا تھا' اپنی عالمانہ باتوں سے سادہ لوح لوگوں کا دل جیت کر اپنا الو سیدھا کیا کرتا تھا' جس نے مذہب کی پاکیزگی میں سیاست کی غلاظتیں شامل کر دی تھیں اس وقت خود بھی اپنی اصلیت کی تفسیر بنا میرے سامنے کھڑا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا' وہ جو اپنی تحریک کے لوگوں کے خون کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتا تھا اس وقت اس کی اپنی آنکھوں میں موت کے سائے کپکپا رہے تھے' اس نے اپنی چرب زبانی سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کر رکھا

تھا' اس کی جادو بیانی کا سحر عوام کے ذہنوں کو مفلوج کر دیا کرتا تھا' وہ اس کے اشارے پر ناچتے تھے' اس کے نام کے نعرے بلند کرتے تھے' اسے بہت قدآور اور عظیم سمجھتے تھے آج وہ پستیوں اور محکومیت کا شکار نظر آ رہا تھا' کبھی وہ سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کی مانند ٹھاٹھیں مارنے کا عادی تھا' چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرنے کا دم خم رکھتا تھا' اس کی نگاہیں ہمیشہ آسمان کی بلندیوں اور اس کی وسعتوں میں محو پرواز رہا کرتی تھیں' بہت اونچا اڑنے کی خواہش اس کے وجود کو گرماتی رہتی تھی ایک ہی جھٹکے میں زمین بوس ہو کر رہ گیا تھا' جس کرسی کے حصول کی خاطر اس نے کاظم پاشا اور اس جیسے نہ جانے کتنے پر جوش اور سرگرم کارکنوں کی معصومیت کا خون بہایا تھا' ان کے اعتماد پر قدغن لگائی تھی' ان کی سادہ لوحی اور اندھی تقلید کے سہارے اپنی خواہشات کی منزلوں کو سر کیا تھا وہ آج بھی اس کے وجود سے منسلک تھی لیکن اس کے کسی کام نہیں آ رہی تھی' ہوا کے رخ بدلتے ہی شہ زور موجوں کے ایک تھپیڑے نے اسے اٹھا کر سمندر کے بیچ منجدھار میں اتنی بلندی سے اچانک گرا دیا کہ اس میں تیرنے کی ہمت یا ہاتھ پیر مارنے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی' وقت کی ایک ہی گردش نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔

شیرا کے قہقہے بلند ہوتے ہوتے اچانک یوں تھم گئے جیسے کسی برق رفتار گاڑی کو پورے بریک لگا کر روک دیا گیا ہو' ماحول کا رنگ یکلخت بدل گیا' اب شیرا عظمت بیگ کو پھاڑ کھانے والی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا پھر کچھ توقف سے اس کی گرجدار آواز ابھری۔

"عظمت بیگ .... صاحب بہادر .... جناب والا .... حضور انور .... حرام کے تخم .... تمہارے تو بہت سارے نام ہیں' میں تمہیں کس نام سے یاد کروں' مذہب کا پیشوا سمجھوں .... مندر کا پانڈے کہوں .... دیش بھگت کہہ کر آواز دوں یا لگا بھگت سمجھ کر تمہارے پھٹکار برستے منہ پر کسی طوائف کے کوٹھے پر استعمال ہونے والے اگالدان کی ساری گند الٹ دوں؟"

عظمت بیگ کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے' وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔

"خاموش کیوں کھڑے ہیں میرے آقا .... کوئی حکم دیں جو میں بجا لاؤں

.... کوئی آگیا دیں جس کا میں پالن کر سکوں" شیرا نے اس کی بے بسی کا بھرپور مذاق اڑاتے ہوئے کہا "میں آپ کا تابعدار .... آپ کا غلام .... آپ کا سیوک .... آپ کی چاکری کرنا میرا دھرم ہے .... مہاراج۔"

عظمت بیگ بڑا گرگ جہاں دیدہ تھا' موقع کی نزاکت سمجھ رہا تھا' اس کے زرد چہرے پر خوف کے لرزتے ہوئے سائے اس امر کی تصدیق کر رہے تھے کہ وہ استاد کی اصلیت سے ناواقف نہیں تھا' کچھ دیر تک وہ شیرا کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ہکلاتے ہوئے بولا:

"تم .... مجھ .... مجھے' یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"بہت دنوں سے ہمیں آپ کے درشن نہیں ہوئے تھے ...." شیرا نے حقارت سے مسکرا کر کہا "کیوں ....؟ کیا جناب والا کو یہ جگہ پسند نہیں آئی؟"

"تت .... تم لوگ .... یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہو" عظمت بیگ نے اپنی خوش فہمی کا سہارا لینے کی کوشش کی۔

"میں شیرا ہوں عظمت بیگ" یکلخت شیرا کے لہجے کا زیروبم تبدیل ہو گیا "ہم دونوں شیر بھی ہیں اور شکاری بھی .... تم جانتے ہو کہ شکار کرنے میں اگر کوئی غلط فہمی آڑے آجائے تو شکاری خود شکار ہو جاتا ہے .... اور شیرا غلطیاں کرنے کا نہیں' محتاط رہ کر لبلبی دبانے کا عادی ہے۔"

"دل .... لیکن .... مم .... میں ...."

"ہکلاؤ مت عظمت بیگ" شیرا نے سرد اور کرخت آواز میں کہا "مردوں کی طرح باتیں کرو .... تم تو بڑے دم درود والے آدمی ہو' یہ زنخوں کی طرح منمنانے کی خصلت کب سے پیدا ہو گئی؟"

عظمت بیگ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا' اس کے وجود کے اندر کہیں کوئی سرکش انسان چھپا بیٹھا شیرا کے جسم کی دھجیاں اڑا دینے کا منصوبہ ضرور بنا رہا ہو گا لیکن وہ زبان سے برملا اس کا اظہار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' وہ بھی اپنے میدان کا کھلاڑی تھا' اسے معلوم رہا ہو گا کہ دلدل میں پھنسا ہوا انسان جس قدر ہاتھ پاؤں چلاتا ہے اتنا ہی اور اندر دھنستا چلا جاتا ہے' ایسے حالات میں دا ... کے مشوروں

سے زیادہ دماغ کی صلاحیتیں کارگر ثابت ہوتی ہیں' ایک خاموشی ہزار بلاؤں کو ٹال دیتی ہے چنانچہ اس نے خاموشی ہی مناسب سمجھی' وہ بہت پرانا اور منجھا ہوا کھلاڑی تھا' بساط کے نقشے کو پوری طرح سمجھ کر سوچ بوجھ کر کوئی چال چلنے کے بارے میں غور کرنے لگا۔

"ڈیڑھ کروڑ کی رقم تم اکیلے ہڑپ نہیں کر سکو گے عظمت بیگ" شیرا نے پینترا بدل کر دوسرے رخ سے حملہ کیا "وفاداریاں تبدیل کر دینے سے انسان کی شناخت نہیں بدل جاتی .... کچے رنگ بڑے عارضی ہوتے ہیں' بارش کے ایک چھینٹے سے اپنی اصلیت ظاہر کر دیتے ہیں' اونچی کرسیوں پر بیٹھنے سے انسان بڑا نہیں بن جاتا' بڑائی حاصل کرنے کی خاطر انسان کو چھوٹا بھی بننا پڑتا ہے' کچھ پانے کی خاطر کچھ کھونا پڑتا ہے' عزت تو خدا دین ہے۔ تم اسے ڈیڑھ کروڑ سے نہیں خرید سکتے .... دولت تو بڑی قاتل اور ہرجائی شے کا نام ہے' کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہتی' بازاری عورتوں کی طرح پل پل نگاہیں بدلتی رہتی ہے' اسے قابو کرنے کی خاطر پاپڑ بیلنے چاہئے .... دغا اور فریب سے کام لینے والے بڑی جلدی ننگے ہو جاتے ہیں .... تم تو خوش نصیب ہو کہ تمہارے جسم پر کم از کم ایک لنگوٹی نظر آ رہی ہے .... یہ نہ ہوتی تو تمہاری مردانگی کا سارا کچا چٹھا بھی کھل کے بے نقاب ہو جاتا .... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ....؟"

"کیا ہم کھل کر بات نہیں کر سکتے؟" عظمت بیگ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کاظم پاشا یاد ہے تمہیں؟" شیرا کا لہجہ سفاک ہو گیا۔

"وہ .... وہ اپنی غلطی اور حماقت سے مارا گیا تھا" عظمت بیگ نے خوفزدہ آواز میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کی "میں نے اس کو ...."

"بکواس نہیں عظمت بیگ ...." شیرا کی پیشانی شکن آلود ہو گئی "کاظم پاشا کی موت میں تمہاری سازش بھی شامل تھی جس کا حساب کتاب بعد میں ہوگا .... فی الحال لین دین کی بات طے کر لو .... اس کی قربانی کی کیا قیمت ادا کر سکتے ہو ....؟"

"مجھے اس کی موت کا دکھ ہے لیکن اس میں میرا ہاتھ ...."

"ففٹی ففٹی ...." شیرا اس کا جملہ کاٹ کر بولا "بولو .... منظور ہے ....؟"

"کاظم پاشا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" عظمت بیگ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"وہ .... جو تمہارا کرسی سے ہے ...." شیرا نے استہزایہ انداز اختیار کیا اس کے ساتھ ہی وہ قدم بڑھاتا ہے عظمت بیگ کے قریب چلا گیا۔

"فی الحال میرے پاس ...."

"تڑاخ ...." کمرے میں شیرا کے بھرپور تھپڑ کی آواز کے ساتھ ہی عظمت بیگ کے کراہنے کی آواز بھی گونجی تھی پھر شیرا نے عظمت بیگ کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا' اس کے ہاتھ اور پیر مشینی انداز میں چل رہے تھے' عظمت بیگ بری طرح گڑگڑانے لگا لیکن شیرا شاید بہرا اور گونگا ہو گیا تھا' دس منٹ کے اندر اندر عظمت بیگ کی حالت اتنی غیر ہو چکی تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا' اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا اس کی کربناک چیخیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ شیرا کے نپے تلے ہاتھوں نے اس کے جسم کے کئی ہڈیوں کے جوڑ علیحدہ کر دئے تھے' وہ بڑی اذیت کے عالم میں فرش پر تڑپ رہا تھا۔

"کاظم پاشا کے ورثا کے لئے پورے پچھتر لاکھ ...." شیرا فیصلہ کن لہجے میں دھاڑا "یہ تاوان تمہاری کمینگی کا اعتراف بھی ہوگا۔"

"مم .... منظور ہے ...." عظمت بیگ نے ہاتھ جوڑ دئے۔

اور تم اپنی زبان بند رکھو گے ورنہ ...."

"ہاں ...." عظمت بیگ نے گڑگڑا کر کہا "مم .... میں کسی سے .... کچھ نہیں کہوں گا۔"

"راجو ...." شیرا نے ہاتھ کا میل صاف کرتے ہوئے بڑے ٹھنڈے لہجے میں راجو سے کہا "باقی کام تمہیں نپٹانے ہوں گے .... رقم وصول کرنے کے بعد اسے اس کے گھر کے سامنے والے کوڑے دان میں پھینک آنا .... لیکن رات کی تاریکی میں .... دن کے اجالے میں یہ لوگ بڑے عزت دار ہوتے ہیں۔"

"جو حکم استاد ...." راجو نے مسکرا کر کہا پھر عظمت بیگ کو گھورنے لگا۔

"ایک بات اور ...." شیرا راجو کی پشت تھپتھپاتے ہوئے بولا "آزادی کا پروانہ جاری کرنے سے پہلے اس کے خلاف کیمرے کی پرائیویٹ حالت میں دو چار ثبوت ضرور جمع کر لینا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت اس کا منہ کالا کیا جا سکے۔"

"میں جانتا ہوں استاد کہ ایسے مریضوں کی تیمارداری میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے ...." راجو کی آنکھوں کی مخصوص چمک جاگ اٹھی۔

"شہزادے ...." شیرا نے اس بار میری طرف دیکھ کر بڑی محبت سے کہا "اگر تیرے دل میں کوئی حسرت باقی ہے تو پوری کر لے .... ابھی شکار مرا نہیں، دو چار رگڑے اور برداشت کر سکتا ہے۔"

میں نے جواب میں حقارت سے عظمت بیگ کے پھڑپھڑاتے وجود پر نظر ڈالی پھر شیرا کا ہاتھ تھام کر تہ خانے سے اوپر آ گیا۔ استاد نے اسے جو سزا دی تھی فی الحال وہی بہت کافی تھی!

شیرا سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، زندگی کے تنگ موڑ پر بس اتفاقاً وہ میرے راستے میں آ گیا تھا، ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے لیکن حالات نے ہمیں دو جان ایک قالب بنا دیا، اس نے مجھے صرف تحفظ نہیں فراہم نہیں کیا تھا، محبت اور شفقت سے نوازا تھا، باپ کی موت کے بعد میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں تھا لیکن شیرا اور اس کے رفقاء کے درمیان آ کر مجھے پورا خاندان میسر آ گیا تھا، وہ اپنوں سے بہتر تھے، اتنی جلدی تو اپنے بھی قربانیاں پیش نہیں کرتے، میں ان کا شکر گزار تھا، ان کے احسانوں کا بدلہ اتارنا میرے بس سے باہر تھا لیکن خان دلاور کی کہی ہوئی بات نے میرے بوجھ کو کچھ کم کر دیا تھا، اس نے جیل میں کہا تھا کہ دوستوں کا حساب دل میں ہوتا ہے جسے وقت آنے پر چکا کر دیا جاتا تھا۔

شیرا اور اس کے ساتھیوں کی نوازشیں بے شمار تھیں، راجو کی صورت صحیح معنوں میں ایک دوست مل گیا تھا وہ میرا ہم راز تھا، میرے چہرے سے دل کی گہرائیوں تک نقب لگانے لگا تھا، میرے کہے بغیر اس نے ڈاکٹر شبیر کو میرے رحم و کرم پر لا ڈالا تھا،

عظمت بیگ جیسے خطرناک اور سیاسی آدمی کو بھی اس نے میری خاطر ننگا کر دیا تھا، چوہدری نواز والی واردات میں بھی وہ میرے شانہ بشانہ رہا تھا، اتنی قربانیاں کون کسی کے لئے دیتا ہے؟ ساجد کریمی کے سلسلے میں بھی میری وجہ سے اسے اپنی آنکھیں لال پیلی کرنی پڑی تھیں لیکن شاید یہ سب اس لئے تھا کہ ہم دونوں ہی حالات کے ستائے ہوئے تھے، وہ بی اے (آنرز) کر چکا تھا اگر وقت کی گردش نے اسے بھی میری طرح اپنی لپیٹ میں نہ لیا ہوتا تو شاید وہ بھی کسی معزز سرکاری عہدے پر ہوتا لیکن اسے کوئی ملال نہیں تھا، اسے ہر ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کر لینے کا فن خوب آتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے تھے۔ وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھنا گویا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

عظمت بیگ کو شکار کر لینے کے بعد میرے سینے سے ایک اور بوجھ اتر گیا تھا، شیرا جہاندیدہ اور تجربہ کار تھا دنیا کے سرد و گرم سے واقف تھا، حالات کی بھٹی نے اسے آگ سے کھیلنے کے سارے گر سکھا دیئے تھے، قسمت نے اس کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا تھا لیکن وہ برا آدمی ہو کر بھی انصاف کرنے کا عادی تھا، اس نے عظمت بیگ کے ساتھ بھی جو انصاف کیا وہ مجھے پسند آیا تھا، اگر شیرا نہ ہوتا اور راجو نے اچانک مجھے وہ سرپرائز نہ دیا ہوتا تو شاید میں جنون کی حد سے گزر جاتا، عظمت بیگ کی دھجیاں اڑا ڈالتا، زمین کو اس کے بوجھ سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیتا مگر شیرا نے ایک تیر سے دو شکار کر کے اپنی دور اندیشی اور ذہانت کا ثبوت دیا تھا، انتقام کی آگ نے اس کے خون کو گرما دیا تھا لیکن اس نے خود کو سنبھال کر .... بہت سوچ سمجھ کر ایک مناسب فیصلہ کیا تھا، میں اگر عظمت بیگ کے ٹھکانے لگا دیتا تو میرے دامن پر خون کے دھبوں میں ایک اور اضافہ ہو جاتا لیکن شیرا نے صحیح معنوں میں ایک ناپا تلا قدم اٹھایا تھا، کاظم پاشا کے ورثا کو پچھتر لاکھ دلا کر اس نے بڑی حد تک ان کے غموں کا مداوا کر دیا تھا، اس کے علاوہ عظمت بیگ کو ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنانے کی خاطر اس نے کچھ ایسے مواد بھی جمع کرا لئے تھے جو ہمیشہ کام آ سکتے تھے۔

اس رات میں اپنی خوابگاہ میں بیٹھا راجو سے بات کر رہا تھا، وہ دلچسپی اور چٹخارے لے لے کر مجھے عظمت بیگ کی بے بسی کے قصے سنا رہا تھا، پچھتر لاکھ کی رقم کا

بندوبست کرتے ہوئے عظمت بیگ نے کسی حیل و حجت سے کام نہیں لیا تھا' اس کے ایک فون پر رقم کا انتظام ہو گیا تھا لیکن وہ شیرا کی دوسری ہدایت سے بچنے کے لئے بڑی دیر تک راجو کے آگے ہاتھ پاؤں جوڑتا رہا لیکن اپنی رہائی کی خاطر اس نے لنگوٹی کو بھی اتار پھینکا تھا جو اس کی ستر پوشی کا آخری اثاثہ تھی' راجو بڑی تفصیل سے مزے مزے لے کر سب کچھ بتا رہا تھا۔

"جانتے ہو برادر .... عظمت بیگ نے ایک لنگوٹی کی کیا قیمت لگائی تھی؟

"کیا ....؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"بولی ایک لاکھ سے شروع ہوئی تھی پھر بڑھتے بڑھتے دس لاکھ پر جا کر ختم ہو گئی ...." راجو نے پہلو بدل کر کہا "ختم کیا بلکہ ٹھپ ہو گئی اس لئے کہ میری زبان پر بس ایک ہی جواب تھا کہ میں استاد کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکتا۔"

"پھر کیا اس نے خوشی خوشی تصویریں اتروا لیں؟"

"مجھے کچھ زبردستی کرنی پڑی تھی لیکن اس کے بعد وہ چاروناچار آمادہ ہو گیا" راجو نے کہا پھر مسکرا کر بولا "کمرے میں میرے اور اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میں نے اس کے ایسے ایسے دھانسو پوز بنوائے تھے کہ بس رہے نام اسکی بے غیرتی اور بے حیائی کا۔"

"گویا اب وہ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہے؟"

"ہونا تو ایسا ہی چاہئے لیکن اس کی کمینگی سے کچھ بعید نہیں۔"

"کیا مطلب ....؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کل ہی پریس کانفرنس کر کے اپنی صفائی میں یہ بیان داغ دے کہ اپوزیشن والے اسے زبردستی اغوا کر کے لے گئے تھے اور اسے بلیک میل کرنے کے لئے اس کی الٹی سیدھی تصویریں بنائی گئی ہیں" راجو نے سنجیدگی سے کہا "سیاسی لوگ ایسے موقعوں پر اسی قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔"

"کیا وہ استاد سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا؟" میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ہو بھی سکتا ہے ...." راجو نے بڑے خوبصورت انداز میں شیرا کی برتری کا

اظہار کیا "موت کا وقت مقرر ہوتا ہے' کسی بہانے سے بھی آ سکتی ہے۔"

"چودھری نواز کے سلسلے میں کیا خبر ہے؟" میں نے موضوع بدلا۔

"میری ایک بات مانو گے برادر!"

"کیا؟"

"کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آتا اس لئے اس کے سلسلے میں پریشان ہو کر صحت برباد کرنے سے فائدہ؟"

"نازو نے مجھے اپنی کوٹھی کی طرف آنے سے منع کیا ہے" میں نے بات واضح کرنے کی کوشش کی "اس نے کہا تھا کہ چودھری نواز کے شکاری کتے ہر آنے جانے والے کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"اس نے غلط نہیں کہا برادر" راجو سنجیدگی سے بولا "میں بھی تمہیں فی الحال نازنین سے دور رہنے کا مشورہ دوں گا۔ چودھری نواز کا ٹکٹ کٹ جانے کے بعد اس کے بہت سارے گرگوں کے درمیان نازنین پر قبضہ جمانے کے سلسلے میں رسہ کشی جاری ہو گی' میری بات کا برا مت ماننا لیکن یہ حقیقت ہے کہ نازنین اس وقت لاکھوں اور کروڑوں میں کھیل رہی ہے' چودھری نواز اپنے کتوں کو ترسا ترسا کر محض زندہ رکھنے کی خاطر ہڈیاں ڈالتا رہتا تھا لیکن اب اس کا خطرہ ٹل گیا ہے اس لئے ہر کوئی اس کی جگہ اپنے نام کا سکہ جمانے کی کوشش کرے گا' ابھی کچھ دنوں تک وہ ساتھ مل کر قاتل کو تلاش کریں گے پھر آپس میں ایک دوسرے کو بھنبھوڑنے لگیں گے .... ہمیں دور دور رہ کر ہی تماشہ دیکھنا چاہئے۔"

"ایسی صورت میں تو نازو پر بھی کڑی پابندیاں ہوں گی ...."

"میں تمہارے دل کی کیفیت سمجھ رہا ہوں" راجو نے لمبی سانس لے کر کہا پھر توقف کے بولا "برادر .... کیا تم اب بھی نازو کو اپنانا چاہتے ہو ....؟"

"اس سوال کا جواب میں استاد کو بھی دے چکا ہوں لیکن شاید نازو آمادہ نہیں ہو گی۔"

"کیوں ....؟"

"شاید اس لئے کہ کچھ انسان نما درندوں نے اس کی پاکیزگی کو غلاظت میں لتھڑ

دیا ہے" میں دل مسوس کر بولا "وہ جہاں بھی جائے گی کوئی نہ کوئی شناسا اسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں اس کا ماضی یاد دلانے کی کوشش ضرور کرے گا' جانے کب .... کہاں .... اور کتنی انگلیاں اس پر اٹھتی رہیں گی' اسے اندیشہ ہے کہ وہ شاید اپنے ماضی سے کٹ کر سکون کا سانس نہیں لے سکے گی اور .... شاید خود اس کے ضمیر کی پاکیزگی بھی اسے ہمیشہ خوفزدہ کرتی رہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ استاد کی کسی بات سے انکار نہیں کرے گی ...."

"ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ وہ زندہ رہے" میری آواز بھرا گئی۔

"میں سمجھا نہیں برادر ....؟" راجو نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"جب بے بسی کا احساس اور ماحول کی گھٹن حد سے زیادہ بڑھ جائے تو انسان کے پاس ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے .... خودکشی کا راستہ ...." میں نے ایک امکانی خدشے کا اظہار کیا "ممکن ہے وہ استاد سے کھل کر انکار نہ کر سکے لیکن اپنی ذات پر تو اسے پورا پورا اختیار ہے .... وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"پھر .... تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں کوشش کروں گا کہ استاد کو اس معاملے سے اس وقت تک دور رکھوں گا جب تک میں ایک بار براہ راست نازو سے کھل کر تفصیلی بات نہ کر لوں ...."

"میں بھی تم کو یہی مشورہ دوں گا .... لیکن کچھ دن صبر سے کام لو" راجو نے نصیحت کی "ابھی چودھری نواز اور عظمت بیگ کی وجہ سے گرم ہوا چل رہی ہے .... معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ جائے تو دیکھا جائے گا۔"

"ساجد کریمی تو دوبارہ نہیں آیا تھا ....؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"نہیں ...." راجو نے مسکرا کر کہا "استاد کی موجودگی میں وہ ہمارے اڈوں کے قریب بھی پھٹکنے کی حماقت نہیں کرتا البتہ کسی وفادار چوکیدار کی طرح چوکس ضرور رہتا ہے اور خطروں کی مخبری کرتا رہتا ہے۔"

"کیا تم نے پچھتّر لاکھ کی رقم کاظم پاشا کے ورثا تک پہنچا دی ہے ....؟" میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ابھی نہیں .... لیکن ایک دو روز میں پہنچا دوں گا .... کیوں؟ کوئی خاص بات ہے؟"

"میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا ...." میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا پھر ایک سرد آہ بھر کر خلا میں گھورنے لگا۔

راجو کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہو گیا تو میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں' میرے ذہن کے پردوں پر پھر نازو کا تصور ابھرنے لگا۔

میرے دل میں نازو کے لئے اب بھی وہی پیار تھا جس نے بچپن میں انگڑائی لی تھی' پرپیچ راستوں کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر میں اسے وقتی طور پر فراموش کر بیٹھا تھا لیکن دوبارہ وہ جن چونکا دینے والے حالات میں سامنے آئی تھی اس نے میرے دل میں اس کی محبت کو کسی تناور درخت کی مانند اور مضبوط کر دیا تھا' وہ شاید مجھے پا لینے کی حسرت میں ہی زندگی سے جنگ کر رہی تھی' شاید وہ مجھے باور کرنا چاہتی تھی کہ معصوم پودوں کی دیکھ بھال میں ایک ذرا کوتاہی کی جائے تو اس کی ہریالی کو کیڑے کھا جاتے ہیں' اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا' میری غیر موجودگی نے اسے بے سہارا کر دیا تھا پھر وہ چودھری نواز اور اس کے غنڈوں کے ہاتھوں درندگی کا شکار ہو کر گھر سے نکل کر بازار تک آ گئی' اس کی آنکھوں میں یقیناً میری تصویر کا ایک ایک نقش محفوظ رہا ہو گا' ہو سکتا ہے کسی بھی نئے مہمان کی آمد پر اس کا دل میرے گمان پر دھڑک اٹھتا ہو پھر مایوسی اس کی امید کا گلا گھونٹ دیتی ہو' لیکن وہ مایوس نہیں ہوئی تھی' اسے اپنی محبت پر اعتماد تھا' اپنے دل کی معصوم دھڑکنوں کو اس نے سمیٹ سمیٹ کر رکھا تھا' وہ اعتماد کے سہارے ساعتوں کا شمار کرتی رہی پھر جب میں اس کے سامنے گیا تو اس نے مجھے شناخت کرنے میں غلطی کا مظاہرہ نہیں کیا .... میں نے اس اچانک ملاقات میں اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے دھنک رنگ دیکھے تھے مگر پھر وہ مجھ سے کترانے .... مجھ سے دور رہنے کے حیلے بہانے تلاش کرنے لگی .... شاید وہ میری محبت کا امتحان لے رہی تھی .... یا وہ مجھے اس سیاہی میں شریک نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس کے معصوم چہرے پر مل دی گئی تھی' وہ مجھے اس غلاظت کی دلدل سے دور رکھنا

چاہتی تھی جس میں اسے زبردستی گلے گلے تک اتارا گیا تھا!

میں نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند میری آنکھوں سے روٹھ گئی تھی' تا دیر نازو کے بارے میں سوچتا رہا پھر نازو کے ساتھ ماضی کی تلخ و شیریں یادیں بھی گھل مل گئیں' میرے اوپر ابھی کئی قرض باقی تھے' بوڑھے باپ کی موت کا قرض .... وہ ایک محنت کش مزدور تھا لیکن مجھے ڈاکٹر بنانے کے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا.......... ان خوابوں کی کرچیاں اسے لہولہان کر گئیں' مجھے کسی بڑے ہسپتال میں مریضوں کی تیمارداری میں مصروف دیکھنے کے بجائے اس نے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھا تو اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکا .... مجھے نازو کی پاکیزگی پامال کرنے والوں کا بھی قرض اتارنا تھا جس کی پہلی قسط میں چودھری نواز کے قتل کی صورت میں ادا کر چکا تھا لیکن اس کے ساتھی ابھی زندہ تھے جو بقول راجو کے نازو کو منقولہ جائیداد سمجھ کر ہڑپ کرنے کی خاطر داؤ پیچ شروع کر چکے تھے' مجھ پر ابھی انسپکٹر کریمی کا قرض بھی واجب تھا' میری فہرست میں سب سے پہلا نام اسی کا تھا' اس نے اگر انصاف سے کام لیا ہوتا تو مجھے پرنسپل کی ضمانت پر چھوڑ سکتا تھا لیکن اس نے دیدہ و دانستہ ایسا نہیں کیا' وہ کسی طرح میری زبان سے کاظم پاشا کا نام اگلوا کر اسے بے گناہ پھانسنے کے چکر میں تھا' اس کے علاوہ کچھ چھوٹے موٹے حساب اور بھی تھے جنہیں میں اپنے ناتواں کندھوں سے اتار پھینکنا چاہتا تھا' ڈاکٹر شبیر کے نام کو میں نے وقتی طور پر اپنی فہرست سے خارج کر دیا تھا' وہ محض اتفاقاً" مجھ سے ٹکرا گیا تھا پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میری قسمت میں پہلے سے رقم کر دیا گیا تھا۔

میں کس وقت غنودگی کی سرحدوں کو عبور کر کے نیند کی آغوش میں داخل ہوا مجھے کچھ یاد نہیں مگر میں زیادہ دیر تک سکون کی نیند نہیں سو سکا' کسی نے میرے کانوں میں سرگوشی کی تھی:

"شیرا کی زندگی خطرے میں ہے.........."

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا "شیرا تو بذات خود ایک خطرے کا نام ہے' اسے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟"

"یہ بحث کا وقت نہیں ہے ...." ٹھوس آواز میں جواب ملا "وہ تمہارا محسن

ہے' اس نے تمہیں پناہ دی ہے۔"

"ہاں .... میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا لیکن ...."

"وقت مت ضائع کرو" میرا جملہ درمیان سے اچک لیا گیا "میری بات غور سے سنو' شیرا جس کمرے میں سو رہا ہے اس سے ملحق ایک چھوٹا سا باغ ہے' اس باغ میں پہنچ کر مولسری کے درخت کی جڑوں میں کھدائی کرو پھر جو کچھ ملے اسے اللہ کا نام لے کر آگ لگا دو لیکن خبردار .... اس کا علم کسی اور کو نہ ہو ورنہ حالات مخدوش ہو جائیں گے۔"

"تمہیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں ....؟"

میں نے سنجیدگی سے سوال کیا لیکن پھر کسی نے میرا ہاتھ تھام کر جھنجھوڑا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' کمرے میں میرے سوا کوئی اور نہیں تھا' نائٹ بلب کی روشنی میں دروازہ بھی اندر سے بند نظر آ رہا تھا' شاید جو کچھ میں نے سنا وہ میرا وہم تھا' میں نے دوبارہ سونے کی کوشش کی لیکن دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز نے مجھے چونکا دیا' میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو راجو مجھے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے برادر' تم ٹھیک تو ہو ....؟" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے پوچھا۔

"مجھے کیا ہوا ....؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ابھی تم مجھے زور زور سے آواز دے رہے تھے" راجو نے کہا "ہو سکتا کوئی خواب دیکھا ہو ...."

"خواب ...." میں نے چونک کر راجو کی سمت دیکھا پھر نہ جانے کیوں میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' میرے ذہن میں وہ جملے گونجنے لگے جو میں نے بہت واضح طور پر سنے تھے۔

"مجھے بتاؤ برادر .... تم کس بات سے پریشان ہو ....؟"

"مجھے فوری طور پر شیرا سے ملنا ہے" میں نے راجو سے کہا "وہ اس وقت کہاں ہو گا ....؟"

"استاد دوسرے اڈے پر ہے لیکن تم اتنی رات گئے ....؟" راجو نے میری

کیفیت کا اثر لیتے ہوئے پوچھا "کیا تم نے کوئی ...."

"دیر مت کرو راجو ...." میں اس کی بات کاٹ کر بولا "جتنی جلدی ممکن ہو مجھے شیرا کے پاس پہنچا دو ...."

راجو نے ایک لمحے کو مجھے عجیب نظروں سے دیکھا' شاید اس وقت اسے میری ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا تھا لیکن اس نے میری بات ماننے سے انکار نہیں کیا .... اس وقت رات کے تقریباً" ڈیڑھ بجے تھے جب ہم دارالاسلام سے روانہ ہوئے' گاڑی راجو چلا رہا تھا' میں اس کے برابر بیٹھا بڑی سنجیدگی سے پیدا ہونے والی پچویشن کے بارے میں سوچ رہا تھا' سوتے میں مے کانوں میں جو آواز گونجی تھی وہ میرا وہم بھی ہو سکتی تھی' ممکن ہے کہ میرے لاشعور میں جو خطرات اور خیالات موجود تھے انہوں نے آپس میں گڈ مڈ ہو کر ایک نئی صورت اختیار کر لی ہو' جیل سے رہا ہونے کے بعد میں نے جو اقدامات کیے تھے وہ شیرا کے بل بوتے پر کیے تھے' اس بات کا علم کم از کم شیرا کے خاص خاص کار...ں کو ضرور تھا' اس کے علاوہ شیرا کی واپسی پر ہونے والے جشن میں بھی وہ میری حیثیت کا اندازہ لگا چکے تھے' شیرا نے اپنے خاص آدمیوں کی موجودگی میں مجھے اپنا دوسرا ہاتھ قرار دیا تھا' ہو سکتا ہے یہ بات کسی کے ذہن پر گراں گزری ہو اور حسد کی آگ نے اسے براہ راست شیرا کا دشمن بنا دیا ہو۔

"براور ...." راجو کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا' وہ مجھ سے بڑے خلوص سے کہہ رہا تھا "کیا تم مجھے اپنے دل کی بات سے آگاہ نہیں کرو گے؟"

"مجھے غلط مت سمجھو راجو ...." میں نے بڑی صاف گوئی سے کہا "ابھی کچھ باتیں ایسی ہیں جو خود میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہیں ورنہ تم جانتے ہو کہ میں نے نازو کے بارے میں بھی تم سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس وقت استاد سے ملاقات کرنے کا خیال تمہیں اچانک کس طرح آ گیا؟" راجو نے مجھے کریدنے کی کوشش کی "کیا تمہارے ذہن میں کوئی خطرہ کلبلا رہا ہے؟"

"ہاں ...." میں نے کچھ سوچ کر کہا "مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے استاد کی زندگی کو کوئی خطرہ پیش آنے والا ہے۔"

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا ...." راجو نے اس بار لاپرواہی کا مظاہرہ کیا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا "استاد ہمیشہ خود کو خدا کے سپرد کر کے گہری نیند سونے کا عادی ہے لیکن اس کے کچھ جاں نثار ایسے بھی ہیں جو رات بھر جاگ کر اس کی نگرانی کرتے ہیں اور اس وقت بستر پر جاتے ہیں جب استاد بیدار ہو جاتا ہے۔"

"ان ہی جاں نثاروں میں سے کوئی ایک دشمن بھی بن سکتا ہے ...."

"براور ...."

"وقت کو کروٹ بدلتے دیر نہیں لگتی" میں نے اس بولنے کا موقع نہیں دیا "اقتدار کی ہوس کبھی کبھی انسان کو اندھا کر دیتی ہے' رقابت کی آگ بھڑک اٹھے تو پھر خون کے چھینٹے ہی اسے سرد کرتے ہیں' زر' زن' اور زمین کے جھگڑے ازل سے جاری ہیں اور ابد تک قائم رہیں گے' دولت کے حصول کی خاطر بڑے بڑے زاہد اور عابد بھی قدرت کے امتحان میں ڈگمگا جاتے ہیں' ہم اور تم بھلا کس قطار شمار میں ہیں ...."

"اتنی باتیں میں بھی سمجھ لیتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ شاید ...."

"نہیں راجو ...." میں نے تیزی سے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا "مجھ پر کسی قسم کا شبہ مت کرو' تم میرے محسن بھی ہو اور دوست بھی' میں تم سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں لیکن اس وقت میں جس سمت قدم اٹھا رہا ہوں مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ اس راستے کا اختتام کہاں ہوگا ...."

"استاد کی بات نہ ہوتی براور تو میں تم کو مجبور نہ کرتا .... بہر حال تمہاری مرضی۔"

راجو کے لہجے میں شکوہ تھا' میں نے کچھ سوچ کر اسے خواب کی کیفیت سے آگاہ کیا تو وہ بھی چونک اٹھا۔

"یہ محض خواب نہیں ہو سکتا براور .... ایک وقت میں تم کو کسی خطرے سے آگاہ کیا گیا اور ٹھیک اسی وقت مجھے بھی تمہاری آواز نے بیدار کر دیا" راجو نے گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا "اگر یہ سب کچھ سچ ثابت ہوا تو ہمیں دو آدمیوں کو

تلاش کرنا ہوگا .... پہلے نمبر پر آستین کے اس سانپ کو جو نمک حرامی کا ثبوت دے رہا ہے اور دوسرے نمبر پر اس ولدالحرام کو جو استاد کی دشمنی پر کمربستہ ہوا ہے۔"

"لیکن ان دونوں صورتوں میں ہمیں اپنی زبان سختی سے بند رکھنی پڑے گی" میں نے راجو کو ذہن نشین کرانے کی خاطر کہا "اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے کہ ہم اپنی زبان کسی قیمت پر کسی سامنے نہ کھولیں ورنہ استاد کی زندگی کو درپیش خطرے اور بڑھ سکتے ہیں۔"

"میری طرف سے مطمئن رہو برادر ...." راجو نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا "جسم سے خون کا آخری قطرہ نکلتے وقت بھی میری زبان تالو ہی سے چپکی رہے گی۔"

ہمیں شیرا کے دوسرے اڈے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی' جو افراد رات کے پہرے پر تھے انہیں اس وقت ہمیں دیکھ کر تعجب ہی ہوا لیکن راجو نے انہیں وہ راجو کی حیثیت سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے زیادہ باز پرس نہیں کی لیکن میں ان کی آنکھوں میں تجسس محسوس کر رہا تھا۔ راجو نے ان کو یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ وہ استاد سے کوئی اہم بات کرنا چاہتا ہے لیکن استاد کے بیدار ہونے کے بعد۔

ہم دونوں پہرہ داروں کو مطمئن کرنے کے بعد اس مختصر باغ میں آ گئے جس سے ملحق کمرے میں شیرا محو خواب تھا' راجو کو چونکہ خواب کی اصلیت معلوم ہو چکی تھی اس لئے اس نے اڈے سے کچھ دور پہلے ہی گاڑی روک کر ڈگی سے ٹائر کھولنے والی چھینی نکال کر لباس میں اڑس لی تھی' خاصی دیر تک ہم مولسری کے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھے سرگوشیاں کرتے رہے پھر جب راجو کو یقین ہو گیا کہ کوئی ہماری نگرانی نہیں کر رہا ہے تو اس نے شلوار کے نیفے اور پیٹ کے درمیان اڑسی ہوئی چھینی نکال کر آہستہ آہستہ زمین کی کھدائی شروع کر دی' میں نے اسے اس طرح کور (COVER) کر رکھا تھا کہ اگر کسی کی نگاہ اتفاقاً ہمارے اوپر پڑ بھی جاتی تو وہ یہ نہ سمجھ سکتا کہ راجو کیا کر رہا ہے۔

میرا دل دھڑک رہا تھا' شاید راجو کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہ رہی ہو "اگر خواب کی باتیں محض میرے اپنے پریشان ذہن کی اختراع ثابت ہوئیں تو مجھے خاصی

شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا ...." میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا ہی تھا کہ راجو کی سرسراتی آواز میرے کانوں میں گونجی:

"برادر .... یہ تو کوئی کپڑے کی گڑیا ہے ...."

میں نے تیزی سے پلٹ کر اس شے کو اٹھا لیا جو کھدی ہوئی مٹی کے درمیان نظر آ رہی تھی' وہ ایک مختصر سا پتلا تھا جس میں بیشمار سوئیاں پیوست تھیں' راجو نے جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر پتلے پر روشنی ڈالی تو دانت پیس کر بولا:

"برادر .... یہ تو سفلی (جادو) کا عمل ہے جس میں خبیث ارواح سے مدد لی جاتی ہے ...."

میں نے راجو کو اشارے سے خاموش رہنے کو کہا پھر خواب میں ملنے والے اشارے کے عین مطابق جیب سے ماچس نکال کر بسم اللہ پڑھی اور پتلے کو جلا کر راکھ کر دیا' راجو نے راکھ کو مٹی میں ملا کر زمین کو دوبارہ اس طرح ہموار کر دیا کہ وہاں کھدائی کا گمان کم سے کم ہو' اپنے کام سے فارغ ہو کر ہم نے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا' درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے۔

"یہ سب نیلی چھتری والے کی مہربانی ہے" راجو نے مدھم آواز میں کہا "اس نے تمہیں وسیلہ بنا کر استاد کی جان بخش دی لیکن یہ کس خنزیر کا کام ہو سکتا ہے؟"

"ہم ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے مگر ایک بات طے ہے' یہ گندا عمل جس نے بھی کیا ہے وہ استاد کا دوست نہیں ہو سکتا" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر کچھ سوچ کر بولا "استاد کے بیدار ہونے کے بعد ہم اس وقت یہاں اپنی آمد کیا بہانہ پیش کریں گے؟"

"کسی نے تمہیں فون پر دھمکی دی ہے کہ نازنین کے راستے سے ہٹ کر اس شہر کو خیرباد کہہ دو" راجو نے بائیں آنکھ جھپکاتے ہوئے کہا "ہم یہاں اسی سلسلے میں استاد سے مشورہ کرنے آئے ہیں ...."

"لیکن ...."

"سمجھنے کی کوشش کرو برادر ...." راجو نے تیزی سے کہا "اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے' ہمارے یہاں آنے کا بہانہ بھی بن جائے گا اور اگر استاد

نے تمہارے حق میں جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا تو ہم اور ہمارے ساتھی چودھری نواز کے باقی گرگوں کو بھی چن چن کر شمشان گھاٹ پہنچانے کا بندوبست شروع کر دیں گے ....“

میں نے تھوڑی سی ترمیم کے بعد راجو کی تجویز مان لی پھر یہ سوچنے لگا کہ اللہ کا وہ نیک بندہ کون تھا جس نے بروقت شیرا کی جان بچانے کی خاطر مجھے سوتے میں اشارہ دیا تھا؟

شیرا سے ہماری ملاقات ناشتے کے بعد ہی ممکن ہوئی‘ راجو کے مشورے کے مطابق میں نے فرضی دھمکی کا ذکر کیا تو شیرا نے مجھے غور سے دیکھا‘ اس کے چہرے کی کیفیت سے دل کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا‘ راجو نے بھی میرے بیان میں مرچ مصالحہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

”پھر.......... تم نے کیا سوچا ہے ....؟“ شیرا نے مجھ سے دریافت کیا۔

”میں تم سے مشورہ لینے کی خاطر ہی حاضر ہوا تھا“ میں نے پہلو بدل کر کہا ”میں حالات سے خوف زدہ نہیں ہوں لیکن ....“

”لیکن کیا ....“ شیرا نے بدستور سپاٹ لہجے میں پوچھا

”تم نے مجھے جو سہارا دیا ہے میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ہے مگر میری وجہ سے تم کو اور تمہارے آدمیوں کو کوئی پریشانی لاحق ہو‘ یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا“ میں نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا ”چودھری نواز کے گرگے مجھے نازو تک آسانی سے نہیں پہنچنے دیں گے‘ قدم قدم پر میرا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش کریں گے‘ وہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں‘ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک مجھے موت کے گھاٹ نہیں اتار دیں گے۔“

شیرا میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتا رہا‘ اس نے جیل خانے میں ہاتھ ملا کر مجھے اپنایا تھا‘ مجھے جینے کے گر سکھائے تھے خان دلاور کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنا ایک بازو قرار دیا تھا‘ شاید میری بات سے اسے دکھ پہنچ رہا تھا لیکن وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس لئے خاموشی سے میری دلیلیں سن رہا تھا پھر اس نے کچھ توقف کے بعد راجو کو کسی کام سے باہر بھیج دیا۔

”اب بول شہزادے .... کیا کہہ رہا تھا تو ....“ شیرا نے طویل سانس لے کر مجھے مخاطب کیا ”کون دھمکیاں دے رہا ہے تجھے؟“

”اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا استاد ....“ میں نے دبی زبان میں کہا۔

”بتایا ہوتا تو بھی تجھے یاد نہ ہوتا ....“ شیرا معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔

”کیا مطلب ....؟“ میں نے شیرا کو تعجب سے دیکھا‘ اس کی مسکراہٹ کا مطلب میری سمجھ سے بالا تر تھا۔

”اس لئے کہ اس کا کوئی نام نہیں ہے .... کوئی صورت کوئی شکل نہیں ہے‘ بس ایک آواز ہے جو دارالسلام کی اس خواب گاہ میں سنائی دیتی ہے جو میرے لئے مخصوص ہے ....“ شیرا نے وجد کی کیفیت میں جھومتے ہوئے کہا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا ”شیرا اپنے جسم پر کئی آنکھیں اور بہت سارے کان رکھتا ہے‘ میرے چاہنے والوں کا شمار انگلیوں پر نہیں کیا جاسکتا۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں استاد ....“ میں نے معصوم بننے کی کوشش کی تو شیرا مسکرا کر بولا۔

”دھمکی والے بہانے کا مشورہ تجھے راجو نے دیا ہو گا ....؟“ وہ بڑی اپنائیت سے دوستوں کے انداز میں بولا ”بہت محبت کرنے لگا ہے تم سے شاید اسی لئے چودھری نواز کے ساتھیوں کا شکار کھیل کر میدان تمہارے لئے صاف کرنا چاہتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ بھول جاتا ہے کہ استاد بہرحال استاد ہی ہوتا ہے۔“

میں نے شیرا کی بات کا جواب نہیں دیا‘ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ جو بات ہم اس سے چھپانا چاہتے ہیں۔ وہ جان چکا ہے۔ اس نے دارالسلام کی خواب گاہ والی آواز کا حوالہ بھی دیا تھا۔ مطلب صاف تھا کہ وہ بھی کبھی اس پراسرار آواز کو سن چکا ہے۔

”مجھے بتاؤ شہزادے ....“ اس نے دبی زبان میں پوچھا ”تم یہاں کس مقصد سے آئے تھے اور مولسری کے درخت کی جڑ کی کھدائی کا کیا راز تھا ....؟“

مجھے جھرجھری آگئی‘ میں نے بڑی صاف گوئی سے سب کچھ اگل دیا۔

”بات میری ذات کی ہے اس لئے میں ہونٹ سی لوں گا لیکن تم اور راجو بھی

اپنی زبانیں بند رکھنا۔ یہ سب اوپر والے کے بھید ہیں وہی بہتر جانتا ہے ...." شیرا نے بڑی عقیدت سے کہا "اس سے پہلے بھی ایک دوبار اسی آواز نے میری زندگی بچائی تھی' ایک بار تو میں موت کے کنویں میں چھلانگ مار چکا تھا جب اس نے میری رہنمائی کی تھی ...."

"وہ کس کی آواز ہو سکتی ہے ....؟" میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

"راجو نے تمہیں بتایا ہو گا کہ کبھی دارالاسلام کی جگہ ایک دینی مدرسہ ہوا کرتا تھا جہاں میرا باپ بچوں کو خدا اور رسولؐ کے بارے میں اچھی اچھی باتیں بتایا کرتا تھا' اب بھی ہر ہفتہ وہاں اجتماع ہوتا ہے' جانے کون کون کس کس بھیس میں آتا ہے" شیرا نے جھومتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ ان ہی برگزیدہ بندوں میں سے کسی کو میری کوئی ادا پسند آگئی ہو ...."

راجو کے آجانے کے بعد شیرا نے موضوع بدل دیا کچھ دیر خاموشی کے بعد بولا:

"نہیں شہزادے .... تم شیرا کے گروہ میں اپنی مرضی سے داخل ہوئے تھے لیکن اب تمہاری واپسی شیرا کی مرضی کے بغیر نہیں ہوگی .... جو لوگ تمہیں دھمکیاں دے رہے ہیں وہ کھل کر سامنے آنے کی جرات نہیں کریں گے۔"

"لیکن استاد" راجو بولا "وہ پشت سے چھپ کر بھی وار کر سکتے ہیں ...."

"تم فکر مت کرو .... میں جانتا ہوں کون کتنے پانی میں ہے" شیرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "چھوٹے موٹے کیڑوں کو ختم کرنے کی خاطر اسپرے سے بھی کام چل جاتا ہے .... تم جا کر عیش کرو' جو کچھ ہوا ہے اسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو .... اور ہاں" شیرا نے اپنے آخری جملے پر زور دے کر سنجیدگی سے کہا "اپنی زبان بند ہی رکھنا' کسی اور کو ان باتوں کی بھنک بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

چھیتر لاکھ کی رقم کاظم پاشا کے ورثا کو پہنچانے کے بعد میں راجو کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تو میری آنکھیں نمناک ہوگئیں' کاظم پاشا کے والد نے روپے لیتے وقت خاموشی سے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو جیسے میرے کلیجے میں کسی نیزے کی

انی اتر گئی ہو' اس کی آنکھوں میں نہ جانے کتنی حسرتیں تڑپ اٹھی تھیں' کتنے درد بیدار ہو گئے تھے' کتنی تمنائیں مچل کر دم توڑ گئی تھیں' ماضی کی یادوں نے یقیناً اس کے دل پر اولاد کی جدائی کی برچھیاں چلائی ہوں گی' وہ دل مسوس کر رہ گیا ہوگا .... حالات نے مجبوراً" اسے وہ رقم قبول کر لینے پر آمادہ کیا ہو گا ورنہ اولاد کی موت کی قیمت کون لگا سکتا ہے .... ہفت اقلیم کی دولت بھی زندگی کا نعم البدل تو نہیں سکتی تھی؟

راجو بھی اداس اور گم صم بیٹھا گاڑی چلاتا رہا پھر اس نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر کہا۔

"یہ عظمت بیگ بھی بڑی حرامی اور کتی شے ہے' گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا عادی ہے۔"

"راجو ...." میں نے چونک کر کہا "استاد کے ساتھ جو چکر شروع کیا گیا ہے اس کے بارے میں تمہارا خیال ہے؟"

"وہ بھی کسی ولد الحرام ...." راجو اپنا جملہ مکمل کرتے کرتے پلٹ کر مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا .... "برادر .... تمہاری بیٹری بھی اب پوری طرح چارج نظر آتی ہے .... ہو سکتا ہے تمہارا شبہ ٹھیک ہی ہو .... عظمت مذہب کی آڑ میں جو سیاسی دنگل کھیل رہا ہے اس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے .... پانی میں منہ ڈال کر دانت سے سکہ پکڑنے والا مکھی چوس چھیتر لاکھ کی رقم کا صدمہ آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"کیا استاد نے ان خطوط پر غور نہ کیا ہو گا؟"

"وہ سوچتا کم اور کر گزرنے کا زیادہ عادی ہے ...." راجو نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولا "برادر .... کیا تم نے وہ پچھلے والی بات استاد کو بتا دی تھی؟"

"نہیں ...." میں نے مصلحت سے جواب دیا "لیکن میرا اندازہ ہے کہ جو آواز میں نے سنی تھی وہ استاد بھی سن چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" راجو چونکا

"استاد نے یہی کہا تھا" میں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"تعجب ہے .... میں بھی دارالاسلام میں رہتا ہوں لیکن مجھے کوئی آواز نہیں سنائی تھی۔"

"پھر .... وہ کون تھا جس نے تمہیں آواز دے کر جگانے کی کوشش کی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ .... وہ سو فیصد تمہاری آواز تھی ...." راجو نے پورے اعتماد سے جواب دیا پھر بولا "ہو سکتا ہے کہ اپنے استاد پر کسی بزرگ کا سایہ ہو جو اسے خطروں سے آگاہ کر دیتا ہے ...."

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے پوسٹ آفس کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ راجو نے عقبی آئینے کی سمت نظر اٹھائی اس کے ہونٹوں پر بڑا زہریلا تبسم ابھر آیا۔

"کیا بات ہے ....؟" میں نے راجو سے پوچھا .... "کوئی خطرہ؟"

"ہو بھی سکتا ہے ...." وہ لاپرواہی سے بولا "ایک سفید رنگ کی شراڈ بڑی دیر سے دم چھلا بنی ہوئی ہے۔"

جواب میں میں نے کچھ کہنے کے بجائے پلٹ کر پشت کی جانب دیکھا' راجو کا خیال غلط نہیں تھا' سفید رنگ کی شراڈ ایک محدود فاصلے سے ہمارے پیچھے آ رہی تھی' اس کی اگلی سیٹ پر دو آدمی موجود تھے' بظاہر وہ بد معاش اور دہشت گرد نظر نہیں آ رہے تھے لیکن اس خیال کو میں نے فوراً ہی اپنے ذہن سے جھٹک کر نکال دیا' سائنس اور زمانے کے ساتھ ساتھ ہر شے ترقی کرتی جا رہی تھی' پہلے بد معاشوں کے حلیے دور سے پہچان لئے جاتے تھے' ان کا ایک مخصوص اسٹائل از خود ان کی نشاندہی کر دیتا تھا لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ دہشت گردوں اور بدمعاشوں نے بھی اپنے میدان میں خاصی ترقی کر لی تھی' اب وہ گلے میں سرخ رومال باندھ کر اور بالوں کو پھیلا کر ان میں چھلے بنا کر اپنی داداگیری کا اعلان نہیں کرتے تھے' اب وہ بڑی بڑی قیمتی گاڑیوں میں ایک سے ایک اعلیٰ اور قیمتی سوٹ میں نظر آنے لگے تھے' بظاہر وہ انتہائی شریف اور معصوم نظر آتے تھے' چال ڈھال اور چہرے سے بھی شرافت ٹپکتی تھی لیکن جب وہ بھرے مجمع میں اچانک کلاشنکوف یا کسی اور جدید قسم کی خود کار رائفل سے بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر گولیاں چلاتے تھے تو ان کے چہرے بڑے

مکروہ نظر آنے لگتے تھے .... دولت اور فیشن کی بہتات نے انسان کے تشخص کو اس قدر مسخ کر دیا تھا کہ سیاہ و سفید کی تمیز مشکل ہو گئی تھی۔

راجو نے جان بوجھ کر دو چار موڑ کاٹے پھر کار کو ایک قدرے سنسان سڑک پر لے آیا' اب ہمارا شبہ یقین میں بدل چکا تھا' سفید شراڈ بدستور ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ عظمت بیگ ہی کے شکاری کتے ہوں گے" راجو نے سنجیدگی سے کہا "پچھتر لاکھ کی رقم اور مخصوص تصاویر کی وجہ سے اسے اگر کھجلی شروع ہو گئی ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے ...."

"تم بھول رہے ہو راجو کہ اس گاڑی میں میں بھی موجود ہوں ...."

"کیا مطلب ....؟"

"شراڈ میں چودھری نواز کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ممکن ہے ...." راجو نے لاپرواہی سے شانے اچکائے پھر بولا "اب ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں ...."

"وہ کیا ....؟" میں نے پوچھا۔

"نمبر ون یہ کہ ہم گاڑی روک کر ان لوگوں سے انتہائی مہذب انداز میں دریافت کریں کہ انہیں ہم میں سے کس کی ضرورت ہے .... جواب ملنے پر ان کا مطلوب بندہ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر موت سے پیشتر توبہ استغفار کر لے اور دوسرا بندہ خاموشی سے جان بچا کر سگنل توڑتا ہوا جان بچا کر بھاگ لے .... اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ان سے نام پتہ' ذات پات اور شجرۂ حسب و نسب پوچھے بغیر گولیوں کی زبان میں بیت بازی کا مقابلہ شروع کر دیں ...."

"تمہیں اس خطرے کے موقع پر بھی مذاق کی سوجھ رہی ہے ...."

"کیا مشورہ ہے برادر ....؟" اس بار راجو نے بیحد سنجیدگی سے پوچھا "فرائی کروں یا آملیٹ بنا کر چٹ کر جاؤں؟"

"کیا ہم ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے ....؟"

"پیچ پڑ جائے تو زیادہ ڈھیل دینے سے ڈور الجھ جاتی ہے۔ بلا وجہ کی کھینچا تانی کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک شراڈ کی اسپیڈ تیز کر دی گئی' سڑک کا وہ حصہ بالکل ویران تھا جس سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' راجو نے پہلے ہی اپنا امریکن کولٹ نکال کر گود میں رکھ لیا تھا' میں نے اس موقع پر بھی پنڈلیوں میں بندھا ایک خنجر کھول لیا۔ سفید شراڈ اور ہماری گاڑی کا فاصلہ بتدریج کم ہو رہا تھا۔

"اسٹیرنگ والا میرا شکار ہوگا" راجو نے بڑے اطمینان سے کہا "دوسرے پر تمہارے اختیار ہو گا ...."

راجو کی گرفت اسٹیرنگ پر اور نگاہیں بیک ویو مرر پر مرکوز تھیں' وہ بڑی خوبصورتی سے شراڈ کو راستہ دینے کی خاطر گاڑی ایک طرف کر رہا تھا لیکن پھر اس کے قریب آتے ہی اس نے حیرت انگیز طور پر نہایت پھرتی سے گولی چلائی اور شراڈ بل کھاتی لہراتی داہنی جانب کٹتی چلی گئی' راجو نے رفتار تیزی سے ہلکی کی اور میں دروازہ کھول کر نیچے رول کر گیا' شراڈ سے کودنے والا دوسرا شخص ہاتھ میں ریوالور لئے مجھ سے بمشکل دس گز کے فاصلے پر تھا' اس نے شراڈ کی آڑ لے رکھی تھی' صرف گردن اور چہرے کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا۔

میرے گاڑی سے رول ہوتے ہی اس نے یکے بعد دیگرے دو فائر جھونک مارے لیکن میں حیرت انگیز طور پر بچ گیا' راجو نے خطرناک چویشن محسوس کر کے امریکن امریکن کولٹ کو دوبارہ زحمت دینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے چیخ کر اسے منع کر دیا' میری آواز سن کر ریوالور والے کو راجو کا خیال آ گیا ہو گا۔ اس نے پوزیشن بدل کر راجو کو دیکھنے کی کوشش کی اور وہی ایک لمحہ میرے لئے بہت کافی تھا' میں نے پنجے جوڑ کر اپنے جسم کو کمان کی صورت میں تیزی سے اٹھایا اس کے ساتھ ہی میرا سیدھا ہاتھ پوری طرح ایکشن میں آ گیا جس میں خنجر موجود تھا' میں نے زاویہ دیکھ کر خنجر پھینکا جو لہراتا ہوا دشمن کے گلے میں جا کر پھنس گیا' اس کی کربناک چیخ اور میری زبان سے "استاد زندہ باد" کے لفظ ایک ہی ساتھ ادا ہوئے تھے' سڑک پر اس وقت بھی دور دور تک ٹریفک کا کوئی نام و نشان نہیں تھا اس لئے میں تیزی سے اٹھ کر گاڑی میں جا بیٹھا۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"ایک مشورہ دوں برادر ...." کچھ دور نکل جانے کے بعد راجو نے کہا "

سڑکوں اور بازاروں میں چاقو کا استعمال کم سے کم کیا کرو .... مقتول بچ جانے کی صورت میں زیادہ شور شرابا شروع کر دیتا ہے لیکن جو شخص گولی کا شکار ہوتا ہے اس غریب کو انگریزوں کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر تھینکس یو کہنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔"

ہم دونوں اسی قسم کی دلچسپ بات چیت کرتے شیرا کو صورت حال سے آگاہ کرنے کی خاطر دو نمبر کے اڈے پر پہنچے' یہ شیرا کے گروہ کا پرانا دستور تھا کہ واردات کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کی اطلاع شیرا کو دی جائے پھر اسی کے مشورے کے بعد آئندہ کے لئے لائحہ عمل اختیار کیا جائے گا۔

گاڑی کو پارکنگ لاٹ میں کھڑا کرنے کے بعد ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں کچھ افرا تفری سی محسوس ہو رہی تھی' ہم تیز تر قدم اٹھاتے اندرونی صحن میں پہنچے تو وہاں اڈے کے تقریباً" تمام ہی افراد موجود تھے' وہ گھیرے کی شکل میں کھڑے تھے' ان کے درمیان شیرا الگ نظر آ رہا تھا لیکن اس وقت ہم نے دور ہی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خوشگوار موڈ میں نہیں ہے۔

"کوئی خاص بات ....؟" راجو نے ایک ساتھی سے دریافت کیا۔

"ہاں .... آج ہم نے ایک کالی بھیڑ پکڑی ہے ...."

"کالی بھیڑ ....!" راجو چونکا "کس کی بات کر رہے ہو ....؟"

"بہادر کی" راجو کے ساتھی نے بتایا "جسے آج تک ہم بہادر سمجھتے رہے وہ تو ذات کا چمار نکلا۔"

"کیا مطلب ....؟"

خان دلاور ہمیں دیکھ کر قدم بڑھاتا آگے آ گیا' اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"بہادر کا کیا چکر ہے استاد ....؟" راجو نے خان دلاور سے دریافت کیا۔

"اس تخم خنزیر نے ہم سب کو یتیم کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن اپنے استاد کی دور بین نظروں نے اس حرامزادے کے پاجامے کے اندر کی اصلیت بھی بے نقاب کر دی ...."

"کیا بہادر مسلمان نہیں تھا ....؟" میں نے بھی تعجب کا اظہار کیا۔

"جہاں سو اچھے ہوتے ہیں وہاں ایک نمک حرام دشمن کی بھی گنجائش نکل آتی ہے" خان دلاور نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا "صورت شکل سے سالا مسلمان ہی نظر آتا تھا کلمہ اور درود بھی پڑھتا تھا لیکن آج انکشاف ہوا کہ وہ ذات کا چمار ہے' میرا بس چلے تو کھال کھینچ کر بھوسہ بھروا دوں اور کسی بھری پری سڑک کے بیچ چوراہے پر لٹکا دوں تاکہ قیامت تک اس کی ذات برادری والے رام رام ست ہے کا نعرہ لگاتے رہیں"

خان دلاور بھی غصے میں بھرا تھا اس لئے بات ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آئی' ہم بھیڑ بھاڑ سے گزر کر آگے پہنچے تو بہادر نامی شخص جو دو نمبر کے اڈے پر گزشتہ ایک سال سے ملازم تھا زمین پر چت پڑا بری طرح ہانپ رہا تھا' اس کے جسم کی حالت بتا رہی تھی کہ اڈے کے ہر شخص نے اس پر اپنا تھوڑا بہت غصہ اتارنے کی کوشش کی ہے' اس کے جسم کے کپڑے تار تار ہو رہے تھے' چہرے پر جگہ جگہ نیل پڑ چکے تھے۔ اڈے کے تمام کارندے وہاں موجود تھے' ان کی نگاہوں میں نفرت اور حقارت کے ساتھ ساتھ انتقام بھی موجود تھا لیکن وہ شیرا کی وجہ سے چپ تھے جو ایک جانب سینہ تانے خاموش کھڑا بہادر کو بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"مرنا پسند کرے گا ....؟" اچانک شیرا نے سفاک لہجے میں پوچھا۔

"نہیں .... نہیں ...." بہادر گڑگڑانے لگا "مجھے معاف کر دو .... میں وچن دیتا ہوں کہ دو روز کے اندر اندر تمہارا ملک چھوڑ کر اپنی منحوس شکل کو کہیں اور لے جاؤں گا۔"

"تجھے یہاں کس نے ملازمت دلائی تھی ....؟" شیرا نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"وہ .... وہ .... اب اس دنیا میں نہیں ہے" بہادر نے سہمے سہمے لہجے میں جواب دیا۔

"کس کا مال کھا رہا ہے ....؟"

"تمہارا استاد .... تم پا .... آ آ ...."

شیرا کی بھرپور لات اس کے پیٹ پر پڑی تو وہ بلبلاتا ہوا دہرا ہو گیا اس کی کربناک چیخیں بلند ہونے لگیں۔

"خاموش ...." شیرا نے گھرکی لگائی تو اس نے چپ ہونے کے ساتھ ساتھ ہاتھ جوڑ لئے' اب وہ زبان خاموش سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا' اس کی حالت شیرا کی ایک ہی ٹھوکر سے غیر ہو گئی تھی پھر شیرا کے حکم پر اسے ایک علیحدہ کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں میرے خان دلاور' راجو اور شیرا کے سوا کوئی اور نہیں تھا' باقی تمام افراد بدستور صحن میں جمع تھے۔

"اب بول نمک حرام ...." شیرا نے کرخت آواز میں پوچھا "مولسری کا درخت تجھے بہت پسند ہے نا ....؟"

"استاد .... مجھے معاف کر دو .... شما کردو .... بھول ہو گئی تھی مجھ سے .... اوغ ...."

شیرا نے دوسری ٹھوکر رسید کی تو بہادر کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلنے لگیں۔

"سیدھی طرح بکنا شروع کر دے .... اس کام کے تجھے کتنے دام ملے تھے؟"

"پورے پانچ ہزار .... پانچ ہزار ایک ہفتے بعد ملنے والے تھے ...."

"تیرے اس نانہجار باپ کا نام کیا ہے جس نے تجھے خریدا تھا ....؟"

"وہ .... وہ .... عظمت بیگ .... تھا" بہادر نے رک رک کر جواب دیا۔

"اس کے علاوہ وہ اس اڈے پر تو نے اور کیا کیا گل کھلائے ہیں ....؟" شیرا نے اسے بدستور تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اور کچھ بھی نہیں کیا استاد ...." بہادر ہاتھ باندھے باندھے گڑگڑایا "یہ میری پہلی بھول تھی۔"

"خان دلاور ...." شیرا نے خان دلاور کو مخاطب کر کے کہا "اس نے سچ بول کر ہم سے رحم کی درخواست کی ہے۔"

"کیا حکم ہے استاد ....؟"

"اسے خاموشی سے لے جا کر سمندر میں ساحل سے بہت دور چھوڑ آؤ" شیرا

حقارت سے بولا "یا تو یہ آبی جانوروں کی خوراک بن جائے گا یا پھر ہمیشہ کے لئے تہ میں بیٹھ جائے گا .... لیکن ایک بات کا خیال رہے، فی الحال اس کے بارے میں کسی باہر والے کو کان و کان خبر نہ ہو .... ہمارے لوگوں کو بھی سمجھا دینا ...."

"کیا عظمت بیگ نے ہمارے ساتھ پنگا لینے کی کوشش کی ہے؟" خان دلاور نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "اجازت ہو تو سمندر سے واپسی پر اسے بھی ...."

"نہیں، ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے ...." شیرا نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

خان دلاور کے جانے کے بعد شیرا نے بتایا کہ جیل سے واپسی کے بعد ہی سے وہ بہادر کی مشکوک حرکتوں کو خاص طور پر نوٹ کر رہا تھا پھر مولسری کی جڑ سے برآمد ہونے والے پتلے کے بارے میں اس نے جب استفسار کیا تو بہادر خوف سے تھر تھر کانپنے لگا، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری نظروں کے سامنے ہوا۔

راجو نے اڈے کے دوسرے ساتھیوں کو کسی بہانے سے مطمئن کر دیا تھا، اس کی غیر موجودگی میں شیرا نے مجھ سے کہا:

"شہزادے .... تم وہ دوسرے خوش نصیب ہو جس کو وہ پراسرار آواز سنائی دی ہے، اس کے علاوہ میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں، اگر تم نے اس بات کو محض خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوتا ...."

"تو شاید میں اپنے آپ کو کبھی بھی معاف نہ کر سکتا" میں نے جلدی سے جملہ مکمل کیا تو شیرا مسکرا دیا پھر سنجیدگی سے بولا:

"میں شاید ابھی تک پوری طرح تمہیں پہچان نہیں سکا۔"

"کیا مطلب ....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"تم کسی اور ہی راستے کے مسافر لگتے ہو ...." شیرا نے کہا "تم سے بچھڑ جانے کا مجھے دکھ ضرور ہو گا لیکن میں تمہیں زبردستی اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا .... اچھا ہو گا کہ تم انسانوں کی دنیا میں واپس لوٹ جاؤ۔"

"کیا یہ انسانوں کی دنیا نہیں ہے؟" میں نے شیرا سے سوال کیا۔

"نہیں ...." شیرا نے کچھ توقف سے کہا "حالات کے شکنجوں میں پھنسنے کے بعد اب ہمارے پاس زندہ رہنے کا بس ایک ہی راستہ رہ گیا ہے، قتل و غارت گری، لوٹ مار، اغواء برائے تاوان، دھماکے، دہشت گردی اور دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھنا .... تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم جس راستے پر چل پڑے ہیں اس پر واپسی ممکن نہیں .... آج ہمارے رنگ ڈھنگ دیکھ کر قانون نافذ کرنے والے بھی ہم سے دور ہی دور رہتے ہیں لیکن اگر ہم نے پٹڑی بدل لی تو کل یہی ہمیں حوالات میں بند کر کے ٹکٹکی پر ہنٹر برسانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے .... بازار کا بھاؤ ایک بار چڑھ جائے تو اترنے کا نام نہیں لیتا .... ہماری بھی ایسی ہی مثال ہے، ہم ایک بار شرافت کا لبادہ اتار چکے ہیں اب وہ لباس ہمیں راس نہیں آئے گا .... عجیب دستور ہے یہاں کا۔"

"تم نے مجھے سہارا دیا استاد .... تم نہ ہوتے تو میں نہ جانے کہاں کہاں راندہ درگاہ ہو رہا ہوتا .... میرے پاس تو سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا بھی نہیں تھا .... اب میں تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟"

"کیوں ...." شیرا مسکرایا "کیا نازنین کا خیال دل سے نکال دیا ہے؟"

"یہ ممکن نہیں ہے استاد ...." میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں شہزادے .... شباب اور رباب کی باتیں کرنے والے بارود کے کثیف دھوئیں میں سانس نہیں لے سکتے، محبت انسانیت ہے اور جنگ ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار، یہ اور بات ہے کہ حالات کبھی کبھی انسان کو ڈانواڈول کر دیتے ہیں، وہ ڈھلمل یقین ہونے لگتا ہے قدم ڈگمگانے لگیں تو فیصلہ کرنے میں ہمیشہ دشواریاں پیش آتی ہیں .... میں اسے انسان کی خود غرضی کہوں گا ...." شیرا نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا "مرد ہزار جگہ اپنی مرضی اور خوشی سے منہ مارتا پھرے اسے وہ اپنی مردانگی سے تعبیر کرتا ہے لیکن عورت اگر زبردستی کسی کی ہوس کا نشانہ بن جائے، طاقت کے بل پر اسے بے آبرو کر دیا جائے تو اس پر انگلیاں اٹھنی شروع ہو جاتی ہیں۔ معاشرے کی نگاہوں میں اس کا مقام نہیں رہتا، کوئی اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش نہیں کرتا، اپنی اپنی بدنامی اور رسوائی سے ڈرتے ہیں ....

لیکن میں انہیں مرد نہیں کہتا .... یہ نامرد ہوتے ہیں، ہیجڑے ہوتے ہیں۔ سینہ تان کر کسی کا سہارا بننے سے کتراتے ہیں .... کسی کی کمزوری اور مجبوری پر ترس کھانے کے بجائے معاشرے کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، میرا بس چلے تو ان کی انگلیوں کو جڑ سے کاٹ ڈالوں جو کسی مجبور عورت کی بے بسی پر اٹھتی ہیں، اس معاشرے کو تیل چھڑک کر آگ لگا دوں جو ایسی بے سہارا عورتوں کو پناہ دینے کے بجائے دامن سمیٹ لیتا ہے، شرفاء اسے ہمیشہ کے لئے گناہ کی دلدل میں دھکیل کر روز روشن میں اس کی بے غیرتی اور بے شرمی کا ڈنکا پیٹتے ہیں اور پھر رات کی تاریکی میں معاشرے اور سماج کے یہی ٹھیکدار ڈنکے کی چوٹ پر ان عورتوں کی آغوش میں اپنے اندر کالا واسرد کرنے کی خاطر بالا خانے پر جانے والے زینوں پر بلندی کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں ....

"آخ تھو .... لعنت ہے ان حرامزادوں پر ...."

شیرا اپنی روانی میں کہے جا رہا تھا پھر اس نے خاموش ہو کر مجھے عجیب نظروں سے دیکھا، دیکھتا رہا پھر بڑے پیار سے بولا:

"شہزادے .... نازنین مظلوم ہے .... میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے، میں جوہری نہیں ہوں لیکن ہیرے کی چمک خود اپنی شناخت کرا دیتی ہے .... اس نے اپنے ضمیر کو ابھی تک منفی شہرت کے شریف زادوں سے محفوظ رکھا ہے .... اس کی آنکھوں میں مجھے ہر بار ایک ہی منزل نظر آئی جہاں تک پہنچنے کی خاطر اس کی روح بے چین رہتی ہے .... وہ منزل تم ہو، ہاں شہزادے، اس نے ابھی تک تمہیں پانے کی خاطر خود کو زندہ رکھا ہے .... تم نے بھی اگر اسے سہارا نہ دیا تو وہ بکھر جائے گی .... پھر شاید کوئی اسے سمیٹ نہ سکے .... تم بھی نہیں۔"

"میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتا ہوں استاد لیکن وہ اپنے ماحول، اپنے حال اور اپنے ارد گرد گھات لگائے ہوئے ان لوگوں سے خوفزدہ ہے جو چودھری نواز کے بعد اس کی کمائی کے ٹھیکیدار بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"تجھے مجھ پر یقین ہے شہزادے ....؟" شیرا نے بڑی سنجیدگی سے میری

آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو استاد .... میں تمہیں اپنا محسن سمجھتا ہوں۔"

"پھر سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو ...."

"میں تیار ہوں استاد لیکن شاید نازو ...."

"اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو شہزادے .... زخم بھرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔"

شیرا مجھے حالات کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتا رہا، نازنین کے سلسلے میں کسی بزرگ کی طرح مجھے ہموار کرتا رہا، قانون کی نگاہوں میں وہ شہر کا سب سے بڑا بدمعاش تھا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر شیرا کو لوگ بدمعاش کہتے ہیں تو پھر شریف کسے کہتے ہیں ....؟ پھر راجو کے واپس آجانے سے گفتگو کا رخ بدل گیا، مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ عظمت بیگ نے بہادر کے ہاتھوں شیرا کی زندگی کو موت سے ہمکنار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا لیکن شیرا نے اس کے باوجود اپنے تمام کارندوں کو بڑی سختی سے تاکید کر دی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی عظمت بیگ سے الجھنے کی کوشش نہ کرے!

شیرا کی باتوں نے میرے جذبوں کو مہمیز کر دیا۔ سینے کے اندر برسوں سے دبی دبی چنگاریاں ہوا پا کر شعلہ بن گئیں شیرا نازو کا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں تھا۔ ایک اصول پسند انسان تھا جس نے بڑے جذباتی انداز میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ جیل کی آہنی سلاخوں سے باہر آتے وقت اس نے خاص طور پر مجھے دو نصیحتیں کی تھیں۔ لنگوٹ کا سختی سے خیال رکھنا اور کسی ایماندار اور شریف آدمی پر ہاتھ نہ اٹھانا' لیکن وہی شیرا اب مجھے نازو کو اپنا لینے کی تلقین کر رہا تھا۔ وہ نہ کہتا جب بھی میرے اندر نازو کو پالینے کی خواہش ہمیشہ جوان رہتی۔

اس بدنصیب پر جو گزری تھی اس میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا' دنیا کی کوئی بھی لڑکی پہلے پہل اپنے آپ کو خوشی خوشی کسی کے سامنے خوان نعمت بنا کر پیش نہیں کرتی ایک خوف' ایک خطرہ اور کچھ اندیشے لاحق ہوتے ہیں جو نا سمجھ ہونے کے باوجود اسے آگ اور پٹرول کے قرب سے بھڑکنے والے خطرناک شعلوں سے خوفزدہ کرتے رہتے ہیں۔ سہاگ رات میں بھی خدا اور رسولؐ کے حکم کی پیروی کے باوجود مرد و زن کے درمیان ایک حجاب مانع رہتا ہے' نازو تو پھر سمجھدار لڑکی تھی۔ ہمارا لڑکپن ایک ساتھ ہی گزرا تھا' جوانی کی سرحدوں میں پہلا قدم رکھتے ہی وہ مجھ سے بھی ہوشیار رہنے لگی تھی۔ میرے قریب ہونے کے باوجود اس نے کبھی مجھے اپنے جسم کو چھونے کی اجازت نہیں دی تھی .... پھر بھلا وہ چودھری نواز جیسے غنڈوں کو کیسے منہ لگا

سکتی تھی۔ اس پر یقیناً ظلم کے پہاڑ توڑے گئے ہوں گے۔ اس کی پاکیزگی کو پامال کرنے کی خاطر جبر و تشدد کا مظاہرہ کیا ہو گا۔ اسے بے عزت اور بے آبرو کرنے کی خاطر بوالہوسوں نے سختیاں کی ہوں گی۔ اس کی چیخ و پکار کو روکنے کی خاطر اس کے منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے ہوں گے۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے معصوم جانور کی مانند تڑپی ہو گی پھڑپھڑائی ہو گی لیکن بے بسی اس کا مقدر بن گئی ہو گی۔

وہ اب زندہ ضرور تھی لیکن شاید میرے انتظار میں۔ ایسا نہ ہوتا اور اگر اسے عیش و عشرت اور گناہ کی زندگی راس آ گئی ہوتی تو وہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دیتی' اشاروں کنایوں میں مجھے یہ احساس دلانے کی کوشش کبھی نہ کرتی کہ وقت نے میری نگاہوں کے زاویوں کو اتنا بدل دیا ہے کہ میں اپنی زندگی کو قریب دیکھ کر بھی انجان بنا بیٹھا تھا۔ میرے دل میں کوئی دھڑکن پیدا نہیں ہوئی تھی۔ محبت کے جذبوں میں ایک ہلکا سا ارتعاش بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ کرید کرید کر مجھے گرد آلود ماضی کی طرف اشارہ کر رہی تھی .... پھر اس نے میرے باپ کا نام لیا تو مجھے سب کچھ یاد آ گیا ....

میں نے حالات کے تانے بانے کھولے' حالات کا جائزہ لیا تو احساس ہوا کہ نازو نے صرف میرے انتظار میں زندگی کے کتنے کٹھن لمحے اذیتیں برداشت کر کے گزارے ہوں۔ میں اس کا مجرم تھا .... وہ بے گناہ تھی۔ معصوم تھی .... اس کے اندر کی پاکیزگی کو ابھی تک دنیا کی کوئی طاقت پامال نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے اپنے جرم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر چودھری نواز کی موت کا فیصلہ کیا۔ اس کے خون سے ہاتھ رنگنے تو نازو یکلخت محتاط ہو گئی۔ اس نے مجھے اپنے قریب آنے سے منع کر دیا تھا۔ اسے مجھ سے زیادہ گرد و پیش کا اندازہ تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس کی کوٹھی کے قریب جانے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤں۔ چودھری نواز کے گرگے قدم قدم پر گھات لگائے میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ موت سے بھاگ کر اب میں جا بھی کہاں سکتا تھا۔ میری موت تو اسی روز واقع ہو گئی تھی جب ساجد کریمی نے جان بوجھ کر مجھ بے گناہ کو حوالات میں بند کیا تھا۔ پھر میرے مجبور باپ کی موت نے میری روح کو لرزا دیا تھا۔ اس کے بعد جیل میں گزارے ہوئے شب و روز میرے مستقبل کی راہوں پر

تو انٹری (NO ENTRY) کا بورڈ بن گئے تھے۔ شیرا نے میرا ہاتھ نہ تھاما ہوتا تو شاید پولیس کے کارندے مجھے عادی مجرم بنانے میں کسی کاہلی کا ثبوت نہ دیتے۔ ساجد کریمی چیں پیش رہا لیکن شیرا کی پناہ نے ان کو مجھ سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں اپنی خواب گاہ میں بستر پر نیم دراز تصورات میں زندگی کی گزر گاہوں پر بھٹک رہا تھا۔ نازو نے مجھے شناخت کرنے کے بعد میرے دل میں دبی دبی چنگاریوں کو اپنی باتوں سے شعلہ بنا دیا تھا۔ شاید اس وقت وہ جذباتی بن گئی تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد اسے اس کا بچھڑا ہوا ساتھی ملا تو تمام مصلحتوں کو فراموش کر بیٹھی تھی لیکن بعد میں اسے احساس ہو گیا کہ مجھے اپنا کر شاید وہ خود غرضی کا مظاہرہ کرے گی۔ وہ جن راہوں پر مسکرانا سیکھ گئی تھی اس کے ہر سنگ میل پر گناہ آلود اور شرمناک داستانیں رقم تھیں۔ ان راہوں پر وہ مجھے اپنا ہم سفر بنا کر اپنی پاک محبت کو رسوا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میرے انتظار میں اس نے جو گھڑیاں گزاری تھیں مجھے اپنا لینے کے بعد ان مرحلوں کا مقصد فوت ہو جاتا .... یہ میری نہیں، نازو کی سوچ تھی۔ میں اسے دل کی دھڑکنوں میں چھپا کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن وہ کترا رہی تھی .... وہ مجھ سے صرف دوستی کا رشتہ قائم رکھنے کی خواہشمند تھی۔ دوسرے رشتوں کے حسین خوابوں کو اس نے اپنی مظلومیت کا ثمرہ سمجھ کر تھپک تھپک کر اپنے وجود کے نہاں خانوں میں سلا دیا تھا۔ وہ ان جذبوں کو بیدار کرنے سے خوف محسوس کر رہی تھی۔ شاید وہ خود کو میرے قابل نہیں سمجھ رہی تھی۔ ماضی کے دردناک تجربوں نے اسے اس قدر سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کے حصار کے اندر بند ہو کر رہ گئی تھی، باہر آنا شاید اس کے بس میں بھی نہیں تھا۔ قدم قدم اس کے شناسا موجود تھے۔ وہ بھاگ کر جاتی بھی تو کہاں؟

شیرا کی باتوں نے میرے دل میں محبت کی جو آگ بھڑکائی تھی اس کے شعلے کم ہونے کے بجائے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ میں نازو کے دل کی کیفیتوں سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ مجھے اب بھی دل و جان سے چاہتی تھی۔ میرے ایک اشارے پر اس نے عظمت بیگ کو ننگا کر دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے حال کو بھی عریاں کر کے مجھے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ مجھے کسی دھوکے، کسی

فریب میں نہیں رکھنا چاہتی تھی .... ایک میری محبت ہی تھی جس کی پاکیزگی کو کوئی داغدار نہیں کر سکا تھا .... پھر وہ خود اس کی بدنامی کا ذریعہ کس طرح بن سکتی تھی۔

میری وحشتوں میں اضافہ ہوا تو میں خوابگاہ سے نکل کر باہر آ گیا، راجو سامنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا کسی حساب کتاب میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھا تو تیزی سے سب کچھ چھوڑ کر میرے قریب آ گیا۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا۔ وہاں جو داستان رقم تھی اسے پڑھنے میں راجو کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی، اس نے ایک نظر اپنی دستی گھڑی پر ڈالی، اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"خیریت تو ہے برادر ....؟" اس نے دوبارہ مجھ پر نظر جما کر بڑی اپنائیت سے دریافت کیا "کیا نیند نہیں آ رہی؟"

"راجو ...." میں نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے چباتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اس وقت بڑی شدید گھٹن محسوس کر رہا ہوں۔ کچھ دیر کے لئے باہر جا کر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے .... میں بھی تمہارے ساتھ ...."

"نہیں ...." میں نے اسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا "مجھے اس وقت کسی کی رفاقت کی نہیں .... تنہائی کی ضرورت ہے۔"

"ہم دو کب ہیں برادر ....؟" راجو بڑے خلوص سے بولا۔

"مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے لیکن ...."

"جہاں دوستی ہوتی ہے وہاں شرم و لحاظ اور مصلحتیں نہیں ہوتیں۔" راجو نے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی۔ برادر میرا تکیہ کلام نہیں ہے میں نے دل کی گہرائیوں سے تمہیں بھائی کہا ہے .... بھائی سمجھا ہے۔"

"میں جانتا ہوں راجو مگر.........."

"پھر بھی اگر مگر سے کام لے رہے ہو۔" اس نے بڑی معصومیت سے شکوہ کیا "کیا مجھے اپنی خوشیوں میں شریک نہیں کرنا چاہتے؟"

"تمہارا اندازہ غلط ہے ...." میں نے دلی مسوس کر جواب دیا "میں اس

وقت خوش نہیں ہوں۔"

"مجھے مبارکباد نہیں دو گے ....؟" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"کس بات کی ....؟"

"میں نے تمہارے دل کا چور جو پکڑ لیا۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تم اس وقت اپنی نازو کے لئے سوچ رہے ہو .... کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ....؟"

"نہیں ...." میں نے مختصراً اعتراف کر لیا۔

"اسی سے ملنے جا رہے ہو ....؟" راجو نے گہری سنجیدگی اختیار کر لی۔

"ہاں .... لیکن تم اگر دوست ہو .... بھائی ہو تو اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے۔"

"نہیں کروں گا .... لیکن یہ اچانک تمہیں اتنی رات گئے وہاں جانے کا خیال کیسے آ گیا جبکہ نازنین تمہیں تمام خطروں سے آگاہ کر چکی ہے۔"

میں نے جواب میں اسے اپنے اور شیرا کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا' راجو خاموشی سے سنتا رہا' اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں ابھرے تھے۔ حالات نے اسے سرد و گرم کا عادی بنا دیا تھا۔ میں اپنی بات مکمل کر چکا تو وہ بولا۔

"میں تمہارے جذبوں کو سلام کرتا ہوں برادر .... تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی اپنے محبت کے قرض کو چکتا کرنے میں دیر نہ کرتا لیکن ایک سوال ابھی جواب طلب ہے ...."

"وہ کیا ....؟"

"اگر نازنین نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو ....؟"

"اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا "قبل از وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہو" راجو نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ "کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو عین وقت پر حالات کے مطابق کئے جاتے ہیں اور شاید وہی فیصلے درست ہوتے ہیں .... پھر بھی میری ایک بات کا خیال رکھنا۔ نازنین کو فی الحال

کسی بات کے لئے مجبور نہ کرنا ...."

"کیا مطلب ....؟"

"اسے سوچنے کے لئے کچھ وقت ضرور دینا" راجو نے مجھے سمجھایا "زخم بھرنے اور موسم تبدیل ہونے میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔ اس کے علاوہ میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ جلد بازی میں جن فیصلوں پر چھلانگ لگائی جاتی ہے وہ ہمیشہ پائیدار نہیں ہوتے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے لیکن دانشمندی یہی ہے کہ طیش میں آ کر مصلحتوں کو فراموش نہ کیا جائے۔"

"میں تمہاری باتوں کا خیال رکھوں گا ...."

میں کچھ دیر بعد پوری طرح تیار ہو کر دارالاسلام سے نکلا۔ راجو کے اصرار پر میں نے اپنے چہرے میں تھوڑی سی تبدیلی بھی کر لی تھی۔ شاید ان تبدیلیوں کی وجہ سے میرے دشمن مجھے آسانی سے شناخت نہ کر پاتے لیکن ایک بات طے تھی۔ اتنی رات گئے نازنین سے اس کے خلوت کدہ میں جا کر میں ان کے لئے تشویش کا سبب ضرور بن سکتا تھا۔

راجو نے مجھے جو کار دی تھی وہ عام استعمال میں نہیں رہتی تھی۔ اس کا کوئی ریکارڈ بھی کہیں محفوظ نہیں تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں بھی اس کے کوائف کسی کی نشاندہی نہیں کر سکتے تھے۔ راجو نے مختصراً مجھے بتا دیا تھا کہ وہ کار انتہائی اہم موقعوں پر سڑک پر لائی جاتی ہے۔

مجھے نازنین کی کوٹھی تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں نے مصلحتاً گاڑی کو کوٹھی سے دو بلاک پہلے ہی ایک بنگلے کی پشت پر چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سے نازنین کی کوٹھی کا سفر میں نے بڑے محتاط انداز میں پیدل ہی طے کیا۔ اس کی کوٹھی پر اس وقت بھی پہرے دار محتاط نظر آ رہے تھے۔ میں ٹہلتا ہوا کوٹھی کی پشت کی جانب آ گیا۔ بظاہر وہاں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اندر کی جانب سے اس عقبی حصے کی چوکیداری بھی ضرور کی جا رہی ہو گی۔ میں کچھ دیر تک اندر کی سن گن لیتا رہا۔ نازنین نے جن خطروں کا اظہار کیا تھا وہ یقیناً غلط نہیں ہوں گے لیکن اس کی کوٹھی تک جانے کے بعد واپس لوٹ آنا بھی مجھے منظور نہیں تھا۔ میرے آگے

پیچھے کوئی رونے والا بھی نہیں تھا جس کی فکر مجھے میرے ارادے سے باز رکھتی۔

میں نے ایک آخری بار پھر آگے پیچھے کا جائزہ لیا پھر پھاٹک پر پاؤں جماتا ہوا دوسری جانب کود گیا۔ چار دیواری کے ساتھ ڈم ڈم کی باڑھ لگی ہوئی تھی۔ میں پنجوں کے بل نیچے کودا تھا تاکہ کم سے کم آواز ہو۔ زمین پر قدم جماتے ہی میں تیزی سے لپک کر باڑھ اور چار دیواری کے درمیان مختصری جگہ میں دبک کر بیٹھ گیا۔ کوٹھی کے پچھلے کونوں پر بھی مدھم پاور کے بلب روشن تھے۔

میری آنکھیں دائیں بائیں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک کسی نے مجھے للکارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پہرے داروں کی موجودگی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یا تو وہ کچھ دیر سستانے کی خاطر اپنے کوارٹر میں چلے گئے تھے یا پھر انہیں اس بات کی خوش فہمی لاحق تھی کہ چودھری نواز کے شکاری کتے کسی کو کوٹھی کے آس پاس پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے باڑھ کی آڑ میں ہوتے ہی احتیاطاً" سیا ئیلنسر لگا ہوا آتشی اسلحہ نکال کر اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ میری دونوں پنڈلیوں پر تسمے کے ساتھ دو خنجر بھی موجود تھے جنہیں میں نے آڑے وقت کے لئے سنبھال کر رکھا تھا۔

گزرنے والا ہر لمحہ میرے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہا تھا لیکن میں خوفزدہ نہیں تھا۔ قید بامشقت نے مجھے بیحد سخت جان بنا دیا تھا۔ شیرا کی تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کر دیا تھا۔ پندرہ منٹ تک میں سانسیں روکے بیٹھا رہا پھر میں زمین پر لیٹ کر آہستہ آہستہ کوٹھی کی سمت رینگنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک کسی سے میرا ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ میں کوٹھی کی عقبی دیوار تک پہنچ گیا جہاں ایک لوہے کا پھاٹک غالباً" ملازموں کے آنے جانے کے لئے موجود تھا لیکن اندر سے مقفل نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس کوٹھی کے راستوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ پہلی بار میں راجو کے ساتھ صدر پھاٹک سے اندر آیا تھا لیکن اس وقت حالات مختلف تھے۔

میں نے اپنی پوزیشن تبدیل کی' اطراف میں کسی نادیدہ خطرے کے امکانات پر غور کرتا ہوا آہستہ سے پنجوں کے بل اٹھا اور عمارت کی دیوار سے چپک کر بائیں ہاتھ والے کونے کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ راستوں کی ناواقفیت کی وجہ سے مجھے اندر

داخل ہونے کی خاطر بہرحال کوئی نہ کوئی رسک تو لینی تھی۔ میری نگاہیں بار بار ملازموں کے کوارٹرز کی جانب بھی اٹھ رہی تھی۔

میرے ذہن میں اس وقت بھی نازو کا تصور موجود تھا۔ "شاید وہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں محوخواب ہو .... ممکن ہے عظمت بیگ کی طرح شرافت کا کوئی اور ٹھیکیدار رات کی تاریکی میں اپنی دل بستگی کی خاطر اس کے پاس موجود ہو .... چودھری نواز کی موت کے بعد یقیناً اس کے گرگوں نے نازیں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو گا .... حالات کے پیش نظر وہ ان کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور ہو گی .... ٹھیکیدار ایک ہو تو پابندیاں زیادہ نہیں ہوتیں لیکن حکم چلانے والے دس بارہ ہوں تو انسان سانس بھی اپنی مرضی سے نہیں لے سکتا۔ خدا جانے نازیں کن حالات سے گزر رہی ہو؟ اسے کیسے کیسے ناپسندیدہ کام انجام دینے پڑ رہے ہوں؟ کن کن مسائل سے دوچار ہو؟ کیسی کیسی صعوبتیں جھیل رہی ہو؟"

میں نازو کے تصور میں کچھ ایسا غرق ہوا کہ احتیاط کے تقاضوں کو نظرانداز کر دیا' ابھی میں عمارت کے کونے سے کچھ قدم دور ہی تھا کہ اچانک کوئی ٹھوس اور سرد شے میری گردن سے لگی اس کے ساتھ ہی کسی نے مدہم مگر سرسراتے لہجے میں کہا۔

"خبردار' کوئی حماقت نہ کرنا ورنہ تمہاری لاش کے ٹکڑے جمع کرنا بھی دشوار ہو جائے گا۔"

مجھے اپنی قوت سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ آواز کسی مرد کی نہیں ایک عورت کی تھی۔ اگر وہ دشمن ہوتی تو وارننگ دیئے بغیر میری کھوپڑی اڑا سکتی تھی۔ چیخ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ صرف مجھے محتاط رہنے کی خاطر تنبیہہ کی تھی .... میں ابھی پوری طرح اپنے اعصاب پر قابو بھی نہیں پا سکا تھا کہ اسی نسوانی آواز نے دوبارہ آہستہ سے مجھے مخاطب کیا۔

"کون ہو تم ....؟"

"دوست ہوتا تو ظاہر ہے کہ پچھلے راستے سے کبھی نہ آتا ...." میں نے بھی نیچی آواز میں جواب دیا۔ فوری طور پر اس پر اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے

وہ محض میری اصلیت معلوم کرنے کی خاطر نرمی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔

"میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔" اس نے قدرے تلملا کر کہا پھر آتشی اسلحہ کی نال کا دباؤ گردن پر بڑھاتے ہوئے بولی "ریوالور کو جیب میں رکھ لو اور وقت برباد کئے بغیر میرے سوالات کے جواب دیتے رہو۔"

"میں میڈم نازنیں کے پرستاروں میں سے ہوں۔" میں نے کچھ سوچ کر ریوالور جیب میں رکھ لیا۔

"کب سے جانتے ہو میڈم کو؟"

"جب سے دل نے دھڑکنا سیکھا ہے اسی کے تصور سے کھیلتا رہا ہوں۔"

"دیکھو' مجھے غلط مت سمجھو ...." اس بار اس کے لہجے میں الجھن کے ساتھ ساتھ اپنائیت بھی تھی۔ میں تمہارے کام آ سکتی ہوں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔"

"کیا چاہتی ہو؟"

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"رشید احمد ...." میں نے سنجیدگی سے اپنا نام بتا دیا "تمہاری میڈم مجھے شیدے کے نام سے بھی جانتی ہے۔"

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

اس نے جواب دینے کے ساتھ اسلحہ کی نال میری گردن سے ہٹا لی۔ میں آہستہ سے پلٹا وہ دھڑ جھکائے پیچھے کی سمت لوٹ رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کو اس کی حرکت کا جائزہ لیا پھر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ تمام راستوں سے واقف تھی۔ میں نے اس کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ غلط نہیں تھی۔ وہ مجھے رہائشی حصے کے ایک کمرے تک لے گئی پھر پلٹ کر بولی۔

"تم اندر جا سکتے ہو .... میڈم تمہاری منتظر ہوں گی۔"

"ایک سوال میں بھی کروں گا ...." میں نے اس کے حسن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میری محسنہ کا نام کیا ہے؟"

"اس کا جواب بھی تم میڈم ... لینا" اس نے دائیں بائیں دیکھا پھر تیزی

سے گھوم کر واپس چلی گئی۔

میرے ذہن میں بے شمار سوالات ابھر رہے تھے .... وہ کون تھی جس نے نازنیں کے کمرے تک میری رہنمائی کی تھی؟ اسے میری آمد کی اطلاع کس طرح ہوئی؟ چودھری نواز کے وہ شکاری کتے کہاں مر گئے تھے جو شب و روز مجھے بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر گھات لگائے بیٹھے تھے؟ نازو نے مجھے اسی خطرے کے پیش نظر اپنی کوٹھی سے دور رہنے کی تاکید کی تھی۔ کیا اس نے غلط بیانی کی تھی یا پھر مجھے ایک خوبصورت لڑکی کے ذریعے ٹریپ کیا گیا تھا؟

آخری خیال کے آتے ہی میں نے اپنا ریوالور دوبارہ نکال لیا۔ اگر موت ہی میرا مقدر تھی تو پھر میں کسی چوہے کی طرح نہیں مرنا چاہتا تھا۔ دشمنوں کو للکار کر لڑنے مرنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے' شیرا نے مجھے موقع و محل کے اعتبار سے تمام گر سکھائے تھے۔ میں دروازے کے ساتھ دیوار سے چپک گیا پھر میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ اس دستک کی آواز کے ساتھ ہی دوسری جانب سے برسٹ بھی مارا جا سکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"کون ہے؟" دوسری جانب سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے بجائے نازو کی سہمی ہوئی آواز ابھری تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میں نے ریوالور جیب میں رکھ کر دروازے کو کھولا تو جیسے میری نگاہوں میں بجلی سی کوند گئی۔

نازو میرے سامنے اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ شب خوابی کے لباس میں وہ سنگ مرمر سے تراشیدہ ایک حسین شاہکار نظر آ رہی تھی۔ اس کے دراز بال شانوں پر بکھرے ناگنوں کی طرح بل کھا رہے تھے۔ وہ سہمی سہمی سی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مجھے اس طرح گھور رہی تھیں جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ وہ اس کیفیت میں بھی سراپا قیامت نظر آ رہی تھی۔

وہ کمرہ اس کی خوابگاہ نہیں تھا پھر بھی اس کی تزئین و آرائش قابل دید تھی۔ اسے کسی عارضی انتظار گاہ کے طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ وہ شاید میری ہی منتظر تھی۔ کچھ دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے کے قرب کو محسوس کرتے رہے پھر نازو کے تراشیدہ ہونٹوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا ...." اس کی سہمی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی "میں نے تمہیں خطروں سے آگاہ کر دیا تھا۔"

"ہاں ...." میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا "مجھے چودھری نواز کی موت کے بعد ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ تمہارے اوپر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"میں اپنی نہیں .... تمہاری بات کر رہی ہوں" اس کے لہجے میں محبت کی تڑپ تھی۔

"پانی پر لاٹھی مارنے سے اسے دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا" میں نے ایک ہی جملے میں دل کے تمام درد سمونے کی کوشش کی۔

"وقت ہمیشہ یکساں نہیں رہتا" وہ ہونٹ چبا کر بولی "فاصلے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔"

"نبض کی رفتار جاری رہے تو کسی کو مردہ قرار نہیں دیا جا سکتا ...." میں نے اسے قائل کرنے کو کہا۔

"کچھ مرض لا علاج بھی ہوتے ہیں ...." وہ دل مسوس کر بولی تو سانس کی رفتار نے اس کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دیا۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز متحرک نظر آنے لگے۔

"مایوسی گناہ ہے ...." میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

"تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ...." وہ الجھ گئی "میں جن حادثات سے دوچار ہوئی ہوں تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"اس کے باوجود تم بہتے پانی کی طرح پاک اور صاف ہو۔ خود کو میری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کرو۔"

"نہیں ...." وہ جذبات کی رو میں بہنے لگی "مجھے اب نگاہوں پر اعتماد نہیں رہا۔"

"دل پر ہاتھ رکھ کر کہو .... کیا تم اپنے شیدے کو ٹھکرا دو گی؟"

"تم یہ سوال نازو سے کر رہے ہو جو مر چکی ہے" وہ مجسم کرب بن گئی "اب

صرف نازیں زندہ ہے ...."

"پھر شیدے کو بھی مرجانے دو ...." میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا "میں واپس جا رہا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا دشمن کی جانب سے چلائی جانے والی گولی رشید احمد اور شیدے کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرے گی۔"

میں جانے کے لئے پلٹا تو وہ ہرنی کی طرح تڑپ کر میرے راستے میں حائل ہو گئی۔

"مجھے آزمائش میں مت ڈالو" وہ تڑپ کر بولی "میں اب تمہارے قابل نہیں رہی ...."

"تین سال کی قید بامشقت نے میرے نام پر بھی مجرم کا ٹھپا لگا دیا ہے۔"

"تمہاری بات اور ہے .... تم مرد ہو اینٹ کا جواب پتھر سے بھی دے سکتے ہو لیکن میں .... میں شیشے کے گھر میں بند کر دی گئی ہوں۔ ایک ذرا ٹھیس لگی تو کرچی کرچی ہو جاؤں گی ...." اس کی آواز میں ماضی کی داستانیں سسک اٹھیں۔

"تمہیں اس وقت میرے یہاں آنے کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے اسے بہلانے کی خاطر گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

"جہاں سو دشمن ہوتے ہیں وہاں ایک دوست بھی مل جاتا ہے۔"

"راجو ....؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی ہی اس بات کا اقرار تھی کہ راجو نے اسے میرے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے تکے جا رہی تھی پھر اس کے دل کا درد سمٹ کر آنکھوں میں اترا تو دراز پلکوں پر شبنمی قطرے جھلملانے لگے۔ وہ آنسو اس کی پاک دامنی کے ضامن تھے۔ اس کی بے بسی کے گواہ تھے۔ اس کی معصومیت پر مہر صداقت تھے۔

وہ شمع بن کر پگھلنے لگی تھی۔ میں نے اس کے آنسوؤں کو زمین پر نہیں گرنے دیا۔ قدم بڑھا کر اپنے ہونٹوں کی تشنگی میں جذب کر لیا۔ وہ اپنے آپ میں اس قدر محو تھی کہ اسے میری جسارت کا گمان بھی نہیں ہو سکا۔ اس وقت چونکی جب وہ میرے بازوؤں کے حصار میں آ چکی تھی۔ [illegible] کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہوئیں تو وہ کسمسا کر

بولی۔

"شیدے .... میرا امتحان مت لو۔"

"نازو .... تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گا" میں نے ہاتھوں کا حلقہ ذرا اور تنگ کیا تو اس کی قوت مدافعت دم توڑنے لگی۔ محبت کے لازوال جذبوں نے اسے شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنے تپتے ہوئے ہونٹ میری گردن پر رکھ دیئے۔ اس کی بکھری بکھری سانسیں میرے وجود کو گرما رہی تھیں۔ پتھر کے مجسمے میں جیسے جان پڑ گئی تھی۔

وہ لمحے بڑے خوشگوار تھے۔ مجھے خوشی تھی میری محبت نے اس کے دل کے وسوسوں کو دور کر دیا تھا۔ پیاس کی شدت ایک حد سے گزر جائے تو ایک قطرہ بھی انسان کو زندگی کی امید دلانے کو بہت ہوتا ہے۔ ہم دونوں خاموش تھے لیکن دل کی دھڑکنیں جذبات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ وقت نے جو خلیج پیدا کر دی تھی وہ ختم ہو رہی تھی۔ فاصلے سمٹ رہے تھے۔ جھلسا دینے والی دھوپ کے بعد موسم ابر آلود ہو رہا تھا کہ کسی کی کرخت آواز گھن گرج کر ابھری۔

"اپنے ہاتھ بلند کر لو رشید احمد .... تمہارا برا وقت قریب آ چکا ہے۔"

نازو بجلی کی طرح تڑپ کر میرے بازوؤں کے حصار سے نکل گئی۔ میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ پستہ قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ اس کی آنکھوں سے خباثت ٹپک رہی تھی۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ خطروں سے کھیلنے کا عادی ہے۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی خود کار رائفل کا رخ ہم دونوں کی طرف تھا۔ انگلی لبلبی پر موجود تھی۔ شاید وہ میری آمد سے بے خبر نہیں تھا۔

ایک لمحے کو موت کا تصور میری پلکوں تلے بجلی کی طرح کوندا لیکن پھر میں نے خود پر قابو پانے میں زیادہ وقت نہیں لیا۔ وہ باری باری کینہ توز نظروں سے مجھے اور نازو کو گھور رہا تھا۔

"خوبصورت ناگن" اس نے نازو کو میلی نظروں سے دیکھتے ہوئے حقارت سے کہا "تم شاید بھول گئی تھیں کہ ہم جس کا نام اپنی فہرست میں شامل کر لیتے ہیں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوتے .... قبر تک اس کا تعاقب کرتے ہیں۔"

"نہیں ...." نازو نے تیزی سے جواب دیا "میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا ...."

"بہت خوب ...." وہ الفاظ چباتے ہوئے بولا "کیا تم اپنے یار کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ہمیں اپنی وفاداری کا یقین دلا رہی تھیں؟"

میرے خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ مجھے نازو کی موجودگی کا خیال جوابی کارروائی سے روک رہا تھا۔ وہ پوری طرح محتاط تھا۔ اس کی انگلی کا ایک ہلکا سا دباؤ بھی ہم دونوں کے جسم کو چھلنی کر سکتا تھا۔ مجھے بس ایک لمحے کی مہلت درکار تھی لیکن اس ایک لمحے کی خاطر مجھے مجبوراً خون کا گھونٹ پینا پڑ رہا تھا۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

"شیرا استاد کی تربیت نے شاید تمہیں غلط فیملی کا شکار کر دیا ہے" اس نے جان بوجھ کر میری تذلیل کی خاطر غلط فہمی کے بجائے غلط فیملی کہا تھا "ضرورت سے زیادہ اعتماد بھی انسان کو دھوبی کا کتا بنا دیتا ہے .... اب تم بھی نہ گھر کے رہو گے نہ گھاٹ کے۔ ہم تمہیں ایسی عبرتناک موت ماریں گے کہ فرشتے بھی دنگ رہ جائیں گے۔"

"تم ایسا نہیں کرو گے مراد شاہ" اچانک نازو سینہ تان کر میری ڈھال بن گئی "میں اب بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ نہ ہوتی تو شاید چودھری نواز کے قتل ہونے سے پہلے ہی تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی ہوتی۔"

"یہ تمہارا ذاتی خیال ہے میری جان" مراد شاہ نے بڑے بازاری انداز میں حریص نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "ہم جس پنچھی کو ایک بار جال میں پھانستے ہیں پھر مرتے دم تک وہ پھڑپھڑا تو سکتا ہے لیکن پرواز نہیں کر سکتا۔"

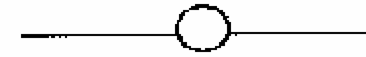
میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھا۔ مجھے کوئی معجزہ ہی موت سے بچا سکتا تھا۔ مراد شاہ جو کچھ بکواس کر رہا تھا اسے پورا کرنے کی صلاحیت بھی اس کی خون آلود آنکھوں میں نظر آ رہی تھی لیکن میں نے بے جگری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"مراد شاہ .... جو مرد ہوتے ہیں وہ کسی کمزور عورت پر آنکھیں نہیں نکالتے۔"

تم اگر استاد شیرا کے نام سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس کے شاگرد پشت پر گولی کھانا پسند نہیں کرتے۔"

"ہم تمہاری یہ حسرت بھی ضرور پوری کر دیں گے .... مگر اتنی جلدی بھی کیا ہے" مراد شاہ نے میرا مضحکہ اڑانے کی خاطر کہا "کچھ دیر تو ایک آبرو باختہ عورت کی آڑ میں ستا لو ...."

میرے ذہن میں مراد شاہ کا جملہ بارود بن کر پھٹا میں نے ایک جھٹکے سے نازو کا ہاتھ تھام کر اسے سامنے سے ہٹا دیا۔ مراد شاہ کی گرفت رائفل پر مضبوط ہوئی۔ میں نے پنجے جوڑ کر فضا میں جست لگائی پھر گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہی اچانک لائٹ چلی گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے بائیں بازو پر کسی نے چیرا لگا کر تیزاب کی پوری بوتل الٹ دی ہو۔ میرے ذہن پر غنودگی کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ آخری آواز جو میرے ذہن میں محفوظ ہوئی وہ نازو کی چیخ تھی!



چھت پر روشن تیز پاور کا بلب میری قوت بصارت کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ نازو کی چیخ میرے لاشعور میں گونجی تو میں نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ وہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں نے بائیں جانب دیکھا جہاں کاٹھ کباڑ بکھرا پڑا تھا۔ شاید اس وقت میں جہاں موجود تھا اس کو اسٹور روم کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میں کسی تخت پر پڑا ہوں اس کے ساتھ ہی میرے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئیں۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا تو صورت حال بڑی حد تک واضح ہو گئی۔ اس کمرے یا اسٹور روم سے نکاسی کے واحد دروازے پر ایک گن مین کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں دشمنوں کی قید میں ہوں۔ گن مین نے مجھے حرکت کرتے دیکھا تو مشینی انداز میں پوری طرح الرٹ ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں ابھرنے والی درندگی اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی وہ شیرا کے گروہ کا کوئی فرد

نہیں تھا پھر یکلخت میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو کررہ کراہ گیا۔ میرا بایاں بازو پھوڑے کی مانند درد کر رہا تھا۔ غالباً" مراد شاہ کی رائفل سے نکلی ہوئی کوئی گولی میرے لئے اذیت کا سبب بن گئی تھی۔ میرا ذہن منتشر ہونے لگا .... نازو کے چیخنے کی آواز مراد شاہ کی طرف سے کی جانے فائرنگ اور بجلی کا اچانک چلا جانا .... یہ تمام باتیں مجھے الجھا رہی تھیں۔

نازو نے مجھے بتایا تھا کہ راجو نے اسے میری آمد کی اطلاع دی تھی۔ ایسی صورت میں یہ بات یقینی تھی کہ خود راجو بھی حرکت میں آیا ہو گا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا ہو گا .... شاید اسی نے عین وقت پر مین سوئچ آف کر کے چویشن کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا وہ عمل میری زندگی کی ضمانت بن گیا۔ مراد شاہ کا نشانہ بجلی کے اچانک چلے جانے سے چوک گیا ورنہ میں اور نازو اس کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہوتے۔ پھر شاید راجو اور مراد شاہ کے ساتھیوں کے درمیان ٹھن گئی ہو گی۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میں اس وقت دشمنوں کی قید میں تھا جس کے مطلب یہی اخذ کئے جا سکتے تھے کہ راجو اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ اور نازو بھی زخمی ہو گئے ہوں۔ جنگ میں صرف جیت کے امکان نہیں ہوتے ایک ذرا سی غلطی پوری بساط کا نقشہ پلٹا دیتی ہے۔ راجو بھی انسان تھا۔ اس سے بھی بھول چوک ہو سکتی تھی۔

میرے ذہن میں پریشان کن سوالات ابھرنے لگے .... "خدا جانے راجو اس وقت کہاں اور کس حالت میں ہو گا؟ .... شاید اسے میری دوستی کی کوئی بھاری قیمت ادا کرنی پڑ گئی ہو؟ ممکن ہے اسے کسی دوسری جگہ ٹارچر سیل میں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہو؟ .... اور نازو .... اس بد نصیب لڑکی کا کیا بنا ہو گا؟ بچپن سے جوانی تک وہ محرومیوں کا شکار ہونے کے بعد بڑی مشکل سے میرے قرب کی تپش سے موم ہو رہی تھی کہ قسمت نے پھر اس کی خوشیوں کو تاراج کر دیا۔ وہ کیوں چیخی تھی؟ کیا مراد شاہ کے مارے ہوئے برسٹ نے اس کی زندگی کے روشن چراغ کو گل کر دیا تھا .... ؟ یا وہ مجھے خطرے میں گھرا دیکھ کر دشمنوں کی وحشیانہ فائرنگ سے

خوفزدہ ہو کر چلائی تھی؟ اگر وہ زندہ تھی اور دشمنوں کے ہتھے لگ گئی تھی تو اس پر سابقہ رعائتوں کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہوں گے۔ جو ضمیر اور بردہ فروش کل تک اس کے جسم کی حفاظت کرتے تھے اب اس کے پھول جیسے نازک جسم کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا رہے ہوں گے۔ کیا تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا رہی تھی؟"

دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی کسی کے قدموں کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں چونکا۔ مجھے اتنی جلدی ہمت نہیں ہارنی چاہئے تھی۔ موت اور زندگی کا اختیار صرف پیدا کرنے والے کے پاس ہوتا ہے۔ انسان تو محض خوش فہمیوں کے قلعے تعمیر کر کے فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑنے کے خواب دیکھتا ہے!

میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ آہستہ سے گردن گھما کر دروازے کی سمت دیکھا تو ایک بار پھر چونک اٹھا' کمرے میں داخل ہونے والا شخص ڈاکٹر شبیر احمد کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میرے ماضی کی درد ناک داستان اسی کے نام سے شروع ہوئی تھی۔ وہی ایک بار پھر میری نظروں کے سامنے تھا۔ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔

شبیر کی نگاہوں میں اجنبیت کا احساس چھلک رہا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ ہاتھ میں دبے ایمرجنسی بیگ کو میرے برابر تخت پر رکھنے کے بعد اس نے میرے زخم کا معائنہ شروع کیا۔ گن مین اس سے دو قدم کے فاصلے پر پوری طرح محتاط تھا پھر قبل اس کے کہ میں شبیر احمد سے کوئی تلخ بات کہتا کمرے میں ایک اور شخص داخل ہوا۔ اس نے رات ہونے کے باوجود آنکھوں پر گہرے رنگ والے شیشوں کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ وہ دراز قد اور کھردرے نقوش کا مالک تھا۔ فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا وہ میرے قریب آیا۔ ایک لمحے تک پوری توجہ سے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا پھر اس کی کرخت اور ٹھوس آواز ابھری۔

"ڈاکٹر شبیر......... میرا خیال ہے کہ تم اس حرامزادے سے ناواقف نہیں ہو........." اس کے پہلے ہی جملے سے نفرت اور حقارت کا بھرپور اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہو لیکن........."

"یادداشت کو کریدو........." نووارد نے تحکمانہ انداز اختیار کیا "اسے غور سے

دیکھو' یہ وہی قربانی کا جانور ہے جس نے تمہاری جگہ جیل میں چکی پیسی ہے......... رشید احمد......... عرف شیدا........."

"اوہ........." شبیر نے چونک کر کہا پھر سپاٹ لہجے میں بولا "یہ تمہارے ہاتھ کیسے لگ گیا؟"

"لمبی کہانی ہے' تم صرف اتنا سمجھ لو کہ یہ نازنین بیگم کے چکر میں پھنس کر ہمارے پنجرے میں آ گیا ہے۔ اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا "استاد شیرا کے بل بوتے پر ہم سے ٹکرانے کے خواب دیکھ رہا تھا........."

"مجھے کیا کرنا ہے؟" شبیر نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔ استاد شیرا کا نام سن کر اس کے لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی۔

"خوفزدہ ہونے کی کوشش مت کرو ڈاکٹر........." اس نے سرد لہجے میں کہا "یہ اب آخری سانس تک ہماری قید میں رہے گا۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کس کے کہنے پر بلایا ہے۔ ورنہ اس شہر میں ڈاکٹروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہم کسی کو زبردستی اس کے گھر سے بھی اٹھوا سکتے تھے۔"

شبیر نے فوراً" ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بڑی سنجیدگی سے اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش رہا تھا کہ وہ اس وقت کس قسم کا رول ادا کر رہا تھا۔ ابھی تک اس کے طرز عمل سے اس بات کا کوئی تاثر نہیں ملا تھا کہ وہ میری حیثیت سے بخوبی واقف ہے......... نووارد کے آخری جملے سے بھی یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ اسے کسی کی سفارش یا مشورے کے بعد طلب کیا گیا تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ شبیر اس شخصیت سے بہت قریبی تعلقات رکھتا تھا ورنہ اتنی رات گئے وہ کسی اجنبی کے ساتھ شرافت سے آنے پر کبھی تیار نہ ہوتا۔

"کیا سوچ رہے ہو ڈاکٹر؟ نووارد نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم جتنی جلدی ممکن ہو اسے راستے سے ہٹا دو' ورنہ یہ ہم دونوں کے لئے کسی خطرے کی علامت بن سکتا ہے" شبیر نے مجھے گھورتے ہوئے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"نہیں........." نووارد کا لہجہ فیصلہ کن تھا "ہم اس حرام کے تخم کو اتنی آسان

موت نہیں ماریں گے۔ اگر اسے ٹھکانے لگانا ہی مقصد ہوتا تو تمہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی .... تم اس کے زخم کی مرہم پٹی کرو' صرف اس حد تک کہ بارود کا زہر اسے موت کی نیند نہ سلا سکے اس کے بعد کیا کرنا ہے۔ یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہو گا۔"

شبیر نے پلٹ کر ایک نظر نووارد کو دیکھا پھر وہ میرے زخم کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گیا۔ شاید اس کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ نووارد کچھ دیر کھڑا مجھے دیکھتا رہا پھر ہونٹ چباتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ گن مین کسی پالتو کتے کی طرح دم ہلاتا اسے چھوڑنے کی خاطر باہر تک گیا تھا۔

"میرے سلسلے میں کوئی غلط رائے قائم مت کرنا" شبیر نے موقع غنیمت جان کر دبی زبان میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔ "میں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔"

"تمہیں کس کے مشورے پر یہاں بلایا گیا ہے؟" میں نے اسے آزمانے کی خاطر پوچھا۔

"عظمت بیگ" وہ تھوڑے توقف سے بولا۔

عظمت بیگ کا نام سن کر میرے ذہن میں ایک برقی لہر سی دوڑ گئی۔ شیرا نے دو موقعوں پر اسے موت کی سرحد سے زندگی کی طرف واپس جانے کا راستہ دیا تھا لیکن وہ ابھی تک اپنی کمینگی اور سفلے پن سے باز نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال شبیر نے عظمت بیگ کا نام ظاہر کر کے میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔

"نازنین کی کوٹھی پر جو حادثہ پیش آیا تھا کیا تم اس کی تفصیل سے واقف ہو؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"صرف اسی حد تک کہ چودھری نواز کے بعد اس گروہ کا ایک اور اہم آدمی کام آ گیا۔ مراد علی شاہ۔"

"راجو اور نازنین کی کوئی خیر خبر؟" میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"کیا تم میرا ایک کام کر سکو گے؟"

"کہو؟"

"استاد کو فوری طور پر اس جگہ کے پتے اور ٹھکانے سے آگاہ کر دو جہاں مجھے قید کیا گیا ہے۔"

"نہیں۔" شبیر نے جواب دینے میں کوئی دیر نہیں لگائی۔ "میں فی الحال ایسا نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟" میں نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"تمہاری طرح مجھے بھی اپنی زندگی عزیز ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولا "لیکن مطمئن رہو' میں کوشش کروں گا کہ راجو کے اس احسان کا بدلہ چکا سکوں جو اس نے مجھے اپنی قید سے آزاد کر کے کیا تھا۔"

"میرا بھی کچھ حساب نکلتا ہے تمہاری طرف" میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی "تم آج جس مقام پر کھڑے ہو اس میں میری خاموشی کو بھی بڑا دخل ہے۔ تین سال تک بغیر کسی گناہ کے قید بامشقت بھگتنا بڑا دل گردے کا کام تھا۔"

"مجھے احساس ہے کہ تمہاری قربانی نے میرے مستقبل کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔"

"اس کے باوجود تم کو اپنی زندگی زیادہ عزیز ہے؟" میں نے اسے آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

"پریشان مت ہو۔" اس نے خجل ہو کر جواب دیا "میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"یہ شخص کون تھا جو ابھی اندر آیا تھا؟" میں نے اپنی معلومات کی خاطر دریافت کیا۔

"میں صرف اس کے نام سے واقف ہوں۔ عظمت بیگ نے اگر غلط بیانی سے کام نہیں لیا تو یہ شخص اسلم ڈنکا ہی ہو گا۔" شبیر نے میری مرہم پٹی کے کام میں مصروف ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نے کہا تھا کہ چودھری نواز اور مراد شاہ کے بعد اب سارا دارومدار اسی کے کاندھوں پر ہے۔ صورت اور لب و لہجے سے بھی خطرناک نظر آتا ہے۔"

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اسلم ڈنکا اور گن مین دوبارہ کمرے میں داخل ہوئے۔ شبیر نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اسلم ڈنکا کسی اہم سبب سے ہی واپس آیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموش کھڑا ہم دونوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے سپاٹ لہجے میں شبیر کو مخاطب کیا۔

"ڈاکٹر! کیا تم ایک رات کے لئے ہمارا مہمان بننا پسند کرو گے؟"

"کیا مطلب؟" شبیر نے پلٹ کر اسلم ڈنکا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"بات مطلب کی نہ ہوتی تو میں تمہیں مجبور نہ کرتا۔" اس نے خشک آواز میں کہا "پولیس کی طرح ہمارا کاروبار بھی مخبروں کی اطلاعات پر چلتا ہے اور ہماری اطلاع کے مطابق ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو۔ برا مت ماننا میری جان' ہم مصلحتوں کو نظرانداز بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا تمہیں میرے اوپر اعتماد نہیں ہے؟" شبیر نے جز بز ہو کر کہا "جس شخص کے اشارے پر تم نے مجھے بلایا ہے کیا اس نے تمہیں میری ضمانت نہیں دی تھی؟"

"گھبراؤ نہیں ہم تمہارے آرام کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔"

"اور اگر میں تمہارا مہمان بننے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو مجھے مجبوراً" تمہاری ضمانت ضبط کرنی ہو گی" اسلم ڈنکا کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے اچٹتی ہوئی نظر مجھ پر ڈالی پھر پلٹ کر دوبارہ چلا گیا۔ اس بار گن مین باہر جانے کے بجائے دروازے پر ہی مسلط رہا!

رات کو سونے سے پیشتر مجھے نیند کا انجکشن دیا گیا۔ اس کا مقصد مجھے آرام پہنچانا نہیں گہری نیند سے دوچار رکھنا تھا۔ ڈاکٹر شبیر کو وہ رات وہیں گزارنی پڑی جہاں مجھے قید رکھا گیا تھا۔ اسلم ڈنکا کا وہ فیصلہ اسے گراں گزرا تھا مگر وہ اس پر عمل کرنے پر مجبور تھا۔ غالباً" کسی مخبر نے شبیر کے بارے میں کوئی ایسی ہی بات کہہ دی تھی کہ وہ اسے فوری طور پر واپسی کی اجازت دینے سے قاصر ہو گیا تھا۔

دوسرے روز میں دیر سے سو کر اٹھا' میرے بازو کی تکلیف کسی حد تک کم ہو چکی تھی۔ شبیر نے اپنا فرض نبھانے میں کسی بخل یا بددیانتی سے کام نہیں لیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ شبیر براہ راست اسلم ڈنکا سے واقف نہیں تھا۔

رات نیند کے انجکشن کے سبب سکون سے گزر گئی تھی لیکن صبح بیدار ہوتے ہی مجھے پھر نازو اور راجو کا خیال ستانے لگا۔ نازو کی کوٹھی میں گھپ اندھیرے میں جو ڈرامہ کھیلا گیا تھا اس کی اطلاع شاید ابھی تک شیرا کو نہیں ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حالات سے باخبر ہو چکا ہو اور اس کے اڈے کے افراد پورے شہر میں چودھری نواز کے خفیہ ٹھکانوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں۔ میرے اوپر جو کچھ بیتی تھی اس کی اطلاع پا کر شیرا پرسکون نہیں رہ سکتا تھا۔ میری طرح اسے بھی نازو اور راجو کی فکر لاحق ہو گی۔ میں ان ہی خیالات میں گم تھا کہ دروازے پر تعینات گن مین نے دور ہی سے آواز لگا کر کرخت آواز میں کہا۔

"صبح ہو چکی ہے لاٹ صاحب کے پتر۔ اٹھ کر چھیتی چھیتی فارغ ہو لو اور کچھ زہر مار کر لو۔ ہمیں یہ ٹھکانا بدلنا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔ "کیا یہ جگہ محفوظ نہیں ہے؟"

"بکواس نہ کرا وئے کھوتے دے کھرے۔ سیدھی طرح اٹھ جا ورنہ مجھے انگلی ٹیڑھی کرنی بھی آتی ہے۔"

میں نے اس سے بحث مناسب نہیں سمجھی۔ کاٹھ کباڑ کے عقب میں ایک انتہائی مختصر سی جگہ ضروریات کے لئے بنی ہوئی تھی۔ اس کی نشاندہی بھی گن مین نے کی۔ میں بمشکل ضروریات سے فارغ ہو کر واپس اس تخت پر آ گیا جس پر ایک پھٹی پرانی دری بچھی تھی۔ گن مین کی ٹھکانا تبدیل کرنے والی بات میرے لئے خاصی اطمینان بخش ثابت ہوئی۔ اس ایک مختصر سے جملے نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ شیرا کی پارٹی کے افراد حرکت میں آ چکے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے میرا خیال میرا وہم ہی ہو لیکن قید تنہائی میں انسان اپنی یکسوئی کو بہلانے کی خاطر اسی قسم کی قیاس آرائیوں سے کام لیتا ہے۔

کچھ دیر بعد میرا مختصر سا ناشتہ آ گیا۔ میں نے زندہ رہنے کی خاطر اسے مجبوراً" زہر مار کر لیا۔ ناشتے کے بعد دو رائفل بردار چہروں کو نقاب میں چھپائے اندر داخل ہوئے انہوں نے اشاروں سے مجھے اٹھنے کو کہا تھا۔ میں خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ اسٹور روم سے باہر نکلتے ہی مجھے وہ زینے نظر آ گئے جو اوپر کی سمت کو جا رہے تھے۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ مجھے کسی مکان کے زمین دوز

حصے میں رکھا گیا تھا۔ زینوں کو طے کرنے کے بعد میں ایک کشادہ ہال میں پہنچا جو سازو سامان کے اعتبار سے کوئی موٹر گیراج لگ رہا تھا۔ وہاں دو رائفل بردار اور بھی موجود تھے لیکن ڈاکٹر شبیر اور اسلم ڈنکا نظر نہیں آ رہے تھے۔ گیراج میں ڈیلیوری وین ٹائپ کی ایک بند گاڑی موجود تھی۔ ایک نقاب پوش نے اس کا پچھلا دروازہ کھول کر مجھے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ایک سرسری نظر سے اطراف کا جائزہ لیا پھر وین کے عقبی حصے میں بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ تین نقاب پوش رائفل بردار اور بھی اندر آ گئے پھر دروازے کو بند کر دیا گیا اس کے بعد شٹر اٹھنے اور انجن اسٹارٹ ہونے کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں پھر وین حرکت میں آ گئی۔

میں خاموشی سے آنے والے لمحات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وین کے عقبی حصے میں چھت سے ملی ہوئی جو جالیاں لگی تھیں ان میں سے ہوا اور روشنی اندر آ رہی تھی لیکن اندر سے باہر کا جائزہ نہیں لیا جا سکتا تھا۔ تینوں رائفل بردار پوری طرح محتاط تھے ابھی تک ان میں سے کسی نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ شاید انہیں اوپر سے یہی احکامات ملے تھے کہ صرف اپنے کام سے کام رکھا جائے۔

وین کا سفر تقریباً" ایک گھنٹے تک جاری رہا پھر باہر سے وین کے دروازے پر دستک دی گئی تو ایک نقاب پوش نے اندر سے دروازہ کھول دیا۔ مجھے دوبارہ رائفل کی نال سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا گیا۔ میں باہر آیا تو کھلی فضا میں ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے مجھے زندگی کا احساس دلایا' وہ ایک چھوٹی سی مگر دیدہ زیب رہائش گاہ تھی لیکن قبل اس کے کہ میں بیرونی حصے کا پوری طرح جائزہ لیتا مجھے ہاتھ تھام کر عمارت کے اندر لے جایا گیا۔ چاروں رائفل بردار مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ ایک بڑے ہال سے گزار کر مجھے ایک چھوٹے کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ یہ کسی کی خوابگاہ تھی جسے اوسط درجے کے سامان سے بڑے سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ ابھی تک ان لوگوں نے مجھے ہاتھ پیر باندھ کر بے بس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

خوابگاہ میں میرے ساتھ کوئی رائفل بردار اندر داخل نہیں ہوا۔ میں خاموشی سے آرام دہ بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے کی سجاوٹ میں جو فرنیچر وغیرہ استعمال کیے گئے تھے

وہ بھی بہت زیادہ قیمتی نہیں تھے البتہ دیوار پر جو تین چار تصاویر فریم میں آویزاں تھیں وہ خاصی ہیجان انگیز تھیں۔ اس قسم کی نیم عریاں اور فحش تصاویر کی موجودگی میں مجھے فوری طور پر یہی خیال گزرا کہ وہ کمرہ کسی اوباش شخص کی ملکیت رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ پوری عمارت ہی کسی خاص مقصد کے لئے زیر استعمال رہی ہو ـــــــ لیکن مجھے وہاں کس لئے لایا گیا تھا؟

بڑی دیر تک میرے ذہن میں مختلف سوالات ابھرتے رہے پھر دروازے کے کھلنے کی آواز ابھری تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی پوری توجہ دروازے کی سمت منتقل کر دی۔ میرا خیال تھا اب مجھے کسی نئی افتاد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مجھے ان سے کسی بہتر سلوک کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے تھی۔ میں نے چودھری نواز کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے دھندے میں افراتفری پیدا کر دی تھی۔ پھر مراد شاہ بھی میرے دخل در نامعقولات کی وجہ سے کام آ گیا تھا۔ جو لوگ نازئیں پر دانت جمائے بیٹھے تھے ان کے درمیان دو بڑوں کے قتل نے ضرور کھلبلی مچا دی ہو گی۔ اسلم ڈنکا نے بھی ڈاکٹر شبیر سے یہی کہا تھا کہ وہ مجھے آسان موت نہیں مارے گا۔ وہ یقیناً مجھے اذیتیں دے کر آہستہ آہستہ قسط وار ختم کرنے کے خواہاں تھے۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو شاید میرا ردعمل بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوتا۔ محبت جنگ اور انتقام کی صورت میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔ مجھے اپنی زندگی سے اب کچھ زیادہ لگاؤ بھی نہیں تھا۔ نازو کی محبت نے مجھے جینے کی آس دلائی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی بربادی کے کچھ پچھلے حساب بھی بے باق کرنے تھے۔ میری نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔ میرے ذہن میں اسلم ڈنکا کا منحوس تصور تھا لیکن خلاف توقع جب میں نے ایک خوبصورت اور نازک اندام خاتون کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے جسم پر جو لباس تھا وہ اس لباس سے کچھ مختلف نہیں تھا جو میں فریم میں لگی تصویروں میں دیکھ چکا تھا۔ وہ مجسم قیامت ہی قیامت تھی۔ اس کے گداز ہونٹوں پر بڑا زہریلا تبسم مچل رہا تھا۔ کسی ناگن کی طرح بل کھاتی وہ میرے قریب آ گئی۔ اس کے انداز میں حیا اور شرم نام کی کسی شے کا ایک ذرہ برابر شائبہ بھی نہیں تھا۔ ابھی میں پوری طرح اس کے سراپا کا جائزہ بھی نہیں لے سکا تھا کہ ایک کیمرہ مین اندر

داخل ہوا .... میرے ذہن میں یکلخت عظمت بیگ کا نام ابھرا۔ شیرا نے اس کی زبان بند کرنے کی خاطر بھی کچھ ایسی ہی کارروائی کی تھی۔ وہی حربہ اب وہ کچھ ترمیم اور اضافے کے ساتھ میرے اوپر آزمانا چاہتے تھے۔ اسلم ڈنکا کو اس کا مشورہ یقیناً عظمت بیگ ہی نے دیا ہو گا۔ میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

"تمہارے زخم اب کیسے ہیں؟" ناگن نے لہرا کر پوچھا "زیادہ ٹیس تو نہیں ہو رہی ....؟"

"تم آ گئی ہو تو درد کا احساس کچھ کم ہو گیا ہے" میں نے کیمرہ مین کو نظر انداز کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا "مجھے حیرت ہے کہ اسلم ڈنکا کو میری آخری خواہش کا علم کس طرح ہو گیا ...."

"میری موجودگی میں کسی اور کا ذکر مت کرو" اس نے اپنے جسم کی نمائش میں مزید دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرسراتے لہجے میں کہا "نازنین یا نازو کا بھی نہیں .... اس لئے کہ اس وقت وہ بھی میری طرح کسی اور کی دلبستگی کا سامان فراہم کرنے میں مصروف ہو گی۔"

"تمہاری مکروہ زبان سے نازنین کا نام سن کر مجھے افسوس ہو رہا ہے ...."

میں سنبھل کر بولا "لیکن شاید تم اس بلیوپرنٹ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں جو ریموٹ کنٹرول کے اشاروں پر چلتا ہے .... تمہارا ریموٹ کس کے ہاتھ میں ہے؟"

"اس کا جواب تمہیں میں نہیں آنے والا وقت دے گا" اس نے بے شرمی کا دامن تار تار کرنے میں کسی شرم سے کام نہیں لیا۔ دراز زلفوں کو ایک جھٹکے سے پشت کی جانب اچھالتے ہوئے بولی "کنواں اتنے قریب ہو اور تشنگی بر قرار رہے .... یہ زیادتی تو ہے لیکن تمہیں مجبوراً یہ بھی برداشت کرنا ہو گا۔"

"مطلب کی بات کرو ...." میں نے حقارت سے پوچھا "تم یہاں کس مقصد سے آئی ہو؟"

"تم اب اتنے معصوم بھی نہیں ہو کہ مجھے کسی بات کی وضاحت کرنی پڑے" اس

نے مجھے گھورتے ہوئے کہا پھر سرد لہجے میں بولی "میرا اور اپنا وقت ضائع کرنے کی حماقت مت کرنا اسی میں تمہاری بھلائی ہے .... اچھے بچوں کی طرح فوٹوگرافر کی ہدایت پر عمل کرو گے تو جلدی گلو خلاصی ہو جائے گی۔"

"ورنہ کیا ہو گا ....؟" میں نے حقارت سے دریافت کیا۔

"بھرتے ہوئے زخم کو دوبارہ خراش دے کر تازہ کیا جائے اور اس میں سرخ مرچ بھر دی جائے تو کوئی درندہ بھی بلبلا اٹھتا ہے۔ تم تو پھر ایک بے بس پرندے، سے زیادہ حیثیت کے مالک نہیں ہو۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فوٹوگرافر خاموشی سے اپنا سازو سامان درست کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ میرے لئے وہ گھڑی بڑی آزمائش کی تھی۔ باہر چار رائفل بردار موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی جرات اور بہادری کا مظاہرہ بھی میرے کسی کام نہیں آ سکتا تھا۔ کوئی معجزہ ہی مجھے بچا سکتا تھا۔

"چہکتے رہو میری جان!" وہ میرے چہرے کے تاثرات کو محسوس کر کے بڑی بے غیرتی سے بولی "چہرے پر بھرپور زندگی نہ ہو اور رگ رگ سے جذبات کی ترجمانی نہ ہو تو تصویریں بھی پھیکی پھیکی نظر آتی ہیں۔"

"تمہاری تربیت یقیناً کسی شریف گھرانے میں ہوئی ہے۔" میں نے زہر خند سے کہا "باتیں بڑی خوبصورت کر لیتی ہو۔"

"تمہاری مردم شناسی ہے .... ورنہ بندی کس قابل ہے" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "خاصے جوہر شناس معلوم ہوتے ہو؟"

"دفع ہو جاؤ یہاں سے" میں تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا "عظمت بیگ جو کچھ چاہتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"بکواس" یکلخت وہ بھی بپھر کر بولی "شرافت سے ہمارا کہا مان لو ورنہ مجھے مجبوراً کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا کہ تم میرے تلوے چاٹنے پر بھی آمادہ ہو جاؤ گے۔"

میں ہونٹ بھینچ کر رہ گیا وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ میں ہر طرح ان کے بس میں تھا وہ کسی نشہ آور چیز کا انجکشن دے کر بھی میرے ہوش و حواس معطل کر کے اپنا

مقصد پورا کر سکتے تھے۔ مجھے تشدد کا نشانہ بھی بنایا جا سکتا تھا۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں اپنی عزت پر کوئی ایسا داغ بھی نہیں آنے دینا چاہتا تھا کہ تمام زندگی کسی کو منہ نہ دکھا سکوں۔ میرا خدا اس بات کا گواہ تھا کہ میں نے ازخود اس راستے کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ میں سچائی نیکی اور شرافت کی راہوں کا مسافر تھا لیکن حالات کی گردش نے میرے راستے کا کانٹا بدل کر مجھے غلط لائن پر ڈال دیا تھا۔ شیرا نے بھی میرے اندر کے انسان کو پہچان لیا تھا اسی لئے اس نے مشورہ دیا تھا کہ میں نازنین کو اپنا کر دوبارہ شرافت کی زندگی اپنا لوں .... میں اسی مقصد کی خاطر نازنین کو اپنے حق میں ہموار کرنے گیا تھا لیکن شاید قدرت کو منظور نہیں تھا۔ مجھے اپنی بے بسی کا خیال آیا تو میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

مجھے شیرا نے جیل میں جو تربیت دی تھی اس نے مجھے سنگلاخ پہاڑوں کی طرح ٹھوس اور مضبوط بنا دیا تھا۔ اس نے مجھے مانگنے کے بجائے جھپٹ لینے کے تمام گر سکھا دیئے تھے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی تعلیم دی تھی لاشوں پر کھڑے ہو کر قہقہہ لگانے کا درس دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس وقت حالات نے یکلخت مجھے بڑا کمزور بنا دیا تھا۔ میں بدنامی کی اس اذیت سے بچنا چاہتا تھا۔ میرے دشمن جس کا اہتمام کر رہے تھے وہ شرمناک مناظر اگر فلمبند ہو جاتے تو میں خود اپنی نگاہوں میں گر جاتا۔

"آنکھیں کھولو رشید احمد" اس بدکار عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا "ہمارے پاس وقت کم ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دوسرا ہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔" وہ شاید فوٹو گرافر کی آواز تھی۔

"ٹھیک ہے .... تم ٹھہرو میں ابھی اس کا بندوبست کراتی ہوں۔"

کسی کے قدموں کی آواز ابھری پھر دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنائی دی شاید وہ اپنے ساتھیوں کو میرے بارے میں آگاہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

گزرتے وقت کا ایک ایک لمحہ مجھے اندر سے جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں آنکھ بند کئے خاموش کھڑا کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے موت گوارا تھی لیکن جو

کچھ وہ چاہتے تھے وہ منظور نہیں تھا۔ میں نے آنکھ کھول کر انہیں اپنے عزم سے آگاہ کرنے کی ٹھان لی۔ ارادے پختہ ہوں اور ان میں مصلحتوں کی لغزش شامل نہ ہو تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے۔ موت تو برحق ہے .... اس سے فرار ہونے کے راستوں کی تلاش انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ میں گمراہی کی موت مرنے کو تیار نہیں تھا۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ اس وقت اگر وہ حرافہ کمرے میں نہیں تھی تو میں فوٹو گرافر پر قابو پا کر کسی اگلے اقدام کے بارے میں غور کر سکتا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے کسی کے کراہنے کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ فوٹو گرافر کی پیشانی سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی کٹے ہوئے تناور شہتیر کی مانند فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے دروازے کی سمت نظر ڈالی جہاں خان دلاور سینہ تانے اور ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہوں میں خوشی اور درندگی کے ملے جلے تاثرات رقص کر رہے تھے۔ پیشتر اس کے کہ میں کوئی سوال کرتا وہ لپک کر میرے قریب آیا۔ مجھے گلے لگا کر بڑے جذباتی انداز میں بولا۔

"لاڈلے .... خدا کا شکر ہے کہ تو زندہ ہے ورنہ خان دلاور استاد کو کیا منہ دکھاتا۔"

"کچھ رائفل بردار باہر بھی تھے۔" میں نے جلد بازی میں کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"میں چھت پھاڑ کر نہیں ٹپکا ہوں .... ان سب کا کریا کرم کرنے کے بعد ہی یہاں تک پہنچا ہوں اور یہ سب تیری بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔"

"میری بدولت؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"ہاں ...." خان دلاور نے سنجیدگی سے جواب دیا "اگر تمہارے اشارے پر غلام حسین نے ہمیں اطلاع نہ دی ہوتی تو شاید ابھی تک ہم اور ہمارے ساتھی تمہاری بازیابی کی خاطر چودھری نواز کے مختلف ٹھکانوں پر اس کے گرگوں کے بخیے ادھیڑ رہے ہوتے۔"

"غلام حسین ....؟" میں نے خودکلامی کے انداز میں کہا۔

"جس گیراج میں تمہیں پہلے رکھا گیا تھا وہ اس کا مالک ہے۔" خان دلاور نے میری مشکل آسان کرنے کی خاطر آگاہ کیا "کسی زمانے میں وہ بھی ہمارے ساتھیوں میں سے تھا لیکن پھر اس کے شوق کی خاطر استاد ہی نے وہ گیراج خرید کر اسے دے دیا تھا۔ اب بھی وہ ہمارا خاص آدمی ہے یہ اور بات ہے کہ استاد نے ہمیں اس کے گیراج کا رخ کرنے سے سختی سے روک دیا ہے۔ اس طرح اس کا کاروبار متاثر ہو سکتا تھا .... غالباً" چودھری نواز اور اس کے حاشیہ برداروں کو اس کا علم نہیں تھا۔"

میں حیرت سے خان دلاور کی زبانی پہلی بار غلام حسین کا نام سن رہا تھا۔ میں نے نہ کبھی اس کی شکل دیکھی تھی نہ ملاقات کی تھی اس کے باوجود خان دلاور نے وہ بات بڑے وثوق سے کہی تھی کہ غلام حسین کی فون کال ہی میری بازیابی کا سبب تھی۔ میرے ذہن میں اچانک وہ آواز ابھری جس نے استاد شیرا کی زندگی بچانے کی خاطر مجھے اشارہ دیا تھا۔ شیرا نے بتایا تھا کہ وہ پر اسرار آواز ایک دو بار اسے موت کے منہ سے بھی بچا چکی ہے۔ اس بار اسی پر اسرار آواز نے شاید قدرت کے اشارے پر میری مدد کی تھی .... میری آنکھیں فرط جذبات سے نمناک ہونے لگیں۔ یہ خداوند کریم کی کرم نوازی تھی کہ اس نے اپنے ایک حقیر اور گناہگار بندے کو رسوائی سے بچا لیا تھا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی" خان دلاور نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مجھے غور سے دیکھا "تم نے غلام حسین کو کس طرح پہچان لیا؟"

"ہو سکتا ہے اس نے مجھے راجو کے ساتھ کبھی دیکھ لیا ہو" میں نے بات بنائی۔

"ہو سکتا ہے ...." خان دلاور نے شانے اچکا کر جواب دیا پھر مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا "کام ہو گیا یا ہمارے آنے سے گڑ بڑ ہو گیا۔ ویسے چیز کچھ ایسی بری بھی نہیں تھی .... فاقہ کی صورت میں تو ابالی دال بھی حلیم کا مزہ دیتی ہے۔"

"تمہارا اندازہ غلط ہے ...." میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا "چودھری نواز کے گرگے اس لڑکی کے ساتھ میری تصاویر بنوانا چاہتے تھے لیکن تمہارے آ جانے سے ان کا خواب ادھورا رہ گیا۔"

"سمجھ گیا ...." خان دلاور ہونٹ چباتے ہوئے بولا "جس طرح ہم نے

عظمت بیگ کو اپنی مٹھی میں کیا تھا اسی طرح وہ بھی تمہیں اپنے جال میں پھانسنا چاہتے تھے۔"

"کیا تمہارے آدمیوں نے اس حرافہ کو بھی مار ڈالا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں .... وہ بے قصور ہے" خان دلاور نے کہا "معاوضہ دے کر اسے اس گھٹیا کام کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ ویسے وہ کوئی شریف زادی بھی نہیں ہے۔ شہر میں بغیر میٹر کے ہزاروں ٹیکسیاں دھندا کر رہی ہیں۔ وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔"

"کیا وہ اپنا منہ بند رکھے گی؟"

"اس کی فکر مت کرو لاڈلے" خان دلاور ایک آنکھ دبا کر مسکرایا "ہم زہریلی ناگنوں کو بھی قابو کرنا جانتے ہیں۔ کچھ دن ہمارے فاقہ مست ساتھیوں کی رفاقت میں گزارے گی تو الف کی طرح سیدھی ہو جائے گی۔"

میں خان دلاور سے بے شمار سوالات پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا' میں اسے استاد کی رہائی کے بعد ایک اڈے پر دیکھ چکا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔

"ہمیں اب نکل چلنا چاہئے۔" اس نے خان دلاور سے کہا "میدان صاف ہو چکا ہے۔"

"لاشوں کا کیا کیا؟"

"سب کو گھسیٹ گھسات کر کچن میں بند کر دیا ہے" اس نے بڑی سادگی سے پوچھا "کہو تو مٹی کا تیل چھڑک کر ماچس دکھا دوں؟"

"نہیں .... یہ کام ان کے اپنے آدمیوں کے لئے چھوڑ دو۔"

"اس چھمک چھلو کا کیا کرنا ہے؟"

"کیا مطلب؟" خان دلاور نے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"زیادہ آدمی دیکھ کر گھبرا گئی ہے" اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا "مستقل ٹسوے بہا بہا کر ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے .... میں بے قصور ہوں۔ مجھے آزاد کر دو' معاف کر دو .... اور نہ جانے کیا کیا بک رہی ہے۔"

"اور تو اس کی آہ و زاری سن کر پسیج رہا ہے؟" خان دلاور نے اسے تیز نظروں

سے گھورا "بہت زیادہ ترس آ رہا ہے اس پر؟"

"یہ بات نہیں ہے استاد' دراصل ...."

"زیادہ باتیں بنانے کی کوشش نہ کر' میں جانتا ہوں تو کس کینڈے کا بد معاش ہے لیکن ایک بات یاد رکھ' اگر استاد کو بھنک بھی مل گئی کہ تیرے لنگوٹ کی ڈوری ڈھیلی ہوتی رہتی ہے تو ننگا کر کے الٹا لٹکا دے گا۔"

"میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ اس کا کرنا کیا ہے؟" وہ ایک دم راہ راست پر آ گیا "کہو تو ایک گولی اس کے سینے میں بھی اتار دوں!"

"نہیں وہ ہمارے ساتھ جائے گی" خان ولاور نے جواب دیا "اس کا فیصلہ سردار ہی کرے گا۔"

پھر ہم باہر آ گئے جہاں فرش انسانی خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ لاشیں گھسیٹنے کے نشانات واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ عمارت کے باہر دو گاڑیاں موجود تھیں۔ میں خان ولاور کے ساتھ پچھلی گاڑی پر بیٹھ گیا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے عمارت سے باہر نکلی تھیں پھر تین گاڑیاں اور بھی مختلف سمتوں سے آ کر ہمارے قافلے میں شامل ہو گئیں۔ خان ولاورؔ میری بازیابی کی خاطر تمام کیل کانٹوں سے پوری طرح لیس ہو کر آیا تھا ....!

راستے بھر خان ولاور اور اس کے ساتھی اپنی کامیابی کی خوشی میں دشمنوں کی شان میں غلیظ لطیفے سناتے رہے اور دل کھول کر قہقہے لگاتے رہے۔

میرا ذہن بڑی سنجیدگی سے اس پر اسرار آواز کے بارے میں غور کر رہا تھا جس نے غلام حسین کے ذریعے مجھے دشمنوں کی قید سے رہائی دلائی تھی .... وہ کس کی آواز تھی جو شیرا اور اس کے جان نثار ساتھیوں کی پشت پناہی کر رہی تھی؟

خان ولاور اس وقت ضرورت سے زیادہ ہی خوش تھا۔ دوسری گاڑیوں میں اس کے ساتھی فتح کے سلسلے میں شور شرابا کرنے میں مصروف تھے۔ میں بدستور اسی آواز کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے غلام حسین کو اپنا معمول بنا کر میری رہائی کو ممکن بنا دیا تھا ورنہ جس طرح میں چوہے دان میں پھنس گیا تھا اس سے بظاہر میری گلو خلاصی ممکن نہیں تھی۔ میرے ذہن میں عظمت بیگ کے خلاف بھی لاوا ابل رہا تھا۔ شیرا نے نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر اسے دو مرتبہ معاف کر دیا تھا لیکن وہ اب بھی ہمارے خلاف دشمنی پر کمربستہ تھا۔ مجھے ڈاکٹر شبیر کا خیال بھی لاحق تھا۔ غلام حسین کے گیراج میں اسی نے میری مرہم پٹی کی تھی۔ اسے بھی عظمت بیگ کی ایما پر اسلم ڈنکا نے بطور خاص بلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے مجھے اس عمارت سے ہٹانے سے پیشتر اس نے ڈاکٹر شبیر کو بھی وہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن منتقلی کے عمل کے وقت شبیر مجھے نظر نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے لاڈلے؟" خان ولاور نے کچھ دیر بعد میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا "کیا تمہیں اپنی رہائی کی خوشی نہیں ہے یا کوئی بڑے جشن کا پلان بنا رہے ہو؟"

"میرے زخم میں اس وقت شدید ٹیس ہو رہی ہے" میں نے بات بنانے کی کوشش کی "اتفاق ہی تھا جو اچانک گھپ اندھیرا طاری ہو جانے سے مراد شاہ کا نشانہ

چوک گیا ورنہ ...."

"جب دو فریق آمنے سامنے اسلحہ سے لیس ہوتے ہیں تو ایک کی روانگی بہر حال ضروری ہوتی ہے" خان دلاور نے لاپرواہی سے جواب دیا "مراد شاہ کے مقابلے میں تمہارا زخم بہت معمولی درجے کا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"وہ ایک نمبر کا ولد الحرام تھا اب اس کے مرنے کے بعد کمان اسلم ڈنکا کے ہاتھ آ گئی ہے ورنہ مراد شاہ بڑی کتی شے تھا۔ چودھری نواز بھی اس سے پنگا لینے سے کتراتا تھا۔"

"مراد شاہ کی موت کس کی گولی سے ہوئی تھی؟" میں نے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کام راجو کی گولی نے کیا ہو گا" خان دلاور نے کہا "استاد کو ضروری اطلاع دینے کے بعد نازنین بیگم کی کوٹھی یا کوٹھے پر سب سے پہلے راجو ہی نے اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ دھاوا بولا تھا۔"

"راجو اس وقت کہاں ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن جہاں بھی ہو گا خیریت سے ہی ہو گا۔"

"کیا اس مقابلے میں اور بھی کچھ لوگ کام آ گئے ہیں؟"

"میں استاد کے ساتھ تین نمبر کے اڈے پر تھا اس لئے پوری تفصیل نہیں معلوم" خان دلاور نے کہا "استاد کو راجو اور میڈم نازنین سے بھی زیادہ تمہاری فکر پریشان کیے ہوئے تھی۔"

"اسلم ڈنکا کا کیا بنا؟" میں نے چونک کر پوچھا "تمہارے آنے سے کچھ دیر پیشتر وہ وہیں رہا ہو گا؟"

"ہماری طرح اس کے بھی اپنے ذرائع ہیں لاڈلے! ہو سکتا ہے اسے ہماری اطلاع مل گئی ہو اور وہ چھپ گیا ہو ...." خان دلاور نے دبنگ لہجے میں جواب دیا "استاد کی تو بات ہی اور ہے۔ وہ جس محاذ پر ڈٹ جائے وہاں سے تخت یا تختہ کیے بغیر نہیں ٹلتا لیکن دوسرے ایسا نہیں کرتے۔ وہ ماتحتوں کو ایندھن کی طرح جھونک کر خود

چلی گلی سے بھاگ جاتے ہیں پھر بعد میں بزدلوں کی طرح چھپ چھپا کر شبخون مارنے کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر شبیر سے تمہاری کہیں ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے اسے تفصیل سناتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اسلم ڈنکا نے بعد میں اسے گھر جانے کی اجازت دے دی ہو گی۔"

"اس یقین کی وجہ۔"

"عظمت بیگ۔" خان دلاور نے بڑے وثوق سے کہا "چودھری نواز کی زندگی میں بھی عظمت بیگ اس کے گروہ کی پشت پناہی کرتا تھا۔ اس کی موت کے بعد تو سارا عمل دخل اسی کا ہے۔ اسلم ڈنکا بھی اسی کے بل بوتے پر اچھلتا ہے۔ استاد کا خیال ہے ورنہ اب تک عظمت بیگ میرے ہی ہاتھوں خرچ ہو چکا ہوتا۔"

ہم قافلے کی صورت میں تین نمبر کے اڈے پر پہنچے جہاں استاد شیرا کسی زخمی ناگ ہی کی طرح بل کھا رہا تھا۔ اس وقت وہ باہر بیٹھک میں تھا لیکن انسپکٹر ساجد کریمی بھی وہاں موجود تھا۔ شیرا نے آنکھ کے اشارے سے ہمیں خاموش رہنے کی ہدایت کی پھر ساجد کریمی کو گھورتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمام شہر کے دلالوں کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے .... سالے مرتے ہیں تو مرا کریں میری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں لیکن اوپر والے ...." ساجد کریمی نے معنی خیز انداز میں کہا پھر دبی زبان میں بولا "تمہیں تو معلوم ہو گا کہ ان ساری باتوں کی پشت پر کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے!"

"تم اس وقت یہاں کیوں آئے تھے؟" شیرا نے سخت لہجے میں پوچھا "کیا کسی کی گرفتاری کرنی ہے؟"

"ایسا ہوتا تو میں تنہا کبھی نہ آتا" ساجد کریمی نے پہلو بدل کر کہا "میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ رات سے پورے محکمے میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ہر طرف فون کھڑکائے جا رہے ہیں۔ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ...."

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا مشورہ دو گے" شیرا اس کی بات کاٹ کر بولا "لیکن اس وقت میں کوئی مشورہ سننے یا اس پر عمل کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تمہاری مرضی ...." ساجد کریمی اٹھ کھڑا ہوا "میں اب اجازت چاہوں گا۔"

جاتے جاتے ساجد کریمی نے خاص طور پر مجھے بہت غور سے دیکھا تھا۔ اس کے تیور جتا رہے تھے کہ وہ تمام فساد کی جڑ مجھے سمجھ رہا تھا۔ میں نے اس موقع پر اس سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ بیٹھک میں شیرا کے علاوہ دو تین افراد اور بھی تھے لیکن ان میں بھی راجو نہیں تھا۔ شیرا کسی آدمخور شیر کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ غالباً مجھ سے شاکی تھا۔ اس نے میری خاطر نازو سے ملنے کی ہامی بھری تھی اور حالات کے پیش نظر مجھے اس کی کوٹھی سے دور رہنے کا اشارہ کیا تھا لیکن میں نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میری کیفیت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوتی۔

ساجد کریمی کے جانے کے بعد کچھ دیر تک مکمل سکوت طاری رہا پھر خان دلاور نے دبی زبان میں پوچھا "استاد .... میری اطلاع ہے کہ عظمت بیگ کے کیڑے کاٹنے شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے سپرے ضروری ہو گیا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے .... شیرا نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے یا آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے؟"

"میرا مطلب کچھ اور تھا استاد!" خان دلاور نے شیرا کے لہجے کی تیزی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "وہ چیت پٹ کھیلنے کی کمینگی پر کمربستہ ہو رہا ہے .... ہم نے اگر بروقت کارروائی نہ کی ہوتی تو شاید وہ شیدے کی تصویریں بھی پرائیویٹ حالت میں اتروا چکا ہوتا۔"

"اس حرامی کا شیدے اور اسلم ڈنکا سے کیا تعلق ہے؟" شیرا نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"اسلم ڈنکا نے اسے اپنا ناجائز باپ بنا رکھا ہے .... اسی کے کہنے پر چکنی چکوری کو الٹ پلٹ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔" خان دلاور نے کہا "ہم اس کنجری کو اٹھا

لائے ہیں۔ اس کا فیصلہ تم ہی کو کرنا ہو گا۔"

"ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چیر دے سالی کو۔" شیرا غرایا "نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

"میرے زخموں کی مرہم پٹی کی خاطر بھی اسلم ڈنکا نے عظمت بیگ ہی کے اشارے پر ڈاکٹر شبیر کو طلب کیا تھا۔" میں نے دبی زبان میں کہا تو شیرا نے مجھے گھور کر شاکی نظروں سے دیکھا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی تھی استاد" میں نے جلدی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو شیرا کی پیشانی کی سلوٹیں دور ہو گئیں "لیکن میری خواہش تھی کہ میں خود نازو سے مل کر اس کے دل میں جھانک سکوں۔"

"پھر .... کیا نظر آیا ....؟"

"وہ موم کی طرح پگھلنے لگی تھی۔" میں نے جلدی سے کہا "بالکل اسی طرح جس طرح کسی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے۔ میری باتوں نے اسے کمزور کر دیا تھا لیکن اس کے بعد ہنگامہ برپا ہو گیا۔"

"کھیل تو اب شروع ہو گا میری جان!" شیرا نے دانت پیستے ہوئے کہا "میرے آدمیوں نے حرام جانوروں کا شکار کبھی نہیں کھیلا لیکن اب وہ سالے ہماری ہری بھری کھیتی کی طرف رخ کرنے لگے ہیں۔ ان کی کھجلی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی علاج تو اب بہرحال کرنا ہو گا۔"

"یہ ذمہ داری مجھے سونپ دو استاد بادشاہ" خان دلاور نے بڑے جذباتی انداز میں کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تین دن کے اندر اندر ان سب کا تیاپانچا کر دوں گا۔"

"تم نے کسی کنجری کا ذکر کیا تھا" شیرا کو یاد آ گیا۔

"ہاں استاد!" خان دلاور نے میری طرف دیکھ کر بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"اس زہریلی ناگن کو اس معصوم گائے کو کھونٹے سے باندھنے کے لئے بلوایا گیا تھا۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"باہر گاڑی میں .... تم بھی ایک نظر دیکھ لو استاد دل باغ باغ ...."

"بکواس نہیں" شیرا نے اسے ٹوکا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا "کسی آدمی سے کہہ

کر اسے واپس اسی گندگی میں پھنکوا دے جہاں سے اسے لایا گیا تھا ...."

خان دلاور اٹھ کر باہر گیا تو میں کھسک کر شیرا کے کچھ اور قریب ہو گیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" شیرا نے قریب آنے کا مقصد سمجھ کر آہستہ سے کہا "سب خیریت ہے لیکن تو نے میری بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا .... اگر جانا ہی تھا تو مجھ سے کہا ہوتا۔ میں تجھے باجے گاجے کے ساتھ وہاں بھیجتا اور پھر دیکھتا کہ چودھری نواز کی ناجائز کمپنی کے چور مالکوں میں کتنا دم خم ہے .... کوئی تیری طرف ٹیڑھی نظر اٹھانے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"وہ .... راجو نظر نہیں آ رہا ہے!" میں نے سب سے پہلے راجو کے بارے میں خیریت دریافت کی۔

"تجھے سب سے پہلے راجو کا خیال کیوں آیا؟" استاد نے معنی خیز انداز میں کہا "نازنین بھی تو خطرے میں گھر گئی تھی۔"

"وہ غریب تو اسی دن سے خطروں میں گھر گئی تھی جب چودھری نواز نے زنخے پن کا ثبوت دیا تھا۔"

"بھول جا ان باتوں کو۔" شیرا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "جو اپنا عزیز ہو .... دل میں گھر کر چکا ہو اس کے ماضی کو کبھی نہیں کریدا جاتا .... بات سے بات نکلنی شروع ہوتی ہے تو بلاوجہ دل میلے ہو جاتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو استاد۔" میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا "ماضی کی یادیں بھی کبھی کبھی زہر قاتل بن جاتی ہیں۔"

"اس کی خیریت دریافت نہیں کرے گا؟" شیرا نے رازداری سے کہا۔

"وہ خیریت سے نہ ہوتی تو تم اس وقت اتنے اطمینان سے یہاں نہ بیٹھے ہوتے۔" میں نے دوسرے انداز میں دل کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

"شبیر کا سلوک تمہارے ساتھ کیسا تھا؟"

"اچھی طرح ملا تھا" میں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا "خدا جانے اس کی گلو خلاصی ہوئی بھی یا نہیں۔"

شیرا جواب دینا چاہتا تھا کہ راجو تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے

مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑی تھی پھر اس نے شیرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"استاد میں تمہارے لئے لخلخہ لے آیا ہوں۔ اسے سونگھنے سے تمہارے دماغ کو تقویت ملے گی۔ حکیم جالینوس نے بھی کسی کتاب میں یہی لکھا تھا کہ لخلخہ ہزار دواؤں کی ایک دوا ہے۔"

"کہاں رکھا ہے؟" شیرا نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

"سمندر کے کنارے۔"

"ٹھیک ہے۔" شیرا نے اٹھتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا "تم سب یہاں چوکس رہنا۔ دوسرے اڈوں کے بچوں کو بھی خبر کر دو کہ ہتھیار تیار رکھیں لیکن بلاوجہ گولیاں ضائع کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے .... یہ بھی کہ دنیا کے کسی سے نظریں نیچی کر کے بات نہ کریں۔" یہ شیرا کا حکم ہے۔ بعد میں جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا۔

شیرا نے اپنے آدمیوں کو ضروری ہدایات دے کر مجھے، راجو اور خان دلاور کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا پھر ہم باہر آ کر ایک گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ راجو نے سنبھال لی تھی۔ شیرا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر جم کر بیٹھ گیا۔ میں اور خان دلاور پچھلی نشستوں پر تھے۔

راجو نے لخلخہ کا حوالہ کسی مصلحت کی بنا پر دیا تھا۔ دوسرے کے سامنے کوئی خاص اور بہت ہی اہم بات کہنی ہوتی تو استاد شیرا کے حکم کے مطابق اسی طرح اشاروں کنایوں میں بات کی جاتی تھی۔ شیرا نے جس انداز میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی اہم مہم پر جا رہا تھا۔ میں جلدی میں اس سے یہ بھی نہ کہہ سکا کہ اس وقت میرے پاس ہتھیار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ مجھے اگرچہ کہ شیرا کی بات سے اطمینان ہو گیا تھا کہ نازو کم از کم دشمنوں کی قید میں نہیں تھی پھر بھی میں اس کی خیریت دریافت کرنے کی خاطر مضطرب تھا۔ اس کی چیخ ابھی تک میرے وجود کے نہاں خانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھی۔

مجھے وہ حسین لمحے یاد آ رہے تھے جب نازو نے پہلی بار حالات سے تھک ہار کر یا پھر میری دیوانگی کے پیش نظر اپنے آپ کو تمام اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر میرے

وجود میں ضم کرنے کی ٹھان لی تھی۔ تپتے ہوئے صحرا میں سراب بھی زندگی کو امیدوں پر قائم و دائم رکھنے کا ذریعے بن جاتا ہے میں تو پھر بھی انسان تھا۔ اس کا محبوب تھا۔ وہ بھلا کب تک مجھ سے دور رہ سکتی تھی۔ اس نے صداقتوں سے کام لے کر مجھے اپنی کتاب زندگی کے تمام اوراق پڑھوا دیئے تھے۔ کسی دھوکے یا فریب سے کام نہیں لیا۔ اس نے آخری وقت تک مجھ سے دور رہنے کی کوشش کی تھی۔ وہ مجھے ان لمحوں میں ملوث نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس کی مرضی کے بغیر چودھری نواز اور اس کے شکاری کتوں کے اشارے پر گزرے تھے لیکن جب میں نے اس کی پلکوں سے ڈھلکتے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں کی تشنگی میں جذب کیا۔ اسے بازوؤں کے حصار میں لیا تو وہ جذبوں کی تپش سے پگھل کر موم ہونے لگی تھی لیکن مراد شاہ نے درمیان میں آکر میرے حسین خوابوں کو کرچی کرچی کر دیا تھا .... میں اپنے خیالوں میں گم تھا کہ شیرا کی آواز ابھری۔ وہ راجو سے مخاطب تھا۔

"تمہیں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟"

"تو اس نے خود کو اسلحہ برداروں کی پوری فوج کے درمیان محفوظ کر رکھا تھا لیکن شاید اس کی قسمت کے ستارے گردش میں ہی تھے جو وہ مراد شاہ کا نام سن کر مجھے اندر بلانے کے بجائے خود ہی باہر آگیا۔ اس کے بعد مجھے اسے صرف دور سے ریوالور دکھانا پڑا تھا۔ وہ کسی معمول کی طرح خواب بیدار کی کیفیتوں سے دوچار خاموشی سے آکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے گارڈ مجھے اس کا کوئی واقف کار ہی سمجھے تھے۔"

"تمہارا تعاقب تو نہیں ہوا؟" شیرا نے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں استاد!" راجو نے کہا "راستے بھر نظریں کھلی رکھی ہیں .... اور وہ گاڑی بھی بدل دی جس پر اسے ساتھ لایا تھا۔"

بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی تھی پھر جب راجو نے ساحلی علاقے میں ایک دور دراز مقام پر بنی ہوئی ہٹ کے سامنے گاڑی روکی اور ہم اندر داخل ہوئے تو میرا اندازہ صد فی صد درست ثابت ہوا۔ وہ عظمت بیگ کے سوا کوئی اور نہیں تھا جو رسیوں میں بندھا کسی گٹھری کی طرح فرش پر پڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا

گیا تھا جس کی وجہ سے وہ کرب کی حالت سے دوچار تھا۔ ہٹ کے باہر مقامی چوکیداروں کے لباس میں جو لوگ نظر آئے تھے وہ شیرا کے خاص آدمی ہی تھے۔ یہ بات مجھے خان دلاور نے بتائی تھی۔

شیرا کے ساتھ مجھے' خان دلاور اور راجو کو دیکھ کر عظمت بیگ کی خوفزدہ نگاہوں میں موت کے سائے لہرانے لگے تھے۔ وہ جن حالات کے پیش نظر اغوا کیا گیا تھا اس کے انجام سے بھی یقیناً بے خبر نہیں ہوگا۔ شیرا کے اشارے پر راجو نے اس کے حلق سے کپڑا نکال لیا اور بندشیں اتنی ڈھیلی کر دیں کے کم از کم وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ شیرا اسے بڑی خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ عظمت بیگ نے کئی بار بولنے کی کوشش میں منہ چلانے کی کوشش کی لیکن آواز شاید اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی!

"تمہیں شاید علم نہ ہو حرامزادے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مراد شاہ کا قصہ پاک ہو چکا ہے۔" شیرا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" عظمت بیگ نے بمشکل کہا "میں نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ ...."

"خنزیر کی نسل!" شیرا گرجا "اسلم ڈنکا نے میرے ایک ساتھی کو اپنی قید میں رکھا تھا۔ اس نطفہ نا تحقیق نے تمہارے اشارے پر میرے آدمی کے ساتھ وہی تصویروں والا گیم کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ کیا تم نے حرامی پن کا مظاہرہ نہیں کیا؟"

عظمت بیگ ہونٹ چبا کر رہ گیا۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔

"ڈاکٹر شبیر کا نام اسلم ڈنکا کو کس نے بتایا تھا؟" شیرا بڑے سرد لہجے میں بولا۔

"میں نے"

"کیوں؟" شیرا کی آواز دوبارہ کرخت ہو گئی "بہت چربی چڑھ گئی ہے تیری سور جیسی کھال پر' کیا میں نے اپنے آدمیوں کو تیرے خون سے ہاتھ رنگنے کو منع نہیں کیا تھا؟ یاد ہے تجھے؟"

"ہاں۔"

"پھر تو نے شیرا سے ٹکرانے کی غلطی کیوں کی؟"

"مم .... میں ایک آخری بار اور معافی چاہتا ہوں" عظمت بیگ نے سہمے ہوئے انداز میں کہا "آج کے بعد تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی میں اسلم ڈنکا کو بھی سمجھا دوں گا۔"

"یہ دوغلا ہے سردار!" خان دلاور نے تیزی سے کہا "اس کی باتوں میں مت آنا۔ اگر یہ ولد الحرام ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ہمارے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور کھڑی کرے گا۔"

"میرا تو مشورہ ہے کہ اب اس کی کھاٹ کھڑی کرنی ضروری ہو گئی ہے۔" راجو نے حقارت سے خان دلاور کی تائید کی "جو شخص مذہب میں ملاوٹ کر کے حرام مال کھینچ رہا ہو وہ کبھی راہ راست پر نہیں آ سکتا۔"

"اسلم ڈنکا اس وقت کہاں ہو گا؟" شیرا نے عظمت بیگ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"مم .... مجھے نہیں معلوم۔"

"کون سی موت پسند کرے گا .... مردوں والی یا ہیجڑوں جیسی؟"

"میری بات کا اعتبار کرو شیرا" عظمت بیگ پھر گڑگڑانے لگا "میں اب اس راستے سے بھی نہیں گزروں گا جس پر تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے قدموں کے نشان ہوں گے۔"

"کیا ضمانت دے سکتا ہے؟"

"جو تمہیں منظور ہو"

"اسلم ڈنکا کی لاش .... وہ بھی تین ٹکڑوں میں" شیرا نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اس کے علاوہ پچاس لاکھ روپے زرضمانت .... یہ دونوں کام چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہو جائیں۔"

"مجھے کچھ مہلت اور دے دو' اتنی جلدی میں ...."

"خان دلاور!" شیرا نے سرسراتی آواز میں خان دلاور کی طرف دیکھ کر کہا "تم اسے اپنی زبان میں سمجھانے کی کوشش کرو کہ شیرا کمینوں کو مہلت دینے کا عادی نہیں ہے۔"

عظمت بیگ نے جواب دینے کی خاطر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن خان دلاور کو جیسے شیرا کی اجازت ہی کا انتظار تھا۔ وہ بجلی کی طرح ہوا میں کوندا پھر اس نے عظمت بیگ کا بایاں ہاتھ تھام کر قلابازی کھائی تو عظمت بیگ کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ اس کا ہاتھ شانے سے ٹوٹ کر لٹک گیا تھا۔ قلابازی کے بعد قدم زمین سے لگتے ہی خان دلاور نے دوبارہ جست لگائی۔ اس بار اس کی فلائنگ کک عظمت بیگ کے منہ پر پڑی تو خون کا فوارہ ابل پڑا۔ ایک دو دانت بھی جڑ چھوڑ چکے ہوں گے۔ خان دلاور نے تیسری بار پینترا بدلا لیکن شیرا نے اسے روک دیا۔

"عظمت بیگ!" شیرا نے گرج کر کہا "تمہارا سورج غروب ہونے کا وقت آ گیا ہے کوئی آخری خواہش ہو تو کہہ گزرو۔ اس کے بعد تمہیں کفارہ ادا کرنے کا کوئی موقع بھی نہیں میسر آئے گا۔"

"کیا تم میری آخری آرزو پوری کرنے کا عہد کرتے ہو؟"

"تم ایک مرد سے بات کر رہے ہو اور مرد قول کا دھنی ہوتا ہے"

"تو پھر مجھے معاف کر دو" عظمت بیگ نے بڑی رقت آمیز آواز میں کہا "میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

شیرا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ وہ بڑی اضطرابی کیفیت میں دونوں ہاتھ مل رہا تھا۔ ہٹ میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ خان دلاور کی نظریں شیرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میری اور راجو کی کیفیت بھی خان دلاور سے مختلف نہیں تھی۔

"استاد!" خان دلاور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "تم اس کم ذات کو دو بار آزما چکے ہو۔ اب اس کے جھانسے میں مت آنا۔ مجھے حکم دو کہ میں اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکال کر آبی جانوروں کے حوالے کر دوں۔"

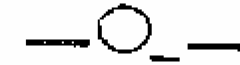
"نہیں۔" شیرا نے اس بار ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں نے اس حرامی کو قول دیا ہے ...."

"سانپ کو دودھ پلانا دانشمندی نہیں ہوتی استاد!" خان دلاور تلملا کر بولا "یہ پھر غداری کر کے ہمیں ڈنکا سے مروانے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"راجو!" شیرا نے خان دلاور کی بات نظرانداز کر کے راجو کو مخاطب کیا "عظمت بیگ کو لے جا کر اس کے گھر کے قریب چھوڑ آ۔"

"میں تم سے غداری نہیں کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے" عظمت بیگ نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"بند رکھ اپنی گندی زبان" شیرا نے عظمت بیگ کو گھور کر نفرت سے جواب دیا پھر پلٹ کر ہٹ سے باہر آ گیا۔ میں نے اور خان دلاور نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔ مجھے تعجب تھا کہ اگر عظمت بیگ کو معاف ہی کرنا تھا تو پھر اس کو راجو کے ذریعے اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا شیرا نے واقعی اپنا قول پورا کیا تھا یا پھر وہ عظمت بیگ کو چھوڑ کر کوئی نئی چال چلنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔؟؟



میں دارالاسلام میں اپنی خوابگاہ میں تنہا لیٹا حالات پر غور کر رہا تھا۔ ساحلی علاقے سے واپسی پر ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ انسان نے خدا کو دیکھا نہیں لیکن عقل سے پہچان کر اس کی حقیقت پر ایمان لے آیا۔ شیرا کے اصول چٹانوں کی طرح ٹھوس تھے۔ اس کو نازو کی کوٹھی پر ہونے والے حادثے سے لے کر میری بازیابی تک ایک ایک لمحے کی اطلاع ملتی رہی ہو گی۔ وہ میرے زخمی ہونے کی خبر ملتے ہی تڑپ اٹھا ہو گا پھر جب اسے عظمت بیگ کے سلسلے میں اس بات کا علم ہوا ہو گا کہ وہ قدم قدم پر ہمیں اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہو گا۔

عظمت بیگ پہلو دار شخصیت کا مالک تھا۔ مذہبی حیثیت میں اسے ملک گیر شہرت حاصل تھی۔ لوگ اس کی عقیدت اور احترام کرتے تھے۔ وہ اپنی چرب زبانی سے بھولے بھالے اور نیک دل عوام کے دلوں کو تسخیر کرنے کے فن سے بخوبی واقف تھا۔ اس کی کاروباری حیثیت بھی بڑی مستحکم تھی۔ حکومت کے ساتھ بھی اس نے باقاعدہ سازباز کر رکھی تھی اور اپنی ذہانت کی وجہ سے دونوں دھڑوں میں ساکھ جما رکھی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ شیرا کس کینڈے کا بدمعاش ہے۔ اس کے چنگل سے نکل جانا ایسا

ہی تھا جیسے موت کے منہ سے نکل جانا۔ شیرا نے اس کی ننگی تصویریں اتروانے کے بعد اسے رہا کیا تھا جس نے یقیناً عظمت بیگ کو کم از کم شیرا کا غلام بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ شیرا کے آدمیوں سے بچنے کی خاطر اس نے اپنے حفاظتی انتظامات بھی پہلے کے مقابلے میں اور سخت کر دیئے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تصاویر کا توڑ کرنے کا منصوبہ بھی بنا رہا ہو گا۔

میرے اغوا کے بعد اس نے اچانک اپنی کارروائی تیز کر دی تھی۔ اپنی ساکھ بچانے کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن بروقت اسی پراسرار آواز نے جو کئی موقعوں پر شیرا کی مدد کر چکی تھی کسی طرح گیراج کے مالک غلام حسین کے ذریعے شیرا کے گروہ کو میرے بارے میں آگاہ کر دیا۔ خان دلاور کو میری بازیابی کا حکم دینے کے بعد شیرا نے یقیناً عظمت بیگ کا قصہ پاک کر دینے ہی کی خاطر راجو کو اسے اٹھا لانے کا حکم دیا ہو گا۔ راجو نے زندگی داؤ پر لگا کر عظمت بیگ کو ساحلی علاقے کی اس ہٹ تک پہنچا دیا تھا جو شیرا کی ملکیت تھی لیکن اتنی دوڑ دھوپ کا نتیجہ کیا نکلا؟ شیرا نے عظمت بیگ کی آخری خواہش پر اسے معاف کر دیا تھا۔ یہ اس کا ذاتی قانون تھا ورنہ قانون میں بھی ایسی کوئی شق موجود نہیں جس کی بنا پر پھانسی کے مجرم کو صرف اس کی آخری خواہش کی بنا پر معاف کر دیا جائے۔

میں بڑی سنجیدگی سے شیرا کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ ہٹ میں عظمت بیگ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو سرخی نمودار ہوئی تھی وہ اس بات کی ضمانت تھی کہ عظمت بیگ کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ خود شیرا نے بھی اس سے کہا تھا کہ "تمہاری زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے" لیکن پھر شیرا کا غصہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ عظمت بیگ کو آزاد کرنے کے بعد اسے ایک چپ سی لگ گئی تھی .... آخر کیوں؟ وہ کون سی طاقت تھی جس نے شیرا جیسے پتھر دل کو یکدم موم بنا دیا تھا؟

میرے بازو کی تکلیف خاصی کم ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر شبیر نے یقیناً بڑی توجہ سے میری مرہم پٹی کی تھی۔ اس کے دل میں میرے خلاف کوئی زہر، کینہ یا بغض ہوتا تو وہ میرے زخموں کو بگاڑ بھی سکتا تھا۔

اچانک قدموں کی آواز سن کر میں نے نگاہوں کا زاویہ تبدیل کیا تو راجو کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"عظمت بیگ کے سلسلے میں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟" میں نے تیزی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل نہیں" راجو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا پھر بولا "برادر غیب کے حالات خدا کے سوا کسی اور کو نہیں معلوم لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ کتے کی دم اب سیدھی ہو گئی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"عظمت بیگ کی بات کر رہا ہوں" راجو نے سنجیدگی سے کہا "وہ واپسی میں مجھے اپنی خوابگاہ تک لے گیا تھا۔ اس کے محافظوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اگر وہ اشارہ کر دیتا تو شاید ان کے حصے میں میرے جسم کی دو چار بوٹیوں سے زیادہ نہ آتیں لیکن عظمت بیگ نے خلاف توقع میری بڑی آؤ بھگت کی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو یہی بتایا تھا کہ میں اس کا محسن ہوں۔"

راجو مجھے مزے لے لے کر عظمت بیگ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحوں کی تفصیل سناتا رہا۔ وہ چپ ہوا تو میں نے شیرا کے بارے میں ذکر چھیڑ دیا۔ راجو خاموشی سے میری شکل دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں نے استاد کو بہت قریب سے دیکھا ہے برادر! اس وقت پورے شہر کے طول و عرض میں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ ایک اشارہ کر دے تو اس کے قدموں میں دولت کے انبار لگ سکتے ہیں۔ چاقوزنی میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے لیکن وہ اسے بھی آخری موقع پر آخری حربے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ وقت اور حالات نے اسے مجبوراً" غلط راستے کا مسافر بنا دیا ہے .... بالکل ہماری اور تمہاری طرح۔ ورنہ اس کے جسم کے اندر جو انسان پرورش پا رہا ہے وہ بڑا ہی نیک اور شریف ہے۔ عظمت بیگ کو معاف کر دینے کی وجہ میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکی لیکن ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو۔ ہو سکتا ہے قدرت استاد کی رہنمائی کر رہی ہو۔"

"خان دلاور نے مجھے بتایا تھا کہ غلام حسین کے ذریعہ میں نے اسے مخبری کرائی تھی۔"

"کیا حقیقت یہ نہیں تھی؟" راجو نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"نہیں۔" میں نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا "میں نے تو غلام حسین کی شکل بھی کبھی نہیں دیکھی۔"

"پھر اسی نیلی چھتری والے کی مہربانی ہے" راجو نے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہی پراسرار آواز جس نے استاد کے سلسلے میں تم سے کام لیا تھا اس بار غلام حسین کے ذریع تمہاری مدد کی ہو!"

"وہ کس کی آواز ہو سکتی ہے؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے" راجو نے سرد آہ بھر کر جواب دیا "میں بھی اتنے عرصے سے اسی عمارت کے نیچے سانس لے رہا ہوں لیکن میں نے کبھی اس کی آواز نہیں سنی، تم خوش قسمت ہو جو تم نے اس مقدس آواز سے خواب میں باتیں کر لیں۔"

ہمارے درمیان اس پراسرار آواز کی باتیں ہوتی رہیں، شیرا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوئی۔ گروہ کے سلسلے میں کچھ انکشاف ہوئے پھر اچانک راجو نے مجھے عجیب ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"برادر! تم نے ابھی تک اپنی نازو کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا!"

"مجھے یقین ہے کہ وہ جہاں بھی ہے محفوظ ہاتھوں میں ہے۔"

"اس یقین کی کوئی وجہ؟"

"اگر اسے کوئی خطرہ ہوتا تو سب سے پیشتر استاد یا پھر تم مجھے اس سے ضرور آگاہ کرتے" میں نے اطمینان سے کہا پھر بولا "اب جب نازو کا ذکر آ ہی گیا ہے تو تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ اس غریب پر کیا گزری۔ بے ہوشی سے دوچار ہونے سے پیشتر میں نے آخری بار اس کے چیخنے کی آواز سنی تھی۔"

"مراد شاہ کے برسٹ مارنے کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو کر چیخی تھی" راجو نے مسکرا کر کہا "اسے یقین تھا کہ حرام کاری کی منڈی کے بیوپاری اس کی زندگی کا چراغ گل کر کے خود اپنے پیٹ پر لات مارنے کی حماقت کبھی نہ کریں گے۔ موٹی سی بات

ہے برادر' انسان جس تھالی میں کھاتا ہے اس میں سوراخ نہیں کرتا۔"

"نازو اس وقت کہاں ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"سوری برادر!" راجو یکلخت سنجیدہ ہو گیا "اس کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"کیوں؟"

"اس کیوں کا جواب بھی تمہیں استاد ہی دے سکتا ہے" راجو نے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "جب تمہارا دل گواہی دے چکا ہے کہ نازو خیریت سے ہے تو پھر تمہارے اندر یہ اتھل پتھل کیوں ہو رہی ہے؟"

"ہم جن حالات میں علیحدہ ہوئے تھے وہ زیادہ اچھے نہیں تھے۔"

"کیا تمہیں مجھ سے کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں ہے؟" راجو نے میری بات نظر انداز کر کے سوال کیا۔

"کس بات کا؟"

"میری ایک لمحے کی غفلت کی وجہ سے مراد شاہ کی کوئی گولی ...."

"شرمندہ مت کرو راجو!" میں نے بڑے خلوص سے کہا "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ اگر تم نے نازو کو میرے بارے میں خبر نہ دی ہوتی اور اس نے اپنی کسی کنیز کو میری حفاظت پر مامور نہ کیا ہوتا تو شاید میں اس کی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوتے ہی چودھری نواز کے شکاری کتوں کی گولیوں کا نشانہ بن چکا ہوتا۔"

"اسی لئے کہتا ہوں برادر کہ ایک سے دو کی رائے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔"

راجو نے مسکرا کر جواب دیا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اگر تم مجھ سے اپنا دل کا حال بیان کئے بغیر چلے گئے ہوتے تو شاید اس وقت صورت حال کچھ اور ہوتی .... میں تمام زندگی استاد کو اپنا چہرہ دکھانے کے قابل نہ رہتا .... خود میرا ضمیر بھی آخری سانسوں تک مجھے ملامت کرتا رہتا .... یہ اور بات ہے کہ استاد اس کے بعد چودھری نواز کے ٹھکانوں کو کھنڈر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ ان تمام لوگوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیتا جس پر دشمن ہونے کا معمولی سا شبہ بھی ہوتا لیکن تمہاری کمی تو پھر بھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔"

"راجو! کیا استاد مجھ سے واقعی اتنا پیار کرتا ہے؟"

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" راجو نے کہا "تم استاد کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"اور تم بھی مجھے اپنا دوست اور بھائی سمجھتے ہو۔"

"کہنے اور کر گزرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے برادر!" راجو نے جذباتی انداز میں جواب دیا "جب جی میں آئے آزما کر دیکھ لینا۔"

"اور اگر تم سرد و گرم کا خیال کر کے پیچھے ہٹ گئے تو؟"

راجو میرا جواب سن کر چونکا' اس کے چہرے پر یکلخت کرب کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ اسے مجھ سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ میری نگاہوں میں جھانکنے لگا۔ شاید اسے اپنی قوت سماعت پر شبہ ہو رہا تھا۔ کمرے میں ایک لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا پھر راجو نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"سرد اور گرم کا خیال وہ رکھتے ہیں برادر' جن کو زندہ رہنے کی کوئی خواہش ہو۔ میں تو ایک مشین ہوں جس کا ریموٹ قدرت نے استاد کے ہاتھ میں دے رکھا ہے .... وقت اور حالات نے میرے راستے کا کانٹا ضرور بدل دیا ہے لیکن میرا ضمیر اب بھی زندہ ہے۔"

"آزمائش صداقت کی کسوٹی ہوتی ہے۔" میں نے بدستور سنجیدگی سے کہا "کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکو گے؟"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو برادر ...." راجو کی آواز فرط جذبات سے بھرا گئی "کیا میری محبت میں کوئی کمی محسوس کی ہے تم نے؟"

"ہاں!"

"کیا؟"

"نازو!" میں نے مسکرا کر ماحول کی آلودگی کو دور کرتے ہوئے کہا "تم میری دل کی کیفیت سے واقف ہو۔ تمہیں علم ہے کہ نازو کہاں ہے لیکن تم مجھے اس کا پتہ بتانے سے گریز کر رہے ہو۔"

"تم سے خدا سمجھے برادر!" راجو نے اطمینان کا سانس لیا "میں تو واقعی اندر سے

وہل کر رہ گیا تھا۔"

"چلو اب ہٹا دو۔" میں نے اسے پیار سے دیکھا "صبح کا بھولا شام کو بھی گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔"

"ٹھہرو .... میں استاد کو فون کر کے اس کی اجازت لے لوں" راجو نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"رہنے دو .... میں سمجھ گیا کہ نازو کسی محفوظ قلعہ میں اطمینان سے ہو گی۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض کروں برادر' کہ مراد شاہ کی موت میں میرا اور استاد کا برابر کا ہاتھ شامل ہے۔" راجو نے کہا "میں نے نازو کے علاوہ استاد کو بھی بتا دیا تھا کہ تم سر پر کفن باندھ کر اپنی محبت کو آزمانے گئے ہو .... اس خبر کو سن کر استاد بھنا گیا تھا۔ غصے میں اس نے دو چار موٹی موٹی گالیاں بھی دی تھیں پھر سارا جوابی آپریشن اسی کی ہدایت کے مطابق ہوا تھا۔ ہمارے آدمی مراد شاہ اور اس کے گرگوں کو چارپائی کے کھٹملوں کی طرح گرم پانی سے نتھارنے میں مصروف تھے۔ بارود کی خوشبو کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے لیکن استاد تمہاری نازو کو اس نشے کا عادی نہیں بنانا چاہتا تھا۔ وہ فوری طور پر اسے لے کر تھائیں ٹھوں کے ماحول سے دور نکل گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم تمہارا خیال رکھیں گے اور ہم یہ سمجھ رہے کہ استاد نازو کے علاوہ تمہاری حفاظت کا بھی بندوبست کرے گا۔ بس اسی غلط فہمی کا فائدہ اٹھا کر دشمن تمہارے اوپر ہاتھ صاف کر گیا .... اس سلسلے میں بھی جب استاد کو حالات کا علم ہوا تو اس کی جھلاہٹ قابل دید تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی سب سے عزیز شے اس سے چھین لی ہو۔"

"میں استاد کے ان احسانوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" میں نے خلوص دل سے کہا۔

"خان دلاور کو اس بات پر بڑا ناز تھا کہ استاد کی نظروں میں جو مقام اسے حاصل ہے کوئی دوسرا اس کا حقدار نہیں بن سکے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ استاد اسے بہت چاہتا ہے۔ خان دلاور نے بھی کئی موقعوں پر استاد کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ لیکن تم نے نہ جانے کس چور دروازے سے نقب لگا کر استاد کے دل پر اپنا تسلط جما لیا" راجو نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ایک بات اور بھی ہے .... استاد کے

دل میں نازو کے لئے بھی ہمیشہ سے ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ وہ اسے عزت کا کوئی مقام دینے کا خواہشمند تھا لیکن کسی مناسب بندے کا انتخاب اس کے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ تمہارے آ جانے سے جب اسے تمہارے ماضی کی رنگین داستان کا علم ہوا تو سارا مسئلہ حل ہو گیا .... استاد کی عمر پر نہ جانا برادر' اس کے اندر ہزاروں پاکیزہ جذبے نہ جانے کتنے ہزار سالوں سے پرورش پا رہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ استاد کسی دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر درویش بن جائے گا۔"

ہمارے درمیان شیرا کی نجی زندگی کے بارے میں بڑی تفصیل سے باتیں ہوتی رہیں پھر راجو بھی کمر سیدھی کرنے کی خاطر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہو گیا تھا کہ نازو شیرا کے پاس ہے۔ میں بھی آنکھ بند کر کے لیٹ گیا!!

دوسری بار بھی میری پٹی تبدیل کرنے کی خاطر شبیر کو بلایا گیا۔ راجو کی موجودگی میں شبیر نے پوری توجہ سے میرے زخموں کا معائنہ کر کے پٹی باندھنے کے بعد کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گولی نے ہڈی کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

"خطرے کی تو کوئی بات نہیں ہے؟" راجو نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ دو پٹی اور ہو گی اس کے بعد ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے دیانت داری سے اپنا فرض پورا کیا۔" راجو نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"میں ڈاکٹر ہوں اور ڈاکٹر ہمیشہ زندگی بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ خواہ مریض اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو" شبیر نے راجو سے کہا پھر میری طرف دیکھ کر بولا "رشید صاحب کا شمار تو میرے محسنوں میں ہوتا ہے۔"

"شکر ہے کہ میری قید بامشقت کام آ گئی" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً" ڈاکٹر شبیر نے اعتراف کیا "ورنہ آج میں اس مقام پر نہ ہوتا۔"

راجو کچھ جواب دینا چاہتا تھا کہ شیرا آ گیا۔ خان دلاور بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شیرا نے بھی شبیر سے میرے زخم کے بارے میں دریافت کیا۔ راجو نے اتنی دیر میں چائے وغیرہ کا اہتمام کر لیا تھا۔ چائے کے دور پر ہمارے درمیان ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر شبیر کے جانے کے بعد شیرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"شہزادے' میں اس وقت تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"حکم دو استاد" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پہلے ایک وعدہ کر۔" شیرا نے بڑی سنجیدگی سے بزرگانہ انداز میں کہا "جو کچھ میں کہوں گا تو اس میں چپڑ چپڑ نہیں کرے گا۔ مین میخ نکالنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا۔ بس چپ چاپ کر کے میری بات مان لے گا۔"

"استاد!" میں نے شکوہ کیا "کیا تمہیں اپنے شہزادے پر اعتماد نہیں ہے یا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے؟"

شیرا میرا جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہے۔ کچھ دیر مکمل سکوت طاری رہا۔ میں شیرا کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی بہت ہی اہم فیصلہ سنانے والا تھا لیکن جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا شاید اس کے لئے اسے صحیح اور مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"شہزادے!" شیرا نے کچھ توقف کے بعد کہنا شروع کیا "میرے کاندھوں پر اچانک ایک بھاری بوجھ آن پڑا ہے۔ قدرت شاید میرا امتحان لینا چاہتی ہے۔ میری خواہش ہے اس امتحان میں تو میرا ساتھ دے .... میں آج تک کبھی نہیں ہارا .... تو اگر پیچھے ہٹ گیا تو یہ میری پہلی ہار ہو گی۔"

"تم نے مجھے جینے کا سہارا دیا ہے' سر چھپانے کی جگہ دی ہے' باعزت پناہ دی ہے' پھر میں احسان فراموش کیسے ہو سکتا ہوں؟"

"بات ادلے بدلے کی نہیں ہے" شیرا پہلو بدل کر بولا "میں تم پر اپنا کوئی فیصلہ مسلط بھی نہیں کرنا چاہتا۔ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ جو بات بھی ہو دل کی گہرائی سے ہو .... زبردستی اور لحاظ مروت کا سودا نہ ہو۔"

"تم کہو تو استاد!" میں نے پورے اعتماد سے کہا "میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"نازنین میرے پاس ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دشمنوں کی کوئی گولی اس کے وجود کو چاٹ نہیں گئی۔ میں چاہتا ہوں شہزادے کہ تو اسے سچے دل اور ایمانداری سے قبول

کر لے لیکن اس شرط پر کہ جو غلطیاں اس کے کمزور بازوؤں کے بس سے باہر تھیں تو انہیں معاف کر دے گا۔"

"میں اسے قصور وار نہیں سمجھتا۔" میں نے بیحد سنجیدگی سے کہا "اس کو شریک حیات بنانا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔"

"میری ایک درخواست اور بھی ہے" شیرا نے کہا "نازنین سے دو بول پڑھوانے کے بعد تو ہم سب سے سارے رشتے ناتے توڑ لے گا۔"

"استاد!" میں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن شیرا نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"میں سمجھتا ہوں میری جان! کہ یہ شرط بڑی کٹھن ہے۔ گوشت ناخن سے جدا ہو جائے تو تکلیف نا قابل برداشت ہوتی ہے۔ مجھے اور میرے سنگی ساتھیوں کو بھی تمہاری جدائی کا غم ہو گا لیکن جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ تمہاری اور نازنین کی بھلائی کے لئے کر رہا ہوں۔ نازنین جو دکھ برداشت کر چکی ہے وہی بہت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے پھر کوئی تکلیف اٹھانی پڑے۔"

خان دلاور اور راجو بھی شیرا کی دوسری شرط سن کر کسمسائے تھے لیکن انہوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا شاید انہیں بھی میری بہتری منظور تھی۔

"میں تم لوگوں سے بچھڑ کر کہاں جاؤں گا؟" میں نے اپنی کم مائیگی کا اظہار کیا "میرا مستقبل تو اسی دن تباہ ہو گیا تھا جب قانون کے محافظوں نے مجھے تین سال بامشقت قید کی سزا کا حکم سنا کر ایک باعزت سوسائٹی سے گھسیٹ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ میرے پاس سر چھپانے کا کوئی اپنا ٹھکانا نہیں ہے۔ میں نازو کو ساتھ لئے کہاں در بدر کی خاک چھانتا پھروں گا۔"

"ایسی دل چھلنے کی باتیں مت کرو شہزادے" شیرا نے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیا "تو تو میرے دل کا ٹکڑا ہے رے .... میرے ہوتے تجھے کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر تو نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں نازنین کو خالی ہاتھ اپنے گھر سے رخصت کر دوں گا؟"

"سب کچھ بڑے دھوم دھڑکے سے ہو گا استاد!" خان دلاور نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہم اپنے لاڈلے کی شادی پر دل کے سارے ارمان پورے

کریں گے .... ایسا جشن کریں گے کہ پورا شہر دیکھے گا۔"

"ہم اپنے سارے ٹھکانوں پر خالص گھی کے چراغ جلائیں گے" راجو میری طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ کر بولا "برادر کی شادی پر میں دل کھول کر ناچوں گا۔ جم جما کر تاک دھنا دھن ہو گی۔"

"نہیں۔" شیرا نے کچھ سوچ کر ہونٹ چباتے ہوئے کہا "ایسا کچھ نہیں ہو گا .... نازنین اور شیدے کی رسم نکاح بڑی سادگی اور خاموشی سے ہو گی۔ میں گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ کسی اور کو دعوت نہیں دونگا۔ رخصتی بھی خاموشی سے ہو گی۔"

"یہ تو ظلم ہو گا استاد!" خان دلاور نے آواز بلند کی "بغیر شور شرابے اور ٹھائیں ٹھوں کے کیا خاک مزا آئے گا اور پھر ہم کوئی چوری نہیں کر رہے کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہو۔ یہی تو ایک موقع آئے گا جب ہم ...."

"فضول باتیں کم کیا کر۔" شیرا نے خان دلاور کی بات کاٹی تو راجو بھی ہاتھ مسل کر رہ گیا۔

مجھے ایک بار پھر اپنی اور نازو کی بے بسی کا بڑی شدت سے احساس ہوا' شیرا ہماری شادی پر دھوم دھڑکے کے خلاف نہیں تھا۔ لیکن وہ مصلحتاً" ہنگامے بپا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ نازنین کے پرستاروں کی شہر میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اسلم ڈنکا اور اس کے ساتھی وقتی طور پر پسپا ضرور ہو گئے تھے لیکن وہ آسانی سے نازنین کے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ جس کو ایک بار حرام کھانے کی عادت پڑ جائے وہ کام دھندے سے کترانے لگتا ہے۔ نازنین تو ان کے لئے کلشی تھی .... شیرا نہیں چاہتا تھا کہ اسلم ڈنکا کے ساتھی اور نازنین کے پرستار ہمارے دشمن بن جائیں۔ اس کی سوچ غلط نہیں تھی۔

"تو کیا سوچنے لگا شہزادے؟" شیرا نے میرے چہرے کو کسی کھلی کتاب کی طرح پڑھتے ہوئے کہا پھر جلدی سے بات بنا کر بولا "دل چھوٹا کیوں کرتا ہے۔ میں نے تجھے بھی اپنا کہا ہے۔ اپنا سمجھا ہے۔ تم لوگوں کے سوا اور کون ہے میرا۔ میں تمہارا خیال نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔" شیرا نے لمبی سانس بھر کر بات آگے بڑھائی "میں

تجھے اتنی رقم تو آسانی سے دے سکتا ہوں کہ تو اپنا کوئی آشیانہ خرید سکے۔ اس شہر میں اپنے کئی ٹھکانے ہیں۔ تو چاہے تو ان میں سے کوئی پسند کر لے لیکن میرا مشورہ ہے کہ تو اس شہر کو ٹھوکر مار کر اور کسی جگہ جا کر اپنا گھر بسا لے۔ یہاں رہے گا تو تیرے زخم رستے رہیں گے۔ راہ چلتے گلیوں کے کتے بھی بھونکتے رہیں گے۔ کیا دھرا ہے یہاں؟ روشیاں' رت جگے اور خالی دکھاوے کی ٹیم ٹام۔ نوکری کرنے میں اب وہ پہلی جیسی عزت نہیں رہی۔ دوسروں کی چمچہ گیری کرتے رہو تو دال روٹی مشکل سے چلتی ہے اور اگر بڑے صاحب کی پیشانی پر بل آ گیا تو ادھر ادھر دھکے کھاتے پھرو۔ میں تو کہتا ہوں کہ کسی چھوٹے سے شہر یا گاؤں میں جا کر اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار جما لے' وہ وقت کی عزت کی روٹی بھی ملتی رہے گی اور کسی سالے کی غلامی بھی نہیں کرنی پڑے گی۔ مجھے نازنین سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ وہ ہر حال میں تیرے ساتھ خوش رہے گی۔ زندگی گزارنے کی خاطر اور کیا چاہیے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو استاد لیکن وہاں تم سب تو نہیں ہو گے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا "میں تم لوگوں میں گندھ کر رہ گیا ہوں۔ تم سے کٹ کر کیسے رہ سکوں گا؟"

"پہلے بھی تو اکیلا ہی تھا نا۔" شیرا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اگر قسمت میں گردش نہ ہوتی تو آج تو بھی کسی بڑے ہسپتال میں ڈاکٹر لگا ہوتا' یہ تو بس ایک اتفاق تھا کہ ہمارا ٹکراؤ ہو گیا۔ منزل کی راہ میں ایسے پڑاؤ آتے رہتے ہیں۔ انسان اگر ایک جگہ رک کر بیٹھ جائے تو پھر زندگی کی گاڑی ٹھپ ہو جائے گی .... سفر میں مسافر ملتے ہیں۔ دو گھڑی مل بیٹھ کر غم غلط کرتے ہیں پھر سب اپنی اپنی منزل کی طرف نکل جاتے ہیں .... تو اس وقت جہاں ہے یہ تیری منزل تو نہیں ہے" شیرا نے زور دے کر کہا "اور پھر نازنین کی زندگی کا سوال بھی ہے۔ اس نے تیری خاطر جتنے پاپڑ بیل لئے ہیں وہی بہت ہیں۔ وہ عورت ہو کر اپنا فرض نبھا چکی ہے۔ اب تیری باری ہے شہزادے .... یاری دوستی اور رشتے ناتے تو چلتے رہتے ہیں اور پھر تو نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم تجھے بھول جائیں گے؟ تو تو خوشبو بن کر ہماری زندگی میں رچ بس گیا ہے .... ہم تجھ سے ملتے جلتے رہیں گے۔"

"استاد ٹھیک ہی کہہ رہا ہے براور!" راجو نے اپنے دل پر جبر کر کے شیرا کی بات کی تائید کی "تم اپنا گھر بسا لو گے تو ہم بھی بھائی والے بن جائیں گے، تمہارے گھر مہمان بن کر ٹپکتے رہیں گے۔ لیکن ایک بات کا خطرہ بھی ہے ...."

"وہ کیا؟"

"تم دو چار معصوم اور پیارے پیارے بچوں کے باپ بن جاؤ گے تو شاید اپنی دنیا میں مگن ہو کر ...."

"آگے کچھ نہ کہنا راجو!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں راجو کو ٹوک دیا "میں سمجھ رہا ہوں تم سب میری بھلائی چاہتے ہو لیکن مجھے اتنا کم ظرف بھی نہ سمجھو کہ میں تم سب کی محبت کو بھول سکتا ہوں۔"

راجو جواب دینے کے بجائے بے اختیار اٹھ کر میرے گلے لگ گیا۔ خان دلاور کی آنکھیں بھی ڈبڈبانے لگیں۔ شیرا کی اپنی کیفیت بھی ان دونوں سے مختلف نہیں تھی لیکن اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے راجو سے کہا۔

"میرے یار تو نے یہ زنانیوں کی طرح گلے میں باہیں ڈال کر کھسر پھسر کی عادت کہاں سے سیکھ لی؟"

"میں بھی اپنی ڈار سے بچھڑا ہوا پنچھی ہوں استاد!" راجو نے عجیب دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا "کبھی کبھی ماضی میں بھٹک کر حال سے کٹ جاتا ہوں .... براور سے دل لگ گیا تھا اس لئے ...."

"مرد بن، مرد" شیرا نے کہا "بار بار پٹڑی بدلتے رہنے سے حادثے بھی ہو سکتے ہیں۔"

شیرا مجھے آئندہ زندگی کے بارے میں اونچ نیچ اور اپنے قیمتی تجربوں سے نوازتا رہا پھر اس نے کسی بزرگ کی حیثیت سے خان دلاور اور راجو کی موجودگی میں نازو اور میری شادی کی بات طے کی۔ میں ان سب کا ممنون احسان تھا۔ نازو میری منزل تھی۔ اسے پالینے کی خوشی نے مجھے وقتی طور پر غم و فکر سے بے نیاز کر دیا۔ میں بھلا ان کی باتوں میں کیا ترمیم و اضافہ کر سکتا تھا۔ خاموش بیٹھا گردن ہلاتا رہا۔ راجو میرے قریب ہی کمر میں ہاتھ ڈالے بیٹھا تھا۔ خان دلاور شیرا کی ہر شرط پر اپنے چہرے کے مختلف

تاثرات کا اظہار کر رہا تھا۔ سب شرائط طے ہو گئیں تو شیرا نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ایک بات اور باقی رہ گئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میرے بجائے خان دلاور نے دریافت کیا۔

"جب تک نکاح کی رسم نہیں ہوتی شیدے اور نازنیں کے درمیان پردہ ہو گا۔"

"ظالم سماج کی پابندیاں۔" خان دلاور نے دل پر ہاتھ رکھ کر سرد آہ بھری۔

"کچھ تو ڈھیل دو استاد" راجو مسکرا کر بولا "آج کل تو سنسر کی قینچی چلنے کے بعد بھی یار لوگ سنیما ہال پر فلم چلتے وقت ٹوٹے جوڑ دیتے ہیں .... چاٹ کا مزا تو جب ہی آتا ہے جب بارہ مصالحہ کی ہو۔"

"ہاں استاد!" خان دلاور نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا "پانچ دس گز دور رہنے کی پابندی لگا دو تاکہ آگ اور پٹرول والی بات کا خطرہ نہ رہے لیکن تم نے تو بالکل ہی بلیک آؤٹ کر دیا۔"

"اور کچھ رعایت نہیں کر سکتے تو گھونگھٹ کی قید لگا دو" راجو نے ہانک لگائی "شربت دیدار تو چھن چھن کر نصیب ہوتا رہے گا۔"

"میں راجو کی تائید میں ہاتھ اٹھاتا ہوں" خان دلاور نے ہاتھ اٹھا کر کہا "مجرم دو ہیں تو سزا بھی دونوں کو ملنی چاہئے ورنہ عدالت کے فیصلے پر جانب داری کا الزام بھی آ سکتا ہے۔"

"آج کل ویسے بھی بھوک ہڑتال کا زمانہ ہے" راجو بول پڑا "اگر براور نے سڑک پر تمبو تان کر دھرنا جما دیا تو سب کی جگ ہنسائی ہو گی۔ استاد کے انصاف میں لچک کی کوئی گنجائش نہ ہوئی تو پیسہ جام کی دھمکی پر بھی عمل ہو سکتا ہے۔"

"لاڈلے! تو بھی تو کچھ بولا" خان دلاور نے مجھے اکسانے کی کوشش کی "استاد دل کا بڑا نرم ہے۔ بالکل روئی کے گالے کی مانند۔ اور کچھ نہ سہی تو ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھار تانکا جھانکی ہی کی اجازت مل جائے۔"

کچھ دیر پیشتر شیرا کی باتوں سے ماحول پر جو سنجیدگی کا ماحول طاری ہو گیا تھا وہ خان دلاور اور راجو کی باتوں سے چھٹنے لگا۔ اس نے راجو یا خان دلاور کو چپ کرانے کی

کوشش نہیں کی۔ خود بھی ان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ماحول کا رنگ بدلا تو میری طبیعت کا بوجھل پن بھی دور ہونے لگا لیکن شاید قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

ہم ابھی اپنی باتوں میں مگن تھے کہ ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"استاد!" اس نے شیرا کو مخاطب کر کے کہا "نیچے پولیس کا ایک ایس پی اور اس کے کارندے کھڑے ہیں۔ ساجد کریمی ساتھ ہے۔ میں نے انہیں بڑی مشکلوں سے روکا ہے ورنہ وہ تو منہ اٹھائے اندر گھسے آ رہے تھے۔ کہو تو نیچے بیٹھک میں بٹھا دوں!"

"نہیں۔" شیرا یکلخت سنجیدہ ہو گیا "نیچے شرفاء آتے ہیں' مذہبی اجتماع ہوتے ہیں' درس و تدریس کی باتیں ہوتی ہیں۔ جو جگہ فرشتوں کے لئے مخصوص ہو وہاں شیطانوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔"

"میں دیکھتا ہوں استاد!" خان دلاور بگڑے ہوئے تیور سے اٹھا۔ راجو کے چہرے پر بھی کھچاؤ کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ میں بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد خان دلاور واپس آیا تو اس کے ساتھ پولیس کا ایک ایس پی اور انسپکٹر ساجد کریمی بھی تھا۔ شیرا نے اٹھ کر ان کا استقبال کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہاتھ کے اشارے سے خالی کرسیوں کی جانب اشارہ کرنے پر اکتفا کی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پھیل کر گہرے ہونے لگے تھے۔

"کیسے زحمت کی چوہان صاحب!" کچھ توقف کے بعد شیرا نے ایس پی چوہان سے دریافت کیا۔

"کیا تمہیں حالات کا علم نہیں ہے؟" چوہان نے شیرا کو تیز اور تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ساجد کریمی گردن جھکائے نظریں نیچی کئے بیٹھا تھا۔ شاید وہ حالات سے مجبور ہو کر چوہان کے ساتھ آ گیا تھا۔

"یہ دارالاسلام ہے چوہان صاحب!" شیرا نے مسکرا کر طنز کیا "کسی روزنامہ کا دفتر نہیں ہے جہاں ہر لمحے گھنٹی بجتی رہتی ہے اور تازہ باسی خبروں کا انبار لگتا رہتا ہے۔"

"میں کیسے یقین کر لوں کہ شہر میں کوئی بڑی واردات ہو اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو؟" چوہان بدستور شیرا کی نگاہوں میں جھانک رہا تھا۔

"آپ کے یقین کرنے یا نہ کرنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن

ایک بات شاید آپ کے علم میں نہیں ہے۔" شیرا نے آخری جملہ بڑی گھمبیر آواز میں کہا "شیرا نے زندگی میں کبھی جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کی۔"

"آپ اس علاقے میں نئے نئے آئے ہیں اس لئے شاید آپ کو استاد کے بارے میں کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے" اس بار خان دلاور نے کھردرے انداز میں کہا "ملاقاتیں ہوں گی تو گرہیں بھی کھل جائیں گی۔"

"میں اس وقت شیرا سے مخاطب ہوں" ایس پی چوہان نے خان دلاور کو تیکھی نظروں سے گھورا۔ ساجد کریم اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا۔

"اپنے گھر میں بیٹھ کر بولنا دنیا کے کسی قانون میں بھی جرم نہیں قرار دیا گیا؟" خان دلاور نے مرعوب ہوئے بغیر قدرے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"مطلب کی بات کرو چوہان صاحب!" شیرا نے جلدی سے کہا "آپ نے بہ نفس نفیس کیسے زحمت فرمائی ہے؟"

"کسی نے ہمارے مذہبی رہنما اور مشہور صنعت کار عظمت بیگ کو گولی مار دی ہے۔"

"شہر میں آئے دن ہزاروں موتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن ہم ہر شخص کے جنازے کا کاندھا دینے نہیں جاتے" شیرا نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا پھر سنجیدگی سے بولا "کیا آپ ہمیں صرف یہی اطلاع دینے آئے تھے؟"

"عظمت بیگ مرے نہیں .... زندہ ہیں" چوہان نے تلملا کر تیز لہجے میں کہا "ڈاکٹر ان کی زندگی بچانے کی جان توڑ کوشش کر رہے ہیں .... اور میں تمہیں یہ خبر سنانے نہیں بلکہ یہ بتانے آیا ہوں کہ ہماری اطلاع کے مطابق ایک بار تم نے یا تمہارے آدمیوں نے بھی عظمت بیگ کو اغوا کر لیا تھا اور اس کے بعد کسی خاص معاہدے کے بعد اسے چھوڑ دیا تھا۔"

"کیا عظمت بیگ نے کسی تھانے میں ایسی کوئی رپورٹ درج کرائی ہے۔؟"

"نہیں۔"

"پھر آپ کس بنیاد پر ہمارے اوپر الزام عائد کر رہے ہیں؟" شیرا نے اس بار قدرے بدلے ہوئے تیور سے کہا۔

"کیا میری یہ اطلاع غلط ہے کہ تم نے عظمت بیگ کو کسی خاص وجہ سے اغوا کیا تھا؟"

"آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں چوہان صاحب!" شیرا بدستور سنجیدگی سے بولا "جس کا باپ زندہ ہو اسے حرامی یا لاوارث نہیں کہتے .... اس کے علاوہ بھی اگر سنی سنائی باتوں پر عمل کرنے کا اختیار ہمارے پولیس کے محکمہ کو مل جائے تو شاید شہر میں ایک شریف آدمی بھی جیل سے باہر نظر نہ آئے۔"

"کیا ہم سنجیدگی سے گفتگو نہیں کر سکتے؟" ایس پی چوہان نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا پینا پسند کریں گے آپ .... چائے یا ٹھنڈا؟" شیرا نے پھر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

"عظمت بیگ کا بیان ہے کہ اس پر مرحوم چودھری نواز کے کارندوں نے فائرنگ کی ہے۔" چوہان نے شیرا کی چائے اور ٹھنڈے والی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا "ہماری فائل کے مطابق چودھری نواز کے بعد اس کا دوسرا اہم آدمی مراد شاہ بھی مارا جا چکا ہے اور اب اسلم ڈنکا نامی شخص اپنے ساتھیوں کا انتقام لیتا پھر رہا ہے۔"

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں آپ کی؟" شیرا نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"ہماری معلومات کے مطابق اس تمام فساد کی جڑ میڈم نازنین نامی ایک بدنام عورت ہے جو مراد شاہ کی موت کے بعد سے لاپتہ ہے۔"

"مسٹر چوہان!" شیرا کی آنکھوں میں خون اتر آیا "میں آپ سے ہاتھ باندھ کر ایک درخواست کر رہا ہوں۔ دوبارہ کبھی میرے سامنے نازنین کو بدنام عورت کے نام سے یاد نہ کیجئے گا۔"

"کیوں؟" چوہان کی نگاہوں میں کامیابی کی ایک کرن چمکی "کیا تم نازنین سے واقف ہو؟"

"ہاں ...." شیرا بڑے ٹھوس اور پر اعتماد لہجے میں بولا "وہ میری دوست ہے .... میری بہن ہے .... میری بیٹی ہے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" چوہان نے تیزی سے سوال کیا۔

"میں نے اسے اس جہنم سے نکال کر ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا ہے۔"

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

"نہیں" شیرا نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "اب اس نے نامحرموں کے سامنے آنا چھوڑ دیا ہے۔"

"لیکن"

"پلیز ایس پی صاحب!" شیرا نے جھلا کر کہا "میں ایک بار پھر درخواست کروں گا کہ آپ نازنین کے تذکرے سے گریز کریں۔"

چوہان نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک جہاں دیدہ اور گھاگ پولیس آفیسر کی طرح وہ شیرا کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا۔ نازنین کے ذکر نے میرے جسم میں بھی خون کی گردش کو تیز کر دیا تھا۔ خان دلاور اور راجو کے تیور بھی یکلخت تبدیل ہو گئے۔ شیرا وہاں موجود نہ ہوتا تو شاید خان دلاور اب تک ہتھے سے اکھڑ چکا ہوتا۔ وہ مصلحتوں کا غلام نہیں بلکہ مارنے اور مرجانے کے اصول کا قائل تھا۔

"شیرا!" چوہان نے تھوڑے توقف سے کہا "تم نے ابھی کہا تھا کہ تم نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولنے کی کوشش کی۔"

"ہاں۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"تم اور تمہارے آدمی انڈر گراؤنڈ جو دھندا کر رہے ہیں کیا تم اسے جائز اور قانونی کہو گے؟"

"نہیں۔" شیرا نے بڑی دبنگ آواز میں کہا "بچہ ماں کے پیٹ سے جرم کی ڈگری لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ وقت اور حالات سیدھا چلتے چلتے اس کا کانٹا بدل دیتے ہیں۔ پھر وہ غلط پٹڑی پر چل نکلتا ہے۔ دھندے اور قانون بھی مجبوریوں کی پیداوار ہیں۔ میں لمبی چوڑی بحث پسند نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہم سب کے ہاتھ کسی نہ کسی طور سے رنگے ہوئے ہیں۔ گناہ ہر حال میں گناہ ہوتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا .... ہر شخص اپنی بساط کے مطابق جائز اور ناجائز کی ملاوٹ میں ملوث ہے۔ ہم آلودگیوں سے اپنا دامن بچانا بھی چاہیں تو مجبوریاں آگے آ جاتی ہیں۔ اس بات کا دعویٰ صرف آٹے میں نمک کے برابر افراد کر سکتے ہیں کہ وہ ہر اعتبار سے پاک

صاف ہیں ورنہ ہر شخص کسی نہ کسی انداز میں حساب کتاب اور تول میں ڈنڈی مارنے پر مجبور ہے .... برا مت مانئے گا .... کیا آپ اس بات کو یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے فرض کی ادائیگی میں ہمیشہ دیانتداری سے کام لیا ہے۔ کبھی کوئی مجبوری آپ کے آڑے نہیں آئی .... یا کسی توپ قسم کی سفارش پر آپ کے قانون نے مجرم کو بے قصور اور بیگناہ کو مجرم نہیں بنا دیا؟" شیرا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اپنے دھندے کو بھی صاف و شفاف نہیں کہوں گا۔ تجارت کے بھی اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ دولت میں بڑی کشش اور طاقت ہوتی ہے۔ خرید و فروخت اور قیمتوں کا تعین رسد و طلب کے اصول پر چلتا رہتا ہے .... ایک حمام میں آپ کو بہت سارے ننگے ملیں گے لیکن میں نے اپنے دھندے کی خاطر کبھی قتل و غارت گری کا مظاہرہ نہیں کیا .... آپ بھی جب چاہیں چھاپہ مار سکتے ہیں۔ پکڑے جانے کی صورت میں فرار ہونے کی کوشش کبھی نہیں کرتا۔ قانون جو سزا دیتا ہے اسے ضرور کاٹتا ہوں .... آپ اپنے ریکارڈ سے بھی میرے بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں۔"

شیرا جتنی دیر بولتا رہا ساجد کریمی کے چہرے پر ایک رنگ آتا ایک جاتا رہا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ اس کے ہاتھ ملوث تھے اس لئے اس کو خطرہ لاحق تھا کہ کہیں شیرا کی زبان پر اس کا نام نہ آ جائے۔

چوہان بہت غور سے شیرا کی دلیلیں سنتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"میں تمہارے پاس ایک خاص مقصد سے آیا تھا .... تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلم ڈنکا اور اس کے گروہ کا قلع قمع کرنے میں تم میری مدد کرو .... اوپر والوں کا حکم بھی یہی ہے۔"

"اوپر والوں کا حکم!" شیرا نے زہر خند لہجے سے کہا "میں نے کہا تھا نا کہ ہم سب مجبوریوں کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ ضرورتیں ہمیں ایک دوسرے سے ملاتی رہتی ہیں .... میں نے غلط تو نہیں کہا تھا؟"

"تم دلچسپ آدمی ہو۔" چوہان نے پہلو بدل کر کہا "میں نے تمہارے بارے میں جو باتیں سن رکھی ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔"

"ہماری دوستی ہو سکتی ہے .... لیکن ایک شرط پر ...." شیرا نے کچھ سوچ کر بڑے واضح انداز میں کہا "ہم ایک دوسرے میں غلط ملط ہونے کی کوشش نہیں کریں گے .... دور دور رہ کر ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے .... اور اس کے علاوہ ایک دوسرے کی عزت کو سربازار اچھالنے کی غلطی بھی نہیں کریں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" ایس پی چوہان نے جو بڑے کروفر سے سینہ تان کر آیا تھا خود آگے بڑھ کر شیرا سے ہاتھ ملایا تو ساجد کریمی کے زردی مائل چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی۔

شیرا نے باری باری ہمارا تعارف ایک دوسرے سے کرایا تو دوستی کی فضا قائم ہو گئی۔ میں نے مجبوراً ساجد کریمی سے بھی ہاتھ ملایا لیکن میرے وجود کے اندر جو خلش تھی وہ بدستور اپنی جگہ قائم رہی۔ شاید اس لئے کہ انسپکٹر ساجد کریمی میرے لئے اس سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جہاں سے میری زندگی نے ایک نیا موڑ اختیار کیا تھا .... میں اس موڑ کو اتنی آسانی سے کس طرح فراموش کر سکتا تھا!

دو روز بعد عظمت بیگ زخموں کی تاب نہ لا کر جہان فانی سے کوچ کر گیا' شیرا کو اس کی اطلاع خود ایس پی چوہان نے دی تھی' مجھے اس خبر کو سن کر افسوس نہیں ہوا' جو لوگ عظمت بیگ کے باطن سے واقف نہیں تھے ان کو جلسے جلوس اور بڑی بڑی قرارداد یں پیش کرنے کا موقع مل گیا' حکومت نے بھی عظمت بیگ کی خدمات کو سراہا تھا لیکن اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اس لئے کہ عظمت بیگ نے دونوں دھڑوں میں بنا کر رکھی تھی' وہ جہاندیدہ شخص تھا لیکن موت کے آگے اس کی ساری سیاست' دوراندیشی اور مدبرانہ پالیسیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

شیرا نے خاص طور پر جنازے میں شرکت کی تھی' جنازے میں جانے سے پیشتر اس نے اپنے تمام اڈوں کے سربراہوں کو چوکس رہنے کی تاکید کی تھی' اسلم ڈنکا کے خلاف پولیس کے سادہ لباس والے ہر طرف دوڑ دھوپ کر رہے تھے' شیرا کا خیال تھا کہ جو شخص تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود عظمت بیگ کی زندگی سے کھیلنے کا خطرہ لے بیٹھا تھا وہ نازنین کی خاطر اس کے اڈوں پر بھی دھاوا بولنے کی حماقت کر سکتا ہے' شیرا کا خیال غلط بھی نہیں تھا'

چودھری نواز اور مراد شاہ کی موت' نازنین کے ہاتھ سے نکل جانے اور میری بازیابی کے پے در پے واقعات نے شاید اسے شدید ذہنی دھچکے سے دوچار کر دیا تھا' وہ کسی کونے کھدرے میں اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ روپوش تھا لیکن اس کے

گر گئے یقیناً نازنین کی تلاش میں محفوظ مقامات کی سن گن لینے میں مصروف ہوں گے' نازنین کے بعد ان کی فہرست میں دوسرا نام میرا ہوگا۔

مجھے نازنین کے سلسلے میں اس بات پر اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ استاد شیرا کے محفوظ ہاتھوں میں ہے لیکن شیرا نے میرے اوپر نازو سے نہ ملنے کی جو قدغن لگا دی تھی اس نے میری بے چینی میں اضافہ کر دیا تھا' نازو اور میرے رشتے کی بات خان دلاور اور راجو کی موجودگی میں طے پائی تھی لیکن انہیں منع کر دیا گیا تھا کہ اس کی خبر کسی اور کو نہ ہو۔

اس وقت بھی میں دارالاسلام کی دوسری منزل پر ڈرائنگ روم میں بیٹھا نازو کے بارے میں سوچ رہا تھا جب راجو دبے قدموں اندر داخل ہوا پھر میرے قریب آ کر سرسراتے لہجے میں بولا۔

"کس کی یاد میں پیچے لڑا رہے ہو برادر؟ کہیں ہماری ہونے والی بھابی تو دل و دماغ پر نہیں چھا گئی ہے۔"

"راجو!" میں نے چونک کر اسے دیکھا "میں ابھی تم ہی کو یاد کر رہا تھا۔"

"کوئی خاص کام؟" اس نے مجھے عجیب نظروں سے گھورا' شاید وہ میرے دل کا چور بھانپ گیا تھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ استاد نے نازو کو کہاں رکھا ہے؟"

"ہائے ...." راجو نے سرد آہ بھر کر ڈرامائی انداز میں جواب دیا "یہ ظالم عشق بھی کسی روگ سے کم نہیں' اچھے بھلے انسان کو دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹتا رہتا ہے ...." "میں اس وقت سنجیدہ ہوں" میں نے ٹھوس آواز میں کہا "اسلم ڈنکا کے شکاری کتے یقیناً اس کی تلاش میں ہوں گے۔"

"تم فکر مت کرو برادر!" راجو نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی "استاد نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں' جس بات کا خطرہ تم اب محسوس کر رہے ہو اس کے بارے میں استاد نے بہت پہلے سے پورا پورا بندوبست کر رکھا ہوگا' اس کے علاوہ بھی میرا دل نہیں مانتا کہ اسلم ڈنکا کم از کم استاد کے کسی ٹھکانے کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت کرے گا۔"

"یہی اطمینان عظمت بیگ کو بھی ہو گا لیکن نتیجہ کیا برآمد ہوا؟"

راجو میری دلیل سن کر خاموش ہو گیا' کچھ دیر کسی خیال میں مستغرق رہا پھر بولا

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو انسان کی مت ماری جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن تم پریشان مت ہو' میں استاد سے بات کروں گا۔"

"کیا تمہیں نازو کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟"

"نہیں" راجو نے جواب دیا "تمہاری نازو کے سلسلے میں استاد ہمیشہ سے بہت محتاط اور جذباتی رہا ہے' اس نے اپنے فرشتوں کو بھی نازو کے سلسلے میں تاریکی میں ہی رکھا ہو گا۔۔۔۔ وہ جھپکی دے کر دشمن کو بے بس کر دینے کا عادی ہے' مگر مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری نازو کو جہاں بھی رکھا ہو گا اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہو گا۔"

"کسی نہ کسی کو تو ضرور علم ہو گا۔" میں نے مضطرب ہو کر کہا "کبھی کبھی مصلحتیں بھی انسان کی ناکامی کا سبب بن جاتی ہیں' ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اچھی نہیں ہوتی' فرض کرو کہ۔۔۔۔۔۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں برادر!" راجو نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "میں ابھی جا کر استاد کو نازو کے سلسلے میں ہلانے ملانے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔۔ تم پریشان مت ہو' جذبوں میں صداقت ہو تو خدا بھی بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

راجو کے جانے کے بعد میں کچھ دیر تک ٹہلتا رہا' مجھے شیرا کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد تھا' میں نے راجو کو محض اس لئے نازو کے سلسلے میں کریدا تھا کہ اس کا کھوج نکال کر ملنے کی کوئی سبیل پیدا کی جا سکے لیکن گفتگو نے جو رخ اختیار کیا اس نے خود مجھے بھی وسوسوں میں ڈال دیا' خود کو بہلانے کی خاطر میں اپنی رہائش گاہ سے نکل کر کھلی سڑک پر آگیا' اس وقت شام کے جھٹ پٹے اور موسم کی ہلکی سی خنکی نے ماحول میں فرحت بخش تازگی گھول دی تھی' میں ٹہلتا ہوا خاصی دور نکل گیا پھر وقت گزاری کے لئے یونہی ایک ہوٹل میں جا بیٹھا جہاں لوگوں کی خاصی چہل پہل تھی' اپنے لئے میں نے جس نشست کا انتخاب کیا تھا وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے میں نہ

صرف اندر داخل ہونے والے گاہکوں کو دیکھ سکتا تھا بلکہ باہر کا نظارہ بھی کر سکتا' یہی چیز اتفاق سے میرے کام آگئی۔

قدرت مہربان ہو تو عقدے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں' ہوٹل میں داخل ہونے والا وہ شخص جو چھریرے بدن اور بڑی مسی شکل کا مالک تھا عام گاہکوں میں بھی شمار کیا جا سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر میرے اندر خطرے کا الارم بجنے لگا' میری چھٹی حس بیدار ہونے لگی' میں شاید اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا' اس کی داہنی کنپٹی پر موجود مکھی کے برابر سیاہ رنگ کا مسہ جو فاضل گوشت کی شکل اختیار کر گیا تھا میرے تجسس کو کریدنے لگا پھر یکلخت مجھے یاد آگیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا' جس وقت مجھے غلام حسین کے گیراج سے منتقل کیا گیا تھا اس وقت اس نے پچھلی نشستوں پر میرے ساتھ سفر کیا تھا' اس کی شکل مجھے نقاب کی وجہ سے نظر نہیں آئی تھی لیکن سیاہ رنگ کا وہ مسہ میرے ذہن میں محفوظ رہ گیا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ نشانی ایک اتفاقیہ مطابقت بھی ہو سکتی تھی پھر بھی میں پوری طرح محتاط ہو گیا۔

اس وقت میں شلوار قمیض میں ملبوس تھا' میرے پاس کوئی آتشی اسلحہ نہیں تھا لیکن حسب عادت اس وقت بھی میری کمر کے گرد تسمے کے ساتھ ایک خنجر بندھا ہوا تھا جسے میں عام طور پر بستر پر جانے سے قبل اپنے جسم سے علیحدہ کرتا تھا۔

چھریرے بدن والا مجھ سے دو میز چھوڑ کر اس طرح بیٹھا تھا کہ اب اس کا مسہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا' ممکن ہے اس نے وہ حرکت جان بوجھ کر کی ہو یا محض اتفاقیہ امر ہو لیکن میرے اندر پیدا ہونے والا تجسس ہر لحہ بڑھتا جا رہا تھا' میں اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا' اس نے بھی بیرے کو اپنے لئے چائے کا آرڈر دیا تھا۔

حالات کے پیش نظر اور خاص طور پر عظمت بیگ کے مرنے کے بعد شیرا نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ میں دارالاسلام سے باہر آنے جانے سے گریز کروں اور تنہا کہیں نکلنے کی غلطی نہ کروں لیکن اس وقت میں تنہا ہی تھا' میرے کپ کی چائے آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی تھی۔ چھریرے بدن والا میری جانب پشت کئے بیٹھا تھا لیکن باہر جانے والے گاہکوں کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا' ایک لمحے کو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں گاہکوں کے کسی ریلے میں چھپ کر کسی طرح اس کی نظر بچا کر باہر

نکلنے کی کوشش کروں لیکن پھر میں نے اس خیال کو ترک کر دیا' اول تو میں اپنے کسی دشمن پر بزدلی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا اور دوسرا خیال یہ بھی تھا کہ ہو سکتا ہے وہ ہوٹل میں تنہا ہو لیکن باہر اس کے دوسرے ساتھی میری تاک میں ہوں۔

میں خوفزدہ نہیں تھا' جیل میں شیرا اور خان دلاور نے میری جو تربیت کی تھی اس نے مجھے بڑا نڈر اور بے خوف بنا دیا تھا لیکن ایک خیال ضرور تھا کہ اگر میرے دشمنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوئی تو محض ایک خنجر سے میں اپنا دفاع کس طرح کر سکوں گا؟ میں اپنی حکمت عملی پر غور کرتا رہا پھر میں نے ایک کپ چائے کا آرڈر اور دے دیا' فوری طور پر میرے ذہن میں یہی اسکیم آئی تھی کہ تاریکی پھیلنے کا انتظار کروں اور یہ بھی معلوم کر سکوں کہ چھریرے بدن والے کے سلسلے میں میرے شبہات کس حد تک درست ہیں' اندھیرا گناہوں کو جنم بھی دیتا ہے اور مجرموں کی سرگرمیوں کے لئے سازگار بھی ہوتا ہے' میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا' میں جن خطوط پر سوچ رہا تھا وہ میرے دشمنوں کے حق میں بھی فائدہ مند ثابت ہو سکتی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا تو میرا شبہ یقین میں بدلنے لگا' چھریرے بدن والے نے دوسرے کپ کا آرڈر نہیں دیا تھا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹلا بھی نہیں تھا' نہایت اطمینان سے سگریٹ پینے میں محو تھا' میرے اعصاب میں کھنچاؤ کی شدت بڑھتی جا رہی تھی' باہر سڑک پر روشنی کرنے کا نظام عمل میں آ چکا تھا۔ میں نے کئی بار شیشے سے باہر کی جانب دیکھا' بظاہر مجھے کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آ رہا تھا' مجھے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ دارالاسلام سے میری طویل غیر حاضری میرے ساتھیوں کی تشویش کا سبب بھی بن سکتی ہے چنانچہ میں نے بیرے کو بلا کر بل کی ادائیگی کی اور اٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر آ گیا' شیشے کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے اندر نظر ڈالی' چھریرے بدن والا بدستور سگریٹ کا دھواں اڑانے میں مصروف تھا' غالباً" اس کے بارے میں میرا شبہ بے بنیاد تھا نے میں اپنی رفتار تیز کر دی لیکن ایک قدرے کم مصروف راستے سے گزرتے ہوئے اچانک ایک شخص تیزی سے میرے سامنے آ گیا' وہ ایک دکان سے اتنی تیزی سے نکلا تھا کہ میں اس کا کوئی نوٹس لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

"سوری سر۔۔۔۔" اس نے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے بڑے مہذب لہجے میں کہا "میں ذرا جلدی میں تھا اس لئے۔۔۔۔۔۔"

"کوئی بات نہیں" میں نے اس کی معذرت قبول کر لی "ایسا ہو جاتا ہے۔"

"شکریہ" اس نے مختصراً" کہا پھر سڑک عبور کر کے دوسری جانب چلا گیا' میں نے دوبارہ آگے بڑھنے کے لئے قدموں کو حرکت دی لیکن اس بار ایک ٹھوس اور سرد سی شے میری پشت کے پسلیوں سے جیسے چپکا دی گئی پھر ایک سفاک آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"خاموشی سے قدم بڑھاتے رہو' اگر ہوشیاری دکھانے کی حماقت کی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گا' تمہاری اطلاع کے لئے یہ عرض کر دوں کہ میرا ریوالور بے آواز ہے اس لئے تمہاری موت کی اطلاع راہ گیروں کو اس وقت ہو گی جب میں دور نکل چکا ہوں گا۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ عظمت بیگ کی موت نے پولیس کے محکمے کو ہلا کر رکھ دیا ہے" میں نے قدم بڑھاتے ہوئے اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔

"زبان بند رکھو۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ تم کس کی بات کر رہے ہو۔"

"اوہ!" میں نے نفسیاتی طور پر اسے پسپا کرنے کی کوشش کی "کرائے کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔۔۔۔۔"

"کیا تم شرافت سے نہیں مانو گے؟" اس نے ریوالور کا دباؤ بڑھاتے ہوئے سرد آواز میں دھمکی دی۔

"تم غلطی پر ہو میری جان!" میں نے لاپرواہی سے کہا "میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔۔۔۔۔"

"گھبراؤ مت۔۔۔۔۔ اس کا فیصلہ بھی جلدی ہی ہو جائے گا۔"

"تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو۔۔۔۔۔؟" میں نے اسے باتوں میں مصروف رکھنے کی خاطر سوال کیا۔

"الو کا پٹھا۔" وہ غصے سے دبی آواز میں بولا "جو اپنی جان دینے پر تلا ہوا ہے۔"

اس کی گالی میرے دماغ میں ایک دھماکے کے ساتھ پھٹی تھی لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ فوری طور پر اسے کوئی دانت توڑ جواب دے سکتا' ہو سکتا تھا

اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہوتے' ایسی صورت ایک ذرا سی غلطی بھی میری زندگی کی ضمانت ضبط کرا سکتی تھی لیکن میں ہر صورت میں اس سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کر چکا تھا' ایک بار ہاتھ آئے شکار کے نکل جانے کے بعد اسلم ڈنکا نے اپنی بیوقوفی پر ضرور ماتم کیا ہو گا' دوسری بار وہ ایسی غلطی نہیں کر سکتا تھا' اصولاً" تو اسے یا اس کے آدمیوں کو مجھے دیکھتے ہی گولی مار دینی چاہئے تھی' انتقام کی آگ جب شدت اختیار کر جائے تو مصلحتوں سے زیادہ نفری گننے کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے' ہزاروں بے گناہ بھی کام آجاتے ہیں لیکن شاید نازنیں کی وجہ سے وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے تھے' وہ نازنیں کو قارون کا خزانہ سمجھتے تھے اس لئے کسی قیمت پر بھی اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

فلک کج رفتار کی گروش نے میرے اندر پھر ٹوٹ پھوٹ شروع کر دی تھی' شیرا نے جب سے نازنیں اور میری قسمت کا فیصلہ کیا تھا میں نے یہی سوچا تھا کہ اب برائی کے راستے پر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا لیکن قسمت نے پھر مجھے ایسے حالات سے دوچار کر دیا تھا کہ میں ہاتھ پیر ہلانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں خاموشی سے قدم بڑھاتا رہا لیکن میرا ذہن مشینی انداز میں جوابی کارروائی کے بارے میں سوچ رہا تھا' جو شخص موت کا ہرکارہ بن کر میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا ابھی تک میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکا لیکن اتنا اندازہ مجھے تھا کہ وہ اسلم ڈنکا ہی کا کوئی نمائندہ تھا' شیرا نے جیل میں مجھے ایسے موقعوں کے لئے جو تربیت دی تھی وہ میرے ذہن میں گونج رہی تھی' میں کسی قیمت پر بھی اس کے قبضے میں جانے کے موڈ میں نہیں تھا' مارنے یا مرجانے کے اصول پر عمل کر گزرنے کے سوا میرے پاس اور کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔

"ایک راستہ ہے۔" اچانک میرے ذہن میں دور کہیں ایک مدھم سی آواز ابھری' میں اس پر اسرار آواز کو ایک بار پہلے بھی خواب کی کیفیت میں سن چکا تھا' اسی آواز نے مجھے استاد شیرا کی زندگی کو لاحق خطرے سے آگاہ کیا تھا' پھر شاید اسی نے غلام حسین سے میری شکل اختیار کر کے ملاقات کی تھی اور اب وہی آواز پھر میری قوت سماعت سے ٹکرائی تھی۔ "ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کا خون بہائے یہ بد

ترین گناہ ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" میرے ذہن میں ایک سوال تیزی سے ابھرا۔

"وہ جو شر کے راستے پر چلتے ہیں زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہتے ـــــ قدرت خود ان کی پکڑ کا اہتمام کر دیتی ہے۔"

"لیکن میں........"

"ایک لمحہ صبر سے کام لو۔" پھر پلٹ کر پیچھے کی جانب نہ دیکھنا۔"

میرے اندر ایک عجیب سی سنسنی پیدا ہو رہی تھی' پراسرار واقعات سے میرا واسطہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا شاید اسی لئے میں دگرگوں کیفیتوں سے دوچار تھا' اس آواز کو سن لینے کے بعد مجھے یقین آگیا تھا کہ اب میرے دشمن مجھ پر غلبہ نہیں پا سکیں گے' میں محتاط انداز میں قدم آگے بڑھا رہا تھا کہ اچانک کسی نے عمارت کے رہائشی حصے سے کوئی شے نیچے پھینکی جو پختہ سڑک سے ٹکرائی تھی' جو شخص مجھے کور کئے ہوئے تھا وہ اس آواز کو سن کر نہ جانے کیا سمجھا تھا کہ اس نے اضطراری کیفیت میں ریوالور کا رخ سڑک پر ہونے والی آواز کی سمت کر کے گولی چلا دی' بے آواز ریوالور سے ایک مدھم سی "ٹچ" کی آواز سنائی دی کوئی کربناک آواز میں چیخا تھا پھر میں نے اپنی نظروں سے دو گاڑیوں کو ٹکراتے تھا۔ جس شخص کو گولی لگی تھی وہ سڑک عبور کر رہا تھا کہ موت کے آہنی پنجوں نے اس کی روح قبض کر لی' شاید اسی کو بچانے کی خاطر وہ گاڑیاں خود پر قابو نہ رکھ سکیں' پھر سڑک پر بھگدڑ مچ گئی' قریب سے کسی کانسٹیبل کی سیٹی کی تیز آواز ابھری تھی۔

میرے لئے وہی گھڑی آزمائش کی تھی' میں نے مشینی انداز میں سیدھے ہاتھ کو ذرا اوپر اٹھا کر بھرپور قوت سے اپنی کہنی دشمن کے پیٹ پر ماری' قسمت نے میرا ساتھ دیا' اس کی توجہ غالباً"سڑک کی سمت تھی اس لئے وہ میری حرکت نہ دیکھ سکا' میں نے ریوالور اس کے ہاتھ سے گرنے کی آواز سنی' یہ موقع میرے لئے بڑا سنہری تھا' میں چاہتا تو پلک جھپکتے میں جوڈو کراٹے کے ایک دو وار کر کے اسے اپاہج کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا' پراسرار آواز کی ہدایت میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھی' میں بھاگتے ہوئے لوگوں میں شامل ہو گیا' پیچھے پلٹ کر

دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

دارالاسلام میں داخل ہوا تو وہاں موجود میرے ساتھی میری غیر موجودگی سے پریشان ہو رہے تھے۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟" فضل دین نے مجھے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "اکرام آپ کو دیکھنے کی خاطر گیا ہے" اکرام اس کے دوسرے ساتھی کا نام تھا' میرے اور راجو کے علاوہ وہ دونوں بھی دارالاسلام میں رہتے تھے۔

"میں اگر کچھ دیر کے لئے ٹہلنے چلا گیا تھا تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"راجو کا فون دو مرتبہ آ چکا ہے۔" فضل دین نے کہا "وہ ہم پر خفا ہو رہا تھا کہ ہم نے آپ کو جانے ہی کیوں دیا۔"

"کوئی پیغام دیا ہے راجو نے میرے لئے؟" میں نے اس کی دوسری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں .... شاید وہ پھر فون کرے .... اکرام کو آپ کے پیچھے روانہ کرنے کا حکم بھی اسی نے دیا تھا۔"

میں فضل دین سے باتیں کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا' میرے ذہن میں وہی پراسرار آواز گونج رہی تھی جس نے مجھے موت سے فرار حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا تھا' فضل دین میرے کمرے میں ہی ایک کرسی پر براجمان ہو گیا۔ راجو کی باز پرس کے بعد اس کے اندر ذمہ داری کا احساس بڑھ گیا تھا۔

"اکرام مجھے کہاں تلاش کرتا پھرے گا؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا" اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا "بات اگر استاد تک پہنچ گئی تو وہ اور بھی برہم ہو گا۔"

"گھبراؤ مت ...." میں نے اسے تسلی دی "میں راجو کو منع کر دوں گا کہ وہ شیرا سے کچھ نہ کہے۔"

کچھ دیر بعد اکرام واپس آ گیا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی اہم خبر ہے' مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک ثانئے کو خوشی کی لہر دوڑ

گئی تھی لیکن وہ اس اضطراب کو نہ چھپا سکا جو اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم کچھ الجھے الجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے ...." اس نے سنجیدگی سے کہا "بات ہی کچھ ایسی ہے"

"تفصیل کیا ہے؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

"یہاں سے کوئی دو فرلانگ دور ایک حادثہ ہو گیا ہے" اس نے تھوڑے توقف سے کہنا شروع کیا "کسی راہ گیر کی لاش سڑک کے درمیان پڑی ہے دو گاڑیاں بھی ٹکرائی ہیں پولیس والے تفتیش میں مصروف ہیں۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟...... اس قسم کے حادثات تو روز مرہ کے معمولات بن چکے ہیں' پانچ سات آدمیوں کا مارا جانا بھی اب کوئی حیرت انگیز بات نہیں رہی ...." میں نے سے کہا۔

"آپ درست فرما رہے لیکن شکرا خان کی لاش کا کسی فٹ پاتھ پر پایا جانا محکمہ پولیس کے لئے بھی ایک اچنبھے کی بات ہو گی۔"

"شکرا خان ...." میں نے چونک کر پوچھا "میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"چودھری نواز کے گروہ میں شکرا خان کو بڑی نمایاں حیثیت حاصل تھی" اکرام نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا "نام تو اس کا شکور خان ہے لیکن گروہ کے افراد اسے شکرا خان کے نام سے یاد کرتے تھے' دور دراز کے علاقوں سے معصوم لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر یا اغوا کر کے لانے کا کام کرتا رہتا تھا' پولیس کو بیشمار اغوا کی وارداتوں میں مطلوب تھا۔ شکور خان یا شکرا کا شمار خطرناک بدمعاشوں میں ہوتا تھا....... ہو سکتا ہے کسی دل جلے نے اسے انتقاماً گولی مار دی ہو" آخری جملہ اکرام نے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا۔

"کیا تم نے شکور خان کو پہچاننے میں غلطی تو نہیں کی؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"اسے ہزاروں تو کیا لاکھوں میں شناخت کیا جا سکتا ہے۔" اکرام نے کہا "اس کی بائیں آنکھ شیشے کی تھی جو مرنے کے بعد بھی کھلی نظر آ رہی تھی' حیرت تو اس بات پر ہے کہ وہ اتنی آسانی سے کس کے ہتھے چڑھ گیا؟"

مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواریاں پیش نہیں آئی کہ شکرا خان وہی شخص تھا جس نے ریوالور کے زور پر مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ شخص کون تھا جسے میں نے ہوٹل میں مشکوک سمجھا تھا؟ کیا وہ محض میرا وہم تھا؟ مگر اصل کھیل تو ہوٹل ہی سے شروع ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ شخص میرے ہوٹل سے نکلنے کے کچھ دیر بعد باہر آیا ہو' اگر شکرا خان بھی اسی کے ساتھیوں میں سے تھا تو بظاہر اسے کسی جلد بازی کے مظاہرے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔۔۔۔۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ شکرا خان کو گولی مارنے والا کیا اس کی نظر میں نہیں آ سکا تھا یا پھر یہ کام بھی اسی نے انجام دیا تھا۔۔۔۔؟ ممکن ہے اسلم ڈنکا نے اسے ہدایت دے رکھی ہو کہ مجھے قابو میں کر لینے کے بعد وہ شکرا خان کی چھٹی کر دے۔۔۔۔ چودھری نواز اور مراد شاہ کی موت کے بعد ہو سکتا ہے کہ اسلم ڈنکا اور شکرا خان کے درمیان لڑکیوں کی دلالی کی کمائی کے مذموم کاروبار کے سلسلے میں حاصل ہونے والی رقم کے بٹوارے پر ٹھن گئی ہو؟۔۔۔۔ یہ سب امکانی باتیں تھیں جو میرے ذہن میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں لیکن ایک بات بہر حال طے تھی کہ میرے دشمنوں میں سے ایک خطرناک دشمن کام آ چکا تھا' میں اکرام سے کچھ اور معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا' میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا' دوسری جانب سے راجو ہی کی آواز سنائی دی تھی۔

"تم خیریت سے تو ہو برادر؟" اس نے پہلے میری خیریت دریافت کی پھر بولا "کہاں چلے گئے تھے؟"

"یوں ہی ذرا تازی ہوا کھانے نکلا تھا لیکن میرا باہر جانا میرے دشمنوں کے حق میں اچھا ثابت نہیں ہوا۔"

"خیریت؟۔۔۔۔ کہیں تم نے پھر کوئی پھڈا تو نہیں کر دیا؟"

"نہیں۔۔۔۔ اس بات کی نوبت نہیں آنے پائی" میں نے لاپرواہی سے کہا "

باقی باتیں تفصیل سے ہوں گی' فی الحال تمہارے لئے یہی خوشخبری کافی ہوگی کہ شکور خان یا شکرا خان بڑی کس مپرسی کے عالم میں اپنے ساتھیوں کو داغ مفارقت دے گیا۔"

"تم کہیں میرے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہے؟" راجو نے بیحد سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا وہ اتنا ہی اہم آدمی تھا کہ اسے باقاعدہ سنگسار کیا جانا چاہئے تھا؟"

"تم نے شاید صرف اس کا نام سنا ہے۔۔۔۔ اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے" راجو نے کہا پھر دوبارہ استفسار کیا "تمہیں شکرا خان کی موت کی اطلاع کس طرح ہوئی؟"

"کیا فون پر باتیں مناسب ہوں گی؟"

"تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو .... میں دو گھنٹے کے اندر اندر تمہارے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"استاد سے ملاقات ہوئی ......" میں نے ہاتھ کے اشارے سے فضل دین اور اکرام کو باہر جانے کو کہا' ان کی موجودگی میں نازو کے بارے میں کھل کر بات نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر چلے گئے تو میں نے پوچھا "نازو کے بارے میں کوئی خبر؟"

"پریشان مت ہو جان راجو۔۔۔ تمہاری محبت ہر طرح سے محفوظ ہے۔"

"اتنی زیادہ حفاظت بھی کس کام کی کہ کوئی اپنا بھی وہاں تک رسائی حاصل نہ کر سکے" میں نے قدرے غمگین لہجے میں کہا پھر رازدارانہ انداز میں پوچھا "کیا تم بھی میرے کام نہیں آ سکو گے؟"

"استاد کو بھنک بھی چلی گئی تو وہ مجھے گنجا کرا کے اور منہ پر الٹے توے کی کالک تھوپ کر کولھو کے بیل کی جگہ کئی سالوں تک تیل نکالنے کی سزا سنا دے گا۔"

"اور اگر تم تیل نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر تمہارا شمار انسانوں میں نہیں بلکہ ان ممالک میں ہو گا جو ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر دونوں ہاتھ سے دولت خرچ کرنے کے عادی ہیں۔" میں نے انداز تمسخر میں جواب دیا۔

"سنا ہے آج کل مکھن کی قیمت آسمانوں سے بات کر رہی ہے۔" راجو نے ترکی بہ ترکی کہا "عوام الناس کے لئے بھی کچھ چھوڑ دیا ہوتا۔"

"تمہیں میری قسم راجو" میں نے بے تکلفی سے کہا "کوئی تدبیر پیدا کرو۔"

"فرہاد نے شیریں کے لئے دودھ کی نہر بہانے کی شرط پوری کی تھی برادر۔۔۔ تم نازو بھابھی کے لئے بستر چلاؤ گے؟"

"تمہیں شہ بالا بنانے کا وعدہ کرتا ہوں تاکہ میرے بعد تم بھی کسی زلف گرہ گیر میں الٹا لٹک سکو۔"

"ملاقات کا وعدہ کر کے خود کو تختہ دار کا حق دار نہیں بنا سکتا البتہ فون پر بات ہو سکتی ہے۔"

"سچ!" میں نے خوشی سے کہا "چلو یہی سہی۔۔۔"

"انتظار فرمایئے۔۔۔" راجو نے مختصر سا جواب دے کر رابطہ منقطع کر دیا اور میں تلملا کر رہ گیا لیکن میری الجھن زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی' پانچ سات منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی اور میں نے تیزی سے رسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا' اس بار دوسری جانب سے جو آواز سنائی دی وہ نازو کی تھی

"تم خیریت سے تو ہو نازو!" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اس کی خیریت دریافت کی۔

"راجو کے بیحد اصرار پر تمہیں فون کیا ہے ورنہ........" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"ورنہ کیا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرے اوپر بھی اخلاقی طور وہی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا تمہیں پابند کیا گیا ہے۔"

"نازو!" میں نے بڑی اپنائیت سے کہا "استاد انسان نہیں فرشتہ ہے۔ میں شاید زندگی کی آخری سانسوں تک اس کا احسان نہیں اتار سکوں گا' اگر جیل میں میری ملاقات اس سے نہ ہوئی ہوتی تو شاید میں تمہاری تلاش میں بھٹکتا ہی رہتا۔"

"ایک بات پوچھوں؟" نازو کے لہجے میں ایک عجیب سی ہچکچاہٹ تھی۔

"کیا بات ہے نازو!" میں تڑپ اٹھا "کیا تم کچھ پریشان ہو؟"

"شیدے!" اس نے سنبھل کر کہا "کیا تم مجھے اپنانے کے بعد خوش رہ سکو گے؟ کہیں کسی اور وجہ سے تو تم نے میرا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ نہیں کیا ہے؟"

"نازو۔۔۔" میں نے دل کی گہرائیوں سے اسے یقین دلانے کی کوشش کی "تمہیں پا لینا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے .... کیا تمہیں اپنے شیدے پر اعتبار نہیں ہے؟"

"اب آ گیا ہے۔۔۔" اس نے مختصراً کہا اور میں نے عالم تصور میں دیکھا کہ وہ محجوب سی ہو گئی' اس کی دراز پلکیں غزالی آنکھوں پر چلمن ہو رہی تھیں۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا قبول کر لی۔۔۔۔"

"راجو بتا رہا تھا کہ تم نے شکرا خان کی موت کی تصدیق کی ہے؟" نازو نے گفتگو کا رخ بدلا "تم اسے کس طرح جانتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ تمہارا اس کا ٹکراؤ کس طرح ہو گیا؟ .... وہ بہت عیار مکار اور خطرناک آدمی تھا۔"

"کیا تمہیں اس کی موت کی خبر سن کر خوشی نہیں ہوئی؟"

"تم ابھی ان خطرناک لوگوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو" اس نے سنجیدگی سے کہا "اسلم ڈنگا نے عظمت بیگ سے ٹکرا کر ایک طرح سے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ مجھے دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر شیرا سے بھی ٹکرانے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

"وہ دن شاید اس کی زندگی کا آخری دن ہو۔۔۔۔" میں نے جذباتی لہجے میں جواب دیا "اگر وہ بزدلوں کی طرح کسی کونے کھدرے میں نہ چھپ بیٹھا ہوتا تو میں اب تک........"

"نہیں شیدے نہیں۔۔۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی "مجھ سے ایک وعدہ کرو۔۔۔ تم ان لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرو گے۔"

"نازو۔۔۔ کیا تم ابھی تک ان بد کردار لوگوں سے خوفزدہ ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا لیکن دوسری سمت سے کوئی جواب نہیں دیا گیا' ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ رابطہ ختم ہو گیا تھا' شاید کسی کے آجانے سے نازو نے لائن

کاٹ دی تھی۔۔۔۔ یا پھر میرے سوال نے اس کے زخموں پر جمی ہوئی کھرنڈ کو کھرچ دیا تھا۔۔۔۔ میں بے چینی سے اٹھ کر خواب گاہ میں ٹہلنے لگا۔۔۔۔۔۔!!

---○---

شیرا اس وقت کسی زخمی ناگ ہی کی مانند بل کھا رہا تھا' دو نمبر کے اڈے پر اس وقت وہ اپنے کمرہ خاص میں تنہا نہیں تھا' تمام اڈوں کے سربراہ بھی موجود تھے' دو ایک اور قابل اعتماد ساتھی بھی تھے' خان دلاور شیرا کے ساتھ ہی لگا بیٹھا تھا' میں اور راجو دروازے پر تعینات تھے' کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی' خاصی دیر تک کسی کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی خاص طلبی کا مقصد کیا تھا' شیرا محض سر کی جنبش سے آنے والوں کے سلام کا جواب دیتا رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار فون کی جانب اٹھ رہی تھیں جو اس کے سامنے شیشے کی ایک گول میز پر رکھا تھا' سب ہی کی نگاہیں شیرا پر جمی ہوئی تھیں۔

"ابھی کچھ دیر پیشتر ایس پی چوہان کا فون آیا تھا" شیرا نے مہر سکوت توڑی "وہ بار بار اسی ولدالحرام کے بارے میں ہمارے تعاون کا مطالبہ کر رہا ہے جو نہ جانے کس کنجری کے لہنگے میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔"

"ہم نے سارے شہر کے بدمعاشوں کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا استاد' کہ ان کے حدود اربعہ سے واقف ہوں" خان دلاور نے جواب دیا "اور پھر یہ پولیس والوں کی دوستی........"

"میں سمجھ رہا ہوں تمہاری بات" شیرا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا "لیکن کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے' شکرا خان کی موت نے حالات کو اور سنگین کر دیا ہے۔"

"پھر؟" ایک اڈے کے سربراہ نے دریافت کیا "ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

"اسلم ڈنکا سے میری براہ راست دشمنی نہیں تھی لیکن اس نے شیدے پر وار کر کے ہمیں بھی للکارا ہے" شیرا نے مجھ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا "اس کا کانٹا اب درمیان سے نکالنا ہی پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے خود پولیس نے اسے کہیں پار کر دیا ہو........" خان دلاور نے

حقارت سے کہا "ہمیں بلا وجہ چکر دے رہے ہوں۔"

"کچھ بھی سوچا جا سکتا ہے لیکن اب اسلم ڈنکا کو ہر قیمت پر چوہے کے بل سے نکالنا ضروری ہو گیا ہے" شیرا نے ٹھوس لہجے میں کہا "یہی موقع ہے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا' ایس پی چوہان پر ہمارا احسان بھی ہو جائے گا اور اسلم ڈنکا کا پتہ بھی ہمیشہ کے لئے صاف ہو جائے گا"

"تم فکر نہ کرو استاد!" دو نمبر کے اڈے کے سربراہ نے کہا "میرے پاس ایک کانٹا ایسا ہے جو ہاتھ آ گیا تو اسلم ڈنکا کے ہوتے سوتے بھی ہمارے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جائیں گے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟" شیرا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"جانو کی!" اس نے دبی زبان میں کہا "میری اطلاع اگر غلط نہیں ہے تو وہ آج کل ریشم جان کے کوٹھے کے بڑے چکر لگا رہا ہے۔"

"تیرا کیا واسطہ نکل آیا ریشم جان سے؟" شیرا نے نظریں ترچھی کیں تو اڈے کا سربراہ ایک لمحے کو گڑبڑا گیا پھر جلدی سے بولا "زہریلی ناگنوں پر نظر تو رکھنی پڑتی ہے استاد' اپنے مفاد کی خاطر یہ سگے باپ کے گلے پر بھی چھری پھیرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔"

"کام بڑی ہوشیاری سے کرنا۔" شیرا نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا "یہ جانو بھی بڑا چلتا پرزہ ہے۔۔۔۔ کل تک چکلے میں پھولوں کے ہار بیچا کرتا تھا' اب ریشم جان سے عشق بگھار رہا ہے۔۔۔۔ شکرا خان نے اسے کے پٹھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا جو رامپوری چاقو کی طرح چل نکلا ورنہ سالے کی دو کوڑی کی بھی اوقات نہیں تھی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور خان دلاور نے ریسیور اٹھا لیا' کچھ دیر تک وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا ور جواب میں ہوں' ہاں کرتا رہا پھر اس نے ریسیور رکھ کر شیرا سے کہا۔

"کسی نے ڈاکٹر شبیر کی بھی چھٹی کر دی۔۔۔۔۔"

"کس کا فون تھا؟" شیرا نے سنجیدگی سے پوچھا

"اپنے سرکاری بھتیجے ساجد کریم کا۔۔۔۔" خان دلاور نے استہزائیہ انداز میں

کہا۔ اس کا خیال ہے کہ ڈاکٹر کے قتل میں بھی اسلم ڈنکا ہی کے کسی ساتھی کا ہاتھ ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے ـــــــ" شیرا نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر وہ نمبر کے اڈے کے سربراہ سے مخاطب ہو کر بولا "جانو کے بارے میں پولیس کے کھاتے میں کچھ لکیریں کھینچی گئی ہیں؟"

"اس کا شمار بڑے بدمعاشوں میں نہیں ہوتا ـــــــ ایک بار کسی تانگے کے کان چبانے کے جرم میں مہینے دو مہینے جیل کی ہوا بھی کھا چکا لیکن میں نے بھی یہی سنا ہے کہ شکرا خان کی وجہ سے اس کی رسائی بھی اسلم ڈنکا تک ہو گئی تھی۔"

"کیا اس کی کوئی ایسی نشانی ہے کہ آسانی سے پہچانا جا سکے؟"

"ہاں ......" اڈے کے سربراہ نے جواب دیا "چھریرے بدن اور نکلتے ہوئے قد کا مالک ہونے کے علاوہ صورت شکل سے بالکل یتیم سا نظر آتا ہے ـــــــ داہنی کنپٹی پر مکھی کے برابر سیاہ رنگ کا مسا بھی ہے جو فاضل گوشت کی شکل اختیار کر گیا ہے' پہلے وہ یوں ہی کھلے عام آوارہ گردوں کی طرح گھوما کرتا تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ اب اس نے حالات کے پیش نظر اس نشانی کو چھپانے کی خاطر گلے میں مفلر یا کوئی چادر ڈالنی شروع کر دی ہو۔"

میں سیاہ رنگ کے مسے کے حوالے پر چونکے بغیر نہ رہ سکا' اڈے کے سربراہ نے اس کا جو حلیہ بتایا تھا وہ سو فیصد اس شخص سے ملتا تھا جسے میں نے شکرا خان کی موت سے پہلے ہوٹل میں دیکھا تھا اور اب مجھے یقین سا ہو رہا تھا کہ اگر وہ جانو ہی تھا تو پھر شکرا خان کی موت بھی اس کے ہاتھوں واقع ہوئی ہو گی ...... میں نے ابھی تک راجو کو پوری تفصیل نہیں بتائی تھی ورنہ شاید وہ میری اضطرابی کیفیت کو ضرور بھانپ لیتا۔

"کوئی پتہ ٹھکانا بھی ہے اس کا؟" خان دلاور نے اپنی معلومات کی خاطر دریافت کیا۔

"پہلے کبھی نمبر مارکیٹ کے علاقے میں رہا کرتا تھا لیکن بعد میں اس نے اپنا ٹھکانا بدل دیا تھا۔"

"میں پانچ روز کی مہلت دے رہا ہوں ......" اچانک شیرا نے ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن انداز میں کہا "اسلم ڈنکا کو زندہ نہیں بلکہ مردہ حالت میں برآمد کر کے ایس پی کے حوالے کرنا ہے ...... ایک بار پھر کان کھول کر سن لو ...... اس ہیجڑے کی اولاد کا زندہ پولیس کی تحویل میں جانا ہمارے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔"

میٹنگ برخواست ہو گئی تو شیرا نے میرے' خان دلاور اور راجو کے علاوہ سب کو رخصت کر دیا۔

"شہزادے ...... مجھے اب تیرا بندوبست بھی جلدی ہی کرنا ہو گا" شیرا نے دوسروں کے جانے کے بعد مجھے گھور کر کہا۔

"مجھ سے کیا غلطی سرزد ہو گئی استاد!" میں نے مسی صورت بنا کر پوچھا۔

"استاد کہتا ہے ...... استاد سمجھتا ہے تو پھر مجھ سے ٹھٹھول بازی کرنا چھوڑ دے" وہ قدرے جھلا کر بولا "میں نے تجھے منع کیا تھا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں لیکن تو باز نہیں آیا۔"

میں نے شاکی نظروں سے راجو کی سمت دیکھا' شاید اس نے شیرا کو میرے دارالاسلام سے باہر جانے کی اطلاع پہنچا دی تھی' میں نے اسے فون پر شکرا خان کی موت کی خوشخبری سنائی تھی۔ وہ اتنا بچہ بھی نہیں تھا کہ دو اور دو چار کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش آتی لیکن مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ تفصیل معلوم کئے بغیر بات شیرا کے کان تک پہنچا دے گا۔

"یہ شک کی جو بیماری ہے نا ـــــــ یہ آتشک' سوزاک اور جریان سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے' اچھے بھلے آدمی کو اندر ہی اندر چوس کر جھروس کر دیتی ہے ......" شیرا نے مجھے بدستور گھورتے ہوئے کہا "تمہارا کیا خیال ہے ـــــــ میں اپنے آدمیوں کی طرف سے کان میں تیل ڈالے بیٹھا رہتا ہوں؟"

میرے علاوہ خان دلاور اور راجو بھی شیرا کی باتوں پر حیران ہو رہے تھے۔

"کیا بات ہے استاد!" خان دلاور نے دبی زبان میں پوچھ ہی لیا "اپنے لاڈلے سے کیا قصور سرزد ہو گیا؟"

"شکرا خان کو کسی اور نے نہیں میرے اپنے خاص آدمی نے گولی ماری تھی" شیرا نے

ہاتھ ملتے ہوئے کہا "ایک پل کی دیر ہو جاتی تو میں تیری نازو کو کیا منہ دکھاتا؟"

پھر شیرا نے تفصیل بتائی تو میں چور سا بن گیا' وہ میری نقل و حرکت سے غافل نہیں تھا' اس نے جو آدمی میری نگرانی پر تعینات کیا تھا وہ ہوٹل کے باہر ہی رک کر میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ شاید اسی لئے جانو اس کی نظر میں نہیں آ سکا تھا لیکن بہر حال اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شکرا خان کو ٹھکانے لگانے دیا تھا اور جانو نے موقع کی نزاکت بھانپ کر ہی سامنے نہ آنے میں اپنی عافیت سمجھی ہو گی ورنہ وہ بھی کام آ گیا ہوتا۔

"میں معذرت خواہ ہوں استاد" میں نے دبی زبان میں اپنی غلطی تسلیم کر لی۔

"نہیں شہزادے------ اب میں تیری ایک بھی نہیں سنوں گا" شیرا نے بڑی سنجیدگی سے کہا "کان کھول کر میری ایک بات سن لے' اب میں تجھے زیادہ دنوں یہاں قدم نہیں ٹکانے دوں گا---- اس جمعہ کو چھوڑ کر آئندہ جمعہ کو تیرا اور نازنین کا نکاح ہو گا' اسی روز تم عورتوں کی رخصتی بھی ہو گی۔"

"استاد----" راجو نے مسخروں جیسے انداز میں ہاتھ باندھ کر کہا "ایسی ہی کوئی عمر قید کی سزا مجھے بھی سنا دو۔"

"میں نے تیری رہائش کا بندوبست بھی کر دیا ہے" شیرا نے راجو کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا "تجھے ہر قیمت پر اس شہر کو خیرباد کہنا ہو گا .... بس یہ شیرا کا آخری فیصلہ ہے' اس میں کسی کی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔"

شیرا کا فیصلہ چونکہ میری زندگی کا خواب تھا اس لئے میں نے خاموشی سے سر جھکا لیا' خان دلاور نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی' اس بار شیرا نے ریسیور اٹھایا تھا پھر دوسری جانب سے کہی جانے والی بات سن کر اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ہم سب سے کہا۔

"تم لوگ اب باہر جا کر ہلا گلا کرو .... مجھے کسی سے ضروری بات کرنی ہے۔"

خان دلاور نے شیرا کو دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں کندھے اچکائے پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں نے اور راجو نے بھی اس کی پیروی کی تھی-----

گاڑی میں بیٹھ کر میں اور راجو دارالاسلام کے لئے روانہ ہوئے تو میں نے پوچھا۔

"استاد کے پاس کس کا فون آیا تھا؟---- میرا مطلب ہے خان دلاور نے بڑی معنی خیز نظروں استاد کو دیکھا تھا۔"

"خان دلاور استاد سے بے تکلف ہے اس لئے کبھی کبھی اس قسم کی حرکتیں کرتا رہتا ہے ورنہ استاد لنگوٹ کے معاملے میں بڑا پکا ہے' دل پشوری کرنا اور بات ہے ...." راجو نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولا "ہو سکتا ہے وہ فون نازنین کا ہو۔"

"ایک بات پوچھوں؟" میں نے راجو کو بغور دیکھتے ہوئے کہا "کیا نازنین کو جس جگہ رکھا گیا ہے اس کا علم تمہیں پہلے نہیں تھا؟"

"اب بھی نہیں ہے ...." راجو نے وثوق سے جواب دیا "ویسے میرا اندازہ ہے کہ استاد نے اسے اپنے کسی ذاتی ٹھکانے پر رکھا ہوا ہے۔"

"پھر .... تمہیں اس کا فون نمبر کس طرح معلوم ہوا---؟"

"یہ سوال میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔" راجو مسکرایا "میری درخواست پر وہ نمبر خود استاد نے مجھے بتایا تھا' میرا خیال ہے کہ شاید اسے تمہاری تڑپ کا اندازہ ہے .... لیکن نمبر بتانے کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ میں اس کی کرید کرنے کی حماقت نہیں کروں گا اور تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ شادی سے پہلے اس سے ملنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"گویا ٹریفک ابھی بدستور یک طرفہ چلتا رہے گا" میں روانی کہہ گیا پھر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا' میں نے راجو کو گھور کر دیکھا "نازو نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے تمہارے اصرار پر فون کیا تھا۔"

"میں نے بھی ابھی یہی کہا تھا کہ استاد نے مجھے فون نمبر بتائے تھے" راجو نے میری غائب دماغی پر مسکراتے ہوئے کہا "اگلے جمعے تک کی بات ہے برادر' ایسی بھی کیا بے صبری---- گھر چل کر ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیں' رام بھلی کرے گا۔"

"استاد نے اسلم ڈنکا کے سلسلے میں پانچ روز کی مہلت دی ہے" میں نے گفتگو کا رخ بدلا "اس سلسلے میں تم کیا رول ادا کرو گے؟"

"کچھ نہ کچھ ہاتھ پیر تو ہلانے ہوں گے----" راجو نے سنجیدگی سے جواب

دیا ”استاد نے میری معلومات کے مطابق پہلی بار کسی کے بلیک وارنٹ سائن کئے ہیں‘ ہر شخص نمبر بڑھانے کی کوشش کرے گا .... سوائے تمہارے“ آخری جملہ راجو نے میری طرف دیکھ کر کہا تھا‘ شاید وہ مجھے یاد دلانا چاہتا تھا کہ شیرا نے مجھے باہر نہ نکلنے کی تاکید کی تھی۔

ہم اسلم ڈنکا کی بات کرتے رہے‘ راجو کا خیال تھا کہ شیرا نے جو مہلت دی ہے اس کے اندر اندر اس کے گروہ کے ساتھی اسلم ڈنکا کو ضرور ٹھکانے لگا دیں گے پھر راجو نے مجھ سے شکرا خان کی موت کی تفصیل دریافت کی‘ میں نے اسے حالات سے آگاہ کیا تو چونک کر بولا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم جانو کو بھی دیکھ چکے ہو .... وہ بھی یقیناً شکرا خان کے ساتھ ہی ہوگا‘ تمہاری قسمت کے ستارے شاید عروج پر ہی تھے جو استاد تمہاری نگرانی کر رہا تھا ورنہ وہ تمہیں گھیرنے میں کامیاب ہو جاتے۔“

راجو یکلخت سنجیدہ ہو گیا‘ شاید وہ جانو یا اسلم ڈنکا کے بارے میں کسی اہم نکتے پر غور کر رہا تھا‘ ہم صدر بازار سے گھوم کر دارالاسلام جانے والی سیدھی اور کشادہ سڑک پر آگئے‘ اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس کا عمل رہا ہوگا‘ خنکی زیادہ تھی اس لئے ٹریفک کا ہجوم زیادہ نہیں تھا۔

”اتنی سنجیدگی سے کیا سوچ رہے ہو۔۔۔؟“ میں نے راجو کو کریدا۔

”تمہیں جانو والی بات مجھے اڈے سے روانہ ہونے سے پہلے ہی بتا دینی چاہئے تھی۔“

”کوئی خاص وجہ؟“

”موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے برادر۔۔۔۔۔ لیکن تم ان سور کے بچوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔“ راجو نے دائیں بائیں دیکھ کر جواب دیا ”شکرا خان کی موت اسلم ڈنکا کے لئے کسی تازیانے سے کم نہ ثابت ہوئی ہوگی۔۔۔ وہ پاگل ہو رہا ہوگا اور“

”اور اب شاید وہ مجھے ختم کرانے کی خاطر کوئی اوچھا وار نہیں کرے گا“ میں نے راجو کی خاموشی کا مفہوم بھانپ کر جملہ پورا کیا تو اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب

دیا۔

”تمہیں اب بہت زیادہ محتاط رہنا ہو گا برادر .... اب وہ تمہیں صرف اغواء کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔“

”ایک آرزو میری بھی ہے راجو ....“ میں نے اسے ہموار کرنے کی کوشش کی ”کاش میں اسلم ڈنکا کو مار کر تازو کے ماضی کا کچھ حساب چکتا کر سکتا۔“

”نہیں برادر .... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے“ راجو نے مجھے بڑے خلوص سے سمجھانے کی کوشش کی ”تمہیں کچھ ہو گیا تو استاد مجھے معاف نہیں کرے گا‘ اس کے علاوہ وہ اب تمہیں اپنی تازو کی خاطر۔۔۔۔“

راجو اپنا جواب مکمل نہ کر سکا‘ گاڑی کی پشت کا شیشہ ایک زور دار دھماکے کے ساتھ ہی کرچی کرچی ہو گیا تھا‘ راجو کا توازن بگڑا تو گاڑی بھی کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح سڑک پر لہرانے لگی‘ میں نے پلک جھپکتے میں اپنا بے آواز ریوالور نکال لیا‘ اس کے ساتھ ہی میں نے چیخ کر پوچھا۔

”راجو۔۔۔۔ تم خیریت سے تو ہو۔۔۔؟“

”محتاط رہو برادر ....“ راجو نے دوبارہ سنبھل کر سٹیرنگ کنٹرول کرتے ہوئے جواب دیا ”شاید جنگلی سور ہمارے تعاقب میں لگے ہیں۔“

میں نے پلٹ کر دیکھا پیچھے شیشے کا صرف فریم نظر آرہا تھا‘ دور دور تک کسی گاڑی کا نشان نہیں تھا‘ شاید بزدل دشمن ہمارے اوپر فائر کرنے کے بعد ہی دائیں بائیں کوئی موڑ کاٹ گیا تھا۔

”فی الحال تو میدان صاف ہے۔“ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”تم دارالاسلام پر اتر جانا برادر۔۔۔۔“ راجو کے لہجے میں ابلتے ہوئے آتش فشاں کا لاوا موجود تھا ”میں اس گولی کا جواب دے کر جلدی واپس آجاؤں گا۔“

”نہیں ....“ میں نے راجو کے جنون کو محسوس کرتے ہوئے کہا ”اس وقت تمہارا تنہا کہیں جانا مناسب نہ ہوگا .... ہو سکتا ہے انہوں نے محض ہمیں چھیڑنے کی خاطر کمینگی کا ثبوت دیا ہو .... ممکن ہے وہ اشتعال دلا کر ہم سے کوئی احمقانہ جوابی کارروائی کی توقع کر رہے ہوں۔“

"سمجھنے کی کوشش کرو برادر ...." راجو نے جھلا کر جواب دیا "نشے کی طلب ہو اور نشہ نہ ملے تو انسان خود اپنی بوٹیاں چبانے پر مجبور ہو جاتا ہے .... میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا لیکن اس وقت تک مجھے سکون بھی نہیں ملے گا جب تک میں اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے لوں۔"

"اگر موت برحق ہے تو پھر سات پردوں میں بھی آ سکتی ہے" میں نے تیزی سے کہا "ہو سکتا ہے ہمیں وہ ایک دوسرے سے الگ الگ کرکے آسانی سے مار لینے کا خواب دیکھ رہے ہوں، محض ایک گولی چلانے میں ان کی کوئی گہری سازش بھی ہو سکتی ہے انہوں نے دارالاسلام کے باہر بھی مورچے قائم کر رکھے ہوں .... استاد نے ہمیں محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے یہ نہیں کہا کہ پشت دکھا کر یا چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھ رہیں ——— اگر اسی وقت کیا جانے والا فائر مجھے چاٹ جاتا تو اس میں تمہارا کیا قصور ہوتا ——— کیا تم مجھے موت کے منہ سے بچا لیتے؟"

"تم میرے پیر کی بیڑی بن رہے ہو برادر ...."

"ان بیڑیوں کو کاٹنے کی کوشش مت کرو ...." میں فیصلہ کن لہجے میں بولا "میں تمہارا ساتھ وقتی طور پر چھوڑ کر بھی ان کے تعاقب میں نکل سکتا ہوں، اکیلا ہوا تو راہ بھٹک سکتا ہوں، ساتھ رہیں گے تو ایک اور ایک گیارہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

میری دلیلیں معقول تھیں یا پھر راجو پر واقعی جنون طاری تھا کہ اس نے اسٹیرنگ کو ایکدم ہی گھما دیا، فضا میں چرچراہٹ کی آواز ابھری، راجو بڑا مشاق ڈرائیور تھا، گاڑی ریورس کرنے کی خاطر اس نے لمبا راستہ اختیار نہیں کیا تھا، بریک پر پاؤں کا دباؤ بڑھا کر اس نے گاڑی کو بڑے ڈرامائی انداز میں موڑا پھر ایکسی لیٹر پر زور دیتا چلا گیا گاڑی کی رفتار ہوا سے باتیں کرنے لگی تو اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"میں تمہیں ساتھ لے چل رہا ہوں کہ لیکن اپنا خیال رکھنا ——— جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم استاد کی طرف واپس لوٹ چلیں؟" میں نے راجو کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر مشورہ پیش کیا۔

"نہیں ——— میں فی الحال استاد کے پاس خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا" راجو نے

سڑک پر نظر جمائے جمائے سرد لہجے میں جواب دیا۔

بیس منٹ بعد راجو نے اپنی گاڑی سڑک کے بائیں جانب نیچے کچے میں اتار کر ایک تناور درخت کے ساتھ اس طرح ترچھی کھڑی کی جیسے کسی خطرناک حادثے سے بال بال بچا ہو پھر نیچے اتر کر وہ سڑک عبور کرنے لگا۔

"ہم اس وقت کہاں چل رہے ہیں ———؟" میں نے سڑک عبور کرنے کے بعد پوچھا۔

"میرے ذہن میں صرف ایک ہی نام بار بار ابھر رہا ہے ——— جانو ———" راجو نے ایک موٹی سی گالی دینے کے بعد کہا "جس قسم کا وار کیا گیا ہے اس کی توقع کسی چھچھورے آدمی ہی سے کی جا سکتی ہے۔"

"ریشم جان؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں ——" راجو نے بدستور سنجیدگی سے کہا "اسے فوری طور پر کھنگالنا ہمارے لئے اکسیر بھی ہو سکتا ہے، اگر وہ جانو ہی تھا تو اتنی جلدی ادھر آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے کوٹھے اور کوٹھے والیوں کا کوئی سابقہ تجربہ نہیں تھا، نہ ہی میں نے کبھی بازار حسن کے کسی گلی کوچے کا رخ کیا تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہاں قدم قدم خطرات جنم لیتے رہتے ہیں، بہکے ہوئے شرابیوں اور بگڑے دل جوانوں کی مستی دور کرنے کی خاطر والوں اور طوائفوں کے زر خرید غنڈے بھی کیل کانٹے سے لیس ہوتے ہیں لیکن راجو کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا، وہ روشن سڑکوں سے بچتا بچاتا پتلی پتلی گلیوں سے گزر کر ایک دو منزلہ عمارت کے عقبی دروازے تک پہنچ گیا۔ چاروں طرف سے طبلے کی تھاپ، گھنگھروں کی جھنکار اور گانے والیوں کی آوازیں آرہی تھیں، راجو نے عمارت میں داخل ہونے کی خاطر سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے تو ایک لمبا تڑنگا آدمی کہیں سے نکل کر سامنے آگیا، نیم تاریکی کے باوجود اس کے تیور خاصے خطرناک نظر آرہے تھے، راجو نے گردن جھکا رکھی تھی اس لئے آنے والا اس کی شکل پوری طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔

"کہاں کے نواب ہو میری جان! جو چھپ کر چور دروازے سے طوائف کے

کوٹھے پر جانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"مجھے ریشم جان سے ایک ضروری کام ہے ...." راجو نے بڑے اطمینان سے گردن اونچی کی۔

"معاف کرنا استاد۔۔۔" لمبے تڑنگے شخص نے راجو کو پہچان کر معذرت کی "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ۔۔۔"

"زیادہ مت سوچنا" راجو نے خشک اور کھردرے لہجے میں جواب دیا "ایک بات اور .... اس بات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دینا کہ میں کبھی اس طرف آیا تھا' اسی میں تمہاری بھلائی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔"

"میں ہمیشہ یاد رکھوں گا استاد ...." اس نے ہاتھ جوڑ دیئے "تابعدار ہوں آپ لوگوں کا۔"

"جب تک ہم اوپر رہیں کسی اور کو اس راستے سے نہ آنے دینا .... خواہ کوئی بھی ہو۔"

"جو حکم استاد۔۔۔"

راجو کے پیچھے پیچھے میں بھی اوپر جانے والے زینے طے کرنے لگا' راجو مجھے بار بار محتاط رہنے کی تاکید کر رہا تھا' ہم زینہ عبور کر کے جس کمرے میں داخل ہوئے اس کی کیفیت کسی اجاڑ قبرستان سے مختلف نہیں تھی' دیواروں پر جا بجا دھبے نظر آ رہے تھے' دیگر سازوسامان بھی بس واجبی سا تھا' سامنے ہی ایک جھلنگا سا پلنگ پڑا تھا جس پر ایک سالخوردہ سی بڑھیا نیم مردہ سی پڑی پان چبانے میں مصروف تھی لیکن ہمیں دیکھتے ہی تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

"کون ہو تم لوگ؟" اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی عینک اٹھاتے ہوئے کہا پھر عینک ناک کی پھنگی پر جماتے ہی وہ اس طرح چونکی تھی جیسے اپنی نگاہوں پر اعتبار نہ آ رہا ہو' وہ راجو کو کچھ عجیب نظروں سے گھور رہی تھی پھر اس نے خود کو سنبھال کر قدرے نرم لہجے میں پوچھا "کس سے ملنا ہے؟"

"ریشم جان سے ......" راجو نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا' اس کی نظریں بھی بوڑھی عورت کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔

"وہ مجرے میں مصروف ہے لیکن........"

"نیچے تمہارے پالتو بدمعاش نے بھی ہمیں دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا تھا" راجو نے اس کی بات کاٹی "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' ریشم جان سے صرف اتنا کہلوا دو کہ وزیر خان نے اسے فوری یاد کیا ہے" راجو نے استاد کے دو نمبر کے اڈے کے سربراہ کا نام لیا تھا۔

"کیا تم ہی وزیر خان ہو؟" بوڑھی عورت نے کھڑکھڑاتی آواز میں سوال کیا۔

"میں نے تمہیں ریشم جان کو بلانے کو کہا تھا۔۔۔" راجو کے لہجے میں اس بار سفاکی تھی۔

بڑھیا خاموشی سے اٹھ کر لڑکھڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"کیا تم یہاں پہلے بھی کبھی آ چکے ہو؟" میں نے راجو سے دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن یہاں کے اکثر بدمعاش مجھے پہچانتے ہیں" راجو نے بتایا "استاد کے پاس سلام کے لئے حاضری دیتے رہتے ہیں۔"

"بوڑھی عورت تمہیں دیکھ کر چونکی کیوں تھی؟" میں نے اپنے تجسس کا اظہار کیا۔

"یہی سوال میری کھوپڑی میں بھی گونج رہا ہے" راجو نے کچھ سوچ کر کہا "ہو سکتا ہے اسے میری شکل پر کسی اور کا دھوکا ہو رہا ہو۔۔۔ عام آدمیوں کو اس راستے سے آنے کی اجازت نہیں ہے ...."

"ایک بات اور بھی ممکن ہے ...." میں نے دبی زبان میں جواب دیا "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانو نے کسی خطرے کے پیش نظر استاد کے خاص خاص آدمیوں کی تصویریں سب کو دکھا رکھی ہوں۔"

"اوہ۔۔۔" راجو چونکا "میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا .... تمہاری بات میں وزن نظر آ رہا ہے۔"

بڑھیا تنہا واپس نہیں لوٹی تھی' اس کے ساتھ ریشم جان بھی تھی اور ایک خطرناک شخص اور بھی تھا جو مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا ریشم جان کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن راجو پر نظر پڑتے ہی وہ بھی چونکا تھا۔

"ایسے لوگوں کا کوئی پتہ ٹھکانا بھی نہیں ہوتا۔"

"پھر تو ایک صورت باقی رہ جاتی ہے ...." راجو نے ریشم جان کو تیز نظروں سے گھورا "میں آپ کو ساتھ لے چلوں .... جانور خود بخود ہی آپ کی کشش سے کھنچا چلا آئے گا۔"

"آپ اب بات بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں" وہ تیور بدل کر بولی "اول تو میں نے سنا ہے کہ استاد شیرا نے اپنے ساتھیوں کو ہمارے بالا خانے تک آنے سے منع کر رکھا ہے دوسرے یہ کہ اگر ہم اتنی آسانی سے اٹھائے جانے والے ہوتے تو پھر یہ رت جگے اور محفلیں نہ جانے کب کی ختم ہو چکی ہوتیں۔۔۔۔۔"

راجو کے چہرے پر الگ رنگ آکر گزر گیا' اس کے تیور اچانک خطرناک ہو گئے' وہ ریشم جان کو بڑی حقارت بھری نظروں سے گھور رہا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا بدرالدین جو غالباً دروازے کی اوٹ سے ہماری باتیں سن رہا تھا تیزی سے نکل کر سامنے آگیا' وہ صورت شکل ہی سے خطرناک مگر جہاندیدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں استاد" اس نے راجو سے کہا "ریشم جان کو ابھی حالات کا تجربہ نہیں ہے میں تم سے آرام سے بات کرتا ہوں۔"

"مجھے صرف جاتو کا پتہ درکار ہے بدرالدین" راجو نے بدستور ریشم جان کو گھورتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا "اور اپنی ان چھمک چھلو کو سمجھا دو کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں .... ہم جو کہتے ہیں وہ کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔"

ریشم جان بل کھا کر رہ گئی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"یہ ناز و نخرے۔۔۔۔۔۔ یہ ادائیں۔۔۔۔۔ یہ بانکپن۔۔۔۔۔۔ یہ حسن و جوانی کے جادو کسی اور پر جگانا ریشم جان!" راجو نے اس بار بڑے سفاکانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔ "ہم موم کے بنے لوگ نہیں ہیں جو تمہارے غازے لپ سٹک کی گرمی سے پگھل جائیں۔۔۔۔۔ تم نے ابھی کوئی برا وقت نہیں دیکھا جو سینہ تان کر بات کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔ ہم محفلوں اور رت جگوں کا ستیاناس بھی کرنا جانتے ہیں۔

رہا استاد کا معاملہ تو وہ جانتا ہے کہ ہم الٹے توے کی سیاہی سے منہ کالا کرنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"میں ہاتھ جوڑتا ہوں استاد ...." بدرالدین گڑگڑا کر بولا "جانو یہاں آتا جاتا رہتا ہے ہم اس بات سے انکار نہیں کریں گے لیکن اس کا پتہ ٹھکانا ہمیں نہیں معلوم۔۔۔۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟" راجو نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں اپنے دھندے کی قسم کھاتا ہوں' تم سے جھوٹ بول کر موت کو دعوت نہیں دوں گا۔"

"آخری بار وہ یہاں کب آیا تھا؟"

"دو روز پہلے۔"

"مجھے کل شام تک وہ ہر قیمت پر درکار ہے .... لیکن زندہ" راجو نے کہا "بولو۔۔۔۔ مردوں کی زبان دیتے ہو؟"

"مم۔۔۔۔ کوشش کروں گا" بدرالدین نے ہچکچا کر کہا۔

دروازے کی دوسری جانب ہونے والی کھسر پھسر بڑھتی جا رہی تھی' ریشم جان ابھی تک خاموش کھڑی تھی لیکن کسی ایسی زہریلی ناگن کی طرح جس کے پھن کو کسی پھندے میں جکڑ دیا ہو۔ راجو کے تیور خطرناک ہوتے جا رہے تھے پھر اسی وقت کسی کے زینے پر چڑھنے کی آواز سنائی دی تو راجو اپنا ریوالور نکال کر تیزی سے ایک طرف آڑ میں ہو گیا' میں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی ریوالور نکال لیا تھا' بدرالدین اور ریشم جان بدستور اپنی جگہ جمے کھڑے تھے' راجو نے اوپر آتے وقت ملنے والے بدمعاش کو حکم دیا تھا کہ جب تک ہم اوپر رہیں کسی اور کو نہ آنے دیا جائے ایسی صورت میں کسی کا اوپر آنا خطرے سے کم نہیں تھا' راجو نے دروازے کی آڑ میں دیوار سے چپک کر بدرالدین کو خونخوار نظروں سے اشارہ کیا تھا کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے' البتہ ریشم جان اس کا اشارہ پا کر تلملاتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

زینہ طے کرنے والا آدھا راستہ طے کر چکا تھا' میں اور راجو دونوں پوری طرح محتاط تھے۔ پھر جیسے ہی ایک چہرہ آخری سیڑھی پر نمودار ہوا میں نے پنجے جوڑ کر

اس چھلانگ لگا دی' وہ جانو کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اس کی سے والی نشانی نظر آتے ہی میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش بس اچانک تیز ہو گئی تھی' جانو کی نگاہوں میں بھی مجھے خلاف توقع ریشم جان کے کوٹھے پر دیکھ کر حیرت کے پہاڑ ہی ٹوٹے ہوں گے لیکن میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا' جیل میں شیرا کی شاگردی اختیار کرنے کے بعد مجھے وہ تمام گر اور داؤ پیچ آتے تھے جو ایسے موقعوں پر کار آمد ہوتے تھے' میں نے ہوا میں جست لگا کر اپنے دونوں پیروں کی قینچی بنا کر جانو کی گردن میں پھنسا دیا تھا پھر زمین پر ہاتھ ٹیک کر زور لگا کر نیچے آیا تو جانو قلا بازی کھا کر سیدھا راجو کے قدموں میں ہی گرا تھا' پھر راجو نے کسی کیکڑے ہی کی طرح اسے پوری طرح جکڑ کر بے بس کر دیا تھا' بدرالدین تصویر حیرت بنا کھڑا تھا' جانو نے خود کو راجو سے چھڑانے کی حماقت نہیں کی' وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو شاید اس کی گردن کی ہڈی سلامت نہ رہے راجو نے کچھ ایسے ہی انداز میں اسے پکڑا تھا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا؟

"ابھی کچھ دیر پیشتر ہماری گاڑی پر گولی کس نے داغی تھی؟" راجو نے انتہائی سفاک لہجے میں جانو سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ نہیں جانتا۔۔۔۔۔" جانو ہکلانے لگا' جواب میں راجو نے ہاتھ کے حلقوں کو تنگ کر کے ایک جھٹکا دیا تو جانو کربناک انداز میں کراہنے لگا۔

"سچ اگل دو نادان کے کیڑے' ورنہ مسل کر پھینک دوں گا ...." راجو کا لہجہ قہر آلود تھا۔

"تت۔۔۔۔۔۔ تم' میری بات۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ کا یقین کرو۔"

"مجھے پہچانتے ہو؟" میں نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے سرد آواز میں سوال کیا پھر بولا "میں وہی ہوں جسے تم نے اور شکرا خان نے مل کر پھانسنے کی کوشش کی تھی۔۔۔۔۔ لیکن تمہارا شکرا جو دوسروں کا شکار کرتا تھا وہ خود کام آگیا۔"

"مم۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ تم۔۔۔۔۔"

میں نے اسے جواب مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا' ریوالور کو الٹا پکڑ کر اس

کے دستے سے جانو کے سر پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ اس کی کھوپڑی میں ہزاروں سورج طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں گے' اس کی گردن نیچے کو جھول گئی' شاید وہ بیہوش ہو گیا تھا یا پھر اس نے خود کو کچھ دیر غافل رکھنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

"بدرالدین!" راجو نے بدرالدین کو مخاطب کر کے سپاٹ آواز میں کہا "ہم جارہے ہیں لیکن ریشم جان اور اپنے دوسرے حالی موالیوں کو سختی سے زبان بند رکھنے کی تاکید کر دینا۔۔۔۔" پھر اس نے جانو کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ ولد الحرام استاد کو درکار تھا اور تم جانتے ہو کہ استاد ڈھنڈورا پسند نہیں کرتا" جملے کے اختتام کے ساتھ ہی راجو نے ایک جھٹکے سے جانو کو ردی کپڑوں کی گٹھری کی طرح اٹھا کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا تھا۔

"میں تم سے راز داری کا وعدہ کرتا ہوں' دوسرے بھی اپنی زبان بند ہی رکھیں گے" بدرالدین نے یقین دلایا پھر بولا "تمہارا یہاں سے اس طرح جانا دوسروں کو مشکوک کر سکتا ہے' پیچھے ہی میری گاڑی کھڑی ہے' میں تمہیں جہاں کہو چھوڑ دوں گا۔"

راجو نے کچھ سوچ کر بدرالدین کی پیشکش قبول کر لی لیکن اس مقام تک جہاں ہم نے اپنی گاڑی چھوڑی تھی' اس کے بعد بدرالدین واپس چلا گیا تھا' جاتے جاتے راجو نے ایک بار پھر اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی زبانیں بند ہی رکھیں۔

جانو کو پچھلی سیٹ پر ڈالنے کے بعد ہم نے اس کی جامہ تلاشی کی تو صرف ایک ٹی ٹی برآمد ہوا جسے اس نے نیفے میں مضبوطی سے اڑس رکھا تھا' راجو نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی ریورس کی پھر اس کی رفتار تیز کرتا چلا گیا' جانو آسانی سے ہمارے قابو آجائے گا یہ ہم نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا' بہرحال راجو اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔

"دیکھا برادر تم نے؟" اس نے مسکرا کر کہا "حرکت میں برکت اسی کو کہتے ہیں' نیت صاف ہو تو منزل خود بخود آسان ہو جاتی ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ریشم جان اور اس کے ساتھی اپنی زبانوں کو تالو سے لگا کر رکھیں گے؟" میں نے کچھ سوچ کر پوچھا

"کل کی کل دیکھی جائے گی برادر .... آج تو صرف خوشی کے نغمے الاپنے کا دن ہے۔"

"ہم اس وقت کہاں جائیں گے؟"

"وزیر خان کے پاس۔۔۔۔" راجو لہک کر بولا "جانو کا تحفہ پاکر وہ یقیناً بہت خوش ہو گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' میرے ذہن میں جانو کو حاصل کر لینے کے بعد اب صرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔۔۔ "کیا ہم اسلم ڈنکا تک بھی آسانی سے پہنچ جائیں گے؟؟"

شیرا کے حکم پر وزیر خاں نے جانو کو تہہ خانے میں پہنچا دیا تھا۔ جانو کو دیکھ کر وزیر خاں اور شیرا دونوں ہی کو خوشی ہوئی تھی لیکن پھر میری وجہ سے شیرا نے راجو سے باز پرس شروع کر دی' وہ مجھے فی الحال تمام معلومات سے دور رکھنے کا خواہشمند تھا اسی لئے کھل کر اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر رہا تھا' راجو نے شیرا کو مطمئن کرنے کی خاطر جو تفصیل سنائی اس میں حقیقت کے ساتھ ساتھ مصلحتاً کچھ ملاوٹ بھی کرنی پڑی' بہر حال گاڑی کے عقبی شیشے کی کرچیوں نے شیرا کو بڑی حد تک مطمئن کر دیا تھا۔

"تھانے میں رپورٹ درج کرا دی ....؟" شیرا نے سب کچھ سننے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔

"اتنا موقع ہی نہیں ملا تھا استاد" راجو نے کہا۔

"اب جا کے تفصیلی ایف آئی آر درج کرا دو لیکن اس میں جانو کا نام نہیں آنا چاہئے" شیرا نے کچھ سوچ کر کہا "تھانے سے فارغ ہو کر تم دونوں دارالاسلام جاؤ گے جب تک میری طرف سے کوئی پیغام نہ ملے ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

"ریشم جان اور اس کے آدمیوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے" راجو نے اٹھتے ہوئے کہا "میں نے بدرالدین کو اپنی خالص زبان میں سمجھا دیا ہے لیکن میرا خیال ہے ریشم جان ...."

"اس کی فکر نہ کرو ...." شیرا نے سنجیدگی سے جواب دیا "اسے میں دیکھ

لوں گا ...."

اڈے سے باہر آ کر ہم دونوں ہی نے سکون کا سانس لیا۔ راجو نے اسی تھانے کی حدود میں ایف آئی آر درج کرائی جہاں ہم پر گولی چلائی گئی تھی' تھانے دار اس کا واقف نکلا اس لئے ہمیں اس مرحلے پر بھی کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا' ہم اس سے رخصت ہونے لگے تو اس نے راجو سے کہا۔

"سنا ہے آج کل ایس پی چوہان صاحب بھی تمہارے اڈوں کے بڑے چکر لگا رہے ہیں؟"

"ہاں ...." راجو نے گول مول جواب دیا "عظمت بیگ کے سلسلے میں لے دے شروع ہو چکی ہے اس لئے چوہان صاحب ہر مشکوک آدمی کو ٹٹولتے پھر رہے ہیں ...."

"استاد سے کہنا کہ ذرا ہوشیار ہی رہے' چوہان صاحب زیادہ برے آدمی بھی نہیں ہیں لیکن انسپکٹر ساجد کریمی ہر وقت ان سے چپکا رہتا ہے .... آگے تم خود سمجھدار ہو ...."

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں" راجو بولا "استاد بھی ساجد کریمی کی نس نس سے واقف ہے۔"

"آپ کی تعریف؟" تھانے دار نے میری جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"لمبا تعارف ہے' پھر کبھی اطمینان سے بات ہو گی" راجو نے مسکرا کر جواب دیا "فی الحال صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ برادر اور استاد کی ملاقات بڑے مہمان خانے میں ہوئی تھی اور وہاں تک برادر کو پہنچانے میں تمہارے ساجد کریمی کی حرامزدگی کو بڑا دخل تھا۔"

واپسی میں ہمارے درمیان ریشم جان اور اس کے آدمیوں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی' راجو کا خیال تھا کہ ریشم جان حالات کے پیش نظر جانو کے سلسلے میں ہاتھ پاؤں ضرور ہلائے گی' ایسا نہ کرنے کی صورت میں جانو اور اسلم ڈنکا دونوں ہی اس کے دشمن ہو سکتے تھے۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ جانو آسانی سے اسلم ڈنکا کے سلسلے میں اپنی معلومات اگل دے گا؟"

"اس کی فکر مت کرو ...." راجو نے بڑے اطمینان سے کہا "جانو کے لئے وزیر خان ہی بہت ہے .... وہ جانو جیسے لوگوں کی زبان کھلوانے میں پوری مہارت رکھتا ہے۔"

ہم دارالاسلام پہنچے تو وہاں انسپکٹر ساجد کریمی پہلے سے موجود تھا' راجو کے ساتھیوں نے اسے پیچھے ہی آگاہ کر دیا تھا لیکن راجو نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی' ہم سیدھے ڈرائنگ روم ہی میں چلے گئے جہاں ساجد کریمی سادے لباس میں موجود تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"آوارہ گردی ـــــــ" راجو نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ آپ سنایئے' زیادہ انتظار کی زحمت تو نہیں اٹھانی پڑی؟"

"ملنا ضروری ہو تو پھر انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" ساجد کریمی نے مجھے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر قدرے سنجیدگی سے بولا "کیا تم تفصیل سے بتانا پسند کرو گے کہ کہاں کہاں کی آوارہ گردی کر کے واپس آئے ہو؟"

"خیریت تو ہے؟" راجو سنبھل کر بیٹھ گیا' میں نے بھی ساجد کریمی کے لہجے سے اسی بات کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس وقت محض تفریحاً نہیں آیا تھا۔ اس کے لہجے سے ریاکاری کی بو آ رہی تھی۔ کوئی بات ضرور تھی جو اس کی نظریں بار بار میری جانب اٹھ رہی تھیں۔

"کیا یہ مناسب ہو گا کہ ہم تنہائی میں ضروری باتیں کر لیں" ساجد کریمی نے ایک بار پھر مجھے ناگوار انداز میں گھورا تو میں ضبط نہ کر سکا۔

"استاد نے مجھے اپنی تنظیم میں ایک فرد کی حیثیت سے قبول کیا ہے" میں نے ونگ آواز میں براہ راست اسے مخاطب کیا "میرا درجہ خان دلاور کے برابر ہے اس لئے مجھ سے پردہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہےــــــ بات میری موجودگی میں بھی کی جا سکتی ہے۔ میں سارے حساب کتاب سے بھی بخوبی واقف ہو چکا ہوںــــــ"

میرے آخری جملے کی تلخی نے ساجد کریمی کو جھلسا دیا تھا لیکن وہ بہت گھاگ اور جہاندیدہ شخص تھا چنانچہ اس نے فوراً ہی کینچلی بدلنے کی کوشش نہیں کی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے خود کو بہت جلدی اپنے سانچوں میں ڈھال لیا" اس کے لہجے میں تلخی شامل تھی۔

"یہ سب تمہاری مہربانی ہے ساجد کریمی!" میں نے پہلو بدل کر کہا "تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو شاید میں اتنی جلدی زندگی کے قرینوں سے واقف نہ ہوتا .... شرافت کی زندگی میں منافع کم اور خسارہ زیادہ ہوتا ہے۔"

"مسٹر رشید احمد!" اس بار وہ میرے زہر بجھے جملوں کی تاب نہ لا سکا' خالص پولیس والوں کے لہجے میں بولا "میں ہر خاص و عام سے بے تکلف ہونے کا عادی نہیں ہوں اس لئے مناسب ہو گا کہ تم اپنی زبان بند ہی رکھو۔"

"آج بڑے اونچے سروں میں بول رہے ہو انسپکٹر!" راجو ہمارے درمیان میں آ گیا "بات کیا ہے ....؟"

"بات ابھی تک روزنامچہ میں درج نہیں کی گئی ہے" اس نے بدستور تلخ انداز میں کہا "میرا خیال ہے کہ تمہارے لئے ریشم جان کا حوالہ ہی کافی ہو گا۔۔۔ آگے تم خود سمجھدار ہو۔۔۔"

"سودے بازی کے ارادے سے آئے ہو؟" راجو نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"تم دونوں وہاں کس مقصد سے گئے تھے؟" ساجد کریمی نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کہاں کی بات کر رہے ہو انسپکٹر!" میں نے راجو کو بولنے کا موقع نہیں "ہم اس وقت تھانے میں اپنے اوپر کئے جانے والے حملے کی رپورٹ درج کرا کے آ رہے ہیں' کسی نے ہمارے اوپر جان لیوا حملہ کرنے کی کوشش کی تھی' نیچے ہماری گاڑی موجود ہے' تم چاہو تو اسے دیکھ کر بھی ہمارے بیان کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"گڈ۔۔۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے معنی خیز نظروں سے کہا "تم نے بہت جلدی سارے داؤ پیچ سیکھ لئے ہیں۔"

"یہ بھی تمہاری عنایت تھی ورنہ بندہ کس قابل تھا ...."

"استاد شیرا کے بل بوتے پر بول رہے ہو رشید احمد' ورنہ تمہاری اتنی جرات

کبھی نہ ہوتی" وہ ایکدم ہی پٹری سے اتر گیا۔

"پولیس کی وردی نے تمہیں بھی بہت تحفظ فراہم کر رکھا ہے" میں نے اسے آئینہ دکھانے کی کوشش کی "ورنہ اب میں وہ رشید احمد نہیں رہا جسے تم نے بے گناہ گرفتار کر لیا تھا' جیل کے دن اور جیل کی راتوں نے اس شریف زادے کو بہت عرصہ پہلے ختم کر دیا ہے' تین سال کی قید با مشقت کا اندازہ تم صرف باہر سے لگا سکتے ہو۔۔۔ کبھی تجربہ کر کے دیکھو تو۔۔۔"

"تم کسی ریشم جان کی بات کر رہے تھے ...." راجو نے مجھے جذباتی ہوتے محسوس کیا تو درمیان میں بول پڑا "اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ کسی کنجری ہی کا نام ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہارے اندازے کی تردید نہیں کروں گا" ساجد کریمی نے بڑی مشکلوں سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "اسی لئے یہ مشورہ دینے آیا تھا کہ گندگی کو اگر بالا ہی بالا دفن کر دیا جائے تو بہتر ہے .... آبرو باختہ عورتیں اگر اپنی ضد پر آ جائیں تو پھر موت ہی ان کی زبان پر تالے ڈال سکتی ہے۔"

"میں تمہارے اس قیمتی مشورے کو ذہن میں محفوظ رکھوں گا" راجو سرسراتے لہجے میں بولا۔

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ہم قبل از وقت فیصلوں کی محتاجی کا چکر پالنے کے عادی نہیں۔۔۔ وقت پر جو مناسب ہوتا ہے کر گزرتے ہیں۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا" ساجد کریمی اٹھ کھڑا ہوا اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر اس کے بس میں ہوتا تو شاید وہ مجھے کچا ہی چبا ڈالتا۔

"کچھ چائے یا ٹھنڈا نہیں چلے گا؟" راجو نے اٹھتے ہوئے اخلاقاً پوچھ لیا۔ میں بدستور بیٹھا رہا۔

"ادھار رہا .... پھر کبھی سہی" ساجد کریمی نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی پھر ہونٹ چباتا تیزی سے باہر نکل گیا۔

ہمیں اس کی باتوں سے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ریشم جان نے اونچے

حلقوں میں اپنا اثر رسوخ استعمال کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ شاید اس نے اپنے آدمیوں کی بات پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ساجد کریمی چونکہ بازار حسن کے علاقے میں خاصہ عرصہ تعینات رہ چکا تھا اس لئے یہ بھی ممکن تھا کہ بات ابھی صرف اسی کی حد تک محدود ہو' بہرحال' اس کے جانے کے فوراً ہی بعد راجو نے فون کر کے شیرا کو حالات سے باخبر کر دیا تھا' میں خاموش بیٹھا ساجد کریمی کے بارے میں غور کرتا رہا' اب اس کا وجود میرے لئے تقریباً ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ ہو سکتا تھا اس کے دل میں میرے لئے بھی کوئی ایسی ہی بات موجود ہو .... لیکن ایک بات ناقابل تردید تھی' یہ کہ میرے مقابلے میں اس کی قانونی پوزیشن زیادہ مستحکم تھی!!

"مبارک ہو برادر!" راجو نے ریسور رکھ کر مجھ سے کہا "جانو نے اسلم ڈنکا کے سلسلے میں زبان کھول دی ہے۔"

"ساجد کریمی کے بارے میں استاد نے کیا کہا؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"پریشان مت ہو برادر!" راجو نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا "ایک حمام میں سب ننگے ہوں تو پھر ایک دوسرے پر انگلی اٹھانے کی حماقت کوئی نہیں کرتا......... استاد نے بھی یہی جواب دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے ساجد کریمی خاموش نہیں رہے گا" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا "میں اپنے بارے میں بھی غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا......... اسے دیکھ کر میرے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے' وہ درمیان میں نہ آ جاتا تو آج میں کسی اور مقام پر ہوتا۔ اس نے میرے خلاف جو بھی کیا وہ اتفاق نہیں تھا' وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کاظم پاشا کو اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھانسنا چاہتا تھا کہ اتفاق سے میں درمیان میں آ گیا" میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں اگر ساجد کریمی کے کہنے پر کاظم پاشا کا نام لے دیتا تو میری گلو خلاصی ہو سکتی تھی لیکن میں نے اس کا نام نہیں لیا خود قربانی کا بکرا بن گیا مگر حاصل کیا ہوا ....؟ کاظم پاشا دوغلی سیاست کا شکار ہو کر خود ان ہی لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا یا مروا دیا گیا جن کی خاطر وہ مذہب کی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا .... اور

اب ڈاکٹر شبیر کو بھی ٹھکانے لگا دیا گیا۔"

"مجھے کھل کر بتاؤ برادر!" راجو نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہو گا" میں نے دل مسوس کر کہا "استاد کی مہربانیوں نے میرے ہاتھ باندھ دیئے ورنہ........."

"ورنہ تم کیا کرتے؟"

"ان تمام افراد کو نیست و نابود کر دیتا جنہوں نے میرے راستے میں کانٹے بونے کی کوشش کی تھی" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا "لاوا اندر اندر ہی پکتا رہے تو خود اپنے آپ کو جھلساتا رہتا ہے .... پھوٹ پڑے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتا ہے .... دل کی بھڑاس نکل جائے تو ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"میں تمہاری کیفیت سمجھ رہا ہوں ...." راجو اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور بڑے خلوص سے بولا "دل چھوٹا نہ کرو .... میں جو تمہارے ساتھ ہوں .... تم ایک بار کھل کر کہہ کر تو دیکھو' تمہاری خوشی کی خاطر میں اپنے آپ کو بھی سولی پر لٹکا سکتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے راجو کو اپنائیت سے مخاطب کیا "تمہاری دوستی میرے لئے زندگی کا سہارا ہے' تم نہ ملے ہوتے تو شاید میں اندر ہی اندر گھٹتا رہتا۔"

"سب وقت کی بات ہے برادر!" راجو نے سرد آہ بھر کر کہا "آج تم مجھے پیار کر رہے ہو لیکن کل جب بھابی آ جائے گی تو تم اس کی گھنیری زلفوں میں چھپ کر سب کو بھول جاؤ گے .... بچوں کی ٹیاؤں ٹیاؤں شروع ہو گی تو شاید تم کو راجو کا نام بھی نہ یاد رہے........."

میں سمجھ رہا تھا کہ راجو نے نازو کا ذکر کیوں چھیڑا تھا' وہ شکوہ یا شکایت نہیں کر رہا تھا' مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا' میرے ذہن میں جو انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے تھے انہیں سرد کرنے کی خاطر نازو کے ذکر کو درمیان میں لے آیا تھا' میں نے راجو کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا مسکرا کر اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"خوش رہا کرو برادر!" اس نے بڑی گرم جوشی سے کہا "تم ہنستے بولتے اچھے

لگتے ہو۔"

○

دوسری صبح میں ناشتے سے فارغ ہوا تو خان دلاور آ گیا' استاد شیرا نے ہمیں فوری طور پر طلب کیا تھا' راجو اور میں تیار ہو کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ راستے میں راجو نے خان دلاور سے پوچھا۔

"جانو کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

"استاد نے اسے صرف دو گھنٹے کے لئے ننگا کر کے الٹا لٹکوایا تھا" خان دلاور نے کہا "ہمارا خیال تھا کہ وہ شرافت سے زبان نہیں کھولے گا لیکن اس حرامی نے ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع نہیں دیا۔ آدھے گھنٹے تک گھڑی کے پنڈولم کی طرح جھولنے کے بعد ہی وہ استاد کے سوالات کے فرفر جواب دینے لگا۔"

"اسلم ڈنکا کے بارے میں کیا بتایا اس نے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا "کیا وہ اسی شہر میں کہیں چھپا بیٹھا ہے؟"

"استاد نے جانو سے تنہائی میں اسلم ڈنکا کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی" خان دلاور نے بتایا "مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ جانو نے سب کچھ اگل دیا ہے اور عنقریب کوئی بڑا آپریشن ہونے والا ہے۔"

ہم نے اپنی طلبی کے بارے میں دریافت کیا لیکن خان دلاور کو اس سلسلے میں بھی کوئی علم نہیں تھا' بہرحال ہم اڈے پر پہنچے تو استاد ہمارا منتظر تھا' وزیر خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں نے شیرا کے چہرے کو غور سے دیکھا مگر وہ کسی قسم کے جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

"ابھی کچھ پہلے ایس پی چوہان کا فون آیا تھا" شیرا نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ "ساجد کریمی نے تمہارے سلسلے میں اس کے کان بھرنے کی کوشش کی ہے۔"

"پھر؟" میں نے مختصراً کہا۔

"پھر کیا......" شیرا نے میری سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے جواب دیا "میں نے

چوہان صاحب سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ساجد کریمی کی لگام کھینچ کر رکھے ورنہ ہمارے تعلقات میں دراڑ بھی پڑ سکتی ہے۔"

"استاد........" راجو نے میری حمایت میں کہا "یہ ساجد کریمی آج کل اپنی اوقات سے کچھ زیادہ ہی بڑھتا جا رہا ہے' تم اجازت دو تو اسے تھوڑا سا گھٹا دیا جائے؟"

"نہیں .... فی الحال ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا" شیرا نے سنجیدگی سے کہا پھر مجھے دیکھ کر بولا "تو فکر کیوں کرتا ہے شہزادے' میں جانتا ہوں کہ استنجے کے ڈھیلے کو استعمال کر کے کہاں پھینکا جاتا ہے۔"

پھر شیرا ہمیں لے کر باہر آ گیا جہاں دوسری گاڑی تیاری کھڑی تھی' وزیر خان شیرا کے اشارے پر راجو اور خان دلاور کے ساتھ بیٹھ گیا' میں اور شیرا دوسری گاڑی میں تھے۔ مجھے مطلق اس بات کا علم نہیں تھا کہ میری طلبی کس وجہ سے ہوئی تھی۔ میں شیرا سے دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا' وزیر خان کے دوسری گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میرا خیال تھا کہ شیرا مجھ سے کوئی ضروری بات کہنے والا تھا لیکن خاصی دیر تک وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں' میرا تجسس بڑھنے لگا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے استاد؟...... ہم اس وقت کہاں چل رہے ہیں؟"

"شہزادے ...." شیرا نے تھوڑے توقف سے کہا "موت اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ جو کام جتنی جلدی نپٹ جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو......؟" میں نے شیرا کو مستغرق پا کر کہا "کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں؟"

"جانو نے اسلم ڈنکا کے بارے میں بہت اہم انکشاف کئے ہیں' اس نطفہ نا تحقیق کا دماغ چل گیا ہے شاید۔ موری کی اینٹ چوبارے چڑھنے کی کوشش کر رہی ہے' کسی نے سچ ہی کہا ہے..... خالص گھی کتے کو ہضم نہیں ہوتا۔"

"کیا تمہیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہے ......؟" میں نے شیرا کو

کریدنے کی کوشش کی تو وہ لاپرواہی سے ہنس کر بولا۔

"شیرا خود ایک خطرے کا نام ہے شہزادے' لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی کبھی مردوں کی موت نامردوں کے ہاتھ بھی لکھ دی جاتی ہے' بھونکنے والے کتے اکثر کاٹ بھی کھاتے ہیں .... سیانے کوے کے گو کھانے کی مثال بھی تم نے ضرور سنی ہو گی اس لئے احتیاط بہرحال شرط ہے ...."

"میں کچھ سمجھا نہیں استاد!" میں نے سنجیدگی سے کہا "کیا اسلم ڈنکا ہم سے ٹکرانے کی حماقت کرنے والا ہے؟"

"موت برحق ہے میری جان!" شیرا نے پھر دائیں بائیں اور عقبی شیشے پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا "مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔"

"تم شاید مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو ....؟"

"ہاں .... میں نہیں چاہتا کہ تم درمیان میں آؤ" شیرا نے اس بار بڑی سنجیدگی سے کہا "جیل میں جب ہماری ملاقات ہوئی تھی اس وقت میں نے تمہاری رام کہانی سن کر یہی فیصلہ کیا تھا کہ تمہیں کندن بنا دوں گا۔ جب انسان کو مانگ کر کھانا نہ ملے تو پھر اس کے لئے زندہ رہنے کا ایک ہی طریقہ باقی رہتا ہے .... دوسروں سے جھپٹ کر پیٹ بھرنے کی عادت ڈال لے .... آج کل لوگ شرافت کی زبان نہیں سمجھتے' انہیں سمجھانے کی خاطر انسان کو مجبوراً" وہی زبان بولنی پڑتی ہے جو آسانی سے ان کی کھوپڑی میں سما سکے' ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ ضرور آتا ہے جو اس کی پٹڑی کا کانٹا بدل دیتا ہے' میں کوئی عالم فاضل نہیں ہوں لیکن اب تک جتنوں کی دم اٹھا کر دیکھی ہے کوئی نہ کوئی نیا تجربہ ضرور ہوا ہے' ظاہر و باطن کو سمجھنے کی خاطر بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں پھر کہیں جا کر کوئی نکتہ سمجھ میں آتا ہے۔"

"میرے بارے میں تم نے کیا اندازہ قائم کیا ہے ....؟"

"تم اس دنیا میں نہیں سما سکتے شہزادے' جس دنیا میں ہم سانس لے رہیں ہیں۔ اسی لئے میں نے تم کو مشورہ دیا تھا کہ اپنی دنیا میں واپس لوٹ جاؤ .... جو راستہ گم ہو جائے اسے تلاش کرنے سے بہتر ہے کہ انسان کوئی نیا راستہ تلاش کر لے۔"

شیرا نے ایک طویل سانس لے کر بات جاری رکھی "مجھے تمہارے بچھڑنے کا دکھ ضرور ہو گا لیکن آج میں نے تمہیں علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسلم ڈنکا کے خون سے ہاتھ رنگنے سے پیشتر میں تمہیں خیرباد کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"استاد........!"

"نہیں شہزادے .... نہیں" شیرا نے تیزی سے اپنی آواز بلند کی "آج میری کسی بات سے انکار مت کرنا۔ آج شیرا کی زندگی میں بہاروں کے پھول کھلنے والے ہیں .... آج میں نازو کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے کر پھر نیکی کمانے کی کوشش کروں گا۔ یہ اور بات ہے کہ نیکی کبھی شیرا کو راس نہیں آئی .... میری ایک بات کا خیال رکھنا' کنول کا پھول گندے پانی میں کھل کر بھی اپنی پاکیزگی برقرار رکھتا ہے .... نازنین کو تم نے اتنے قریب سے نہیں دیکھا جتنے پاس سے میں نے اسے پرکھا ہے۔ وہ اس انمول ہیرے کی مانند صاف و شفاف ہے جو کرچی کرچی ہونے کے بعد بھی چمکتا دمکتا رہتا ہے .... تم نے اگر کبھی اسے دکھ پہنچایا تو مجھے افسوس ہو گا .... اس کا خیال رکھنا شہزادے .... میری خاطر۔"

شیرا مجھے نصیحتیں کرتا رہا اور میں خاموش بیٹھا اس شخص کی عظمت اور بلندی کی پیمائش کرتا رہا جسے حالات نے مجرم بنا دیا تھا۔

کچھ دیر بعد ہم ایک پوش علاقے کے خوبصورت بنگلے میں داخل ہوئے' شیرا کے ہارن بجاتے ہی کسی نے اندر سے جھانکا پھر پھاٹک کھول دیا' دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں تو چوکیدار نے جو پوری طرح مسلح تھا پھاٹک دوبارہ بند کر دیا' ہم اس عمارت کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے جہاں نکاح پڑھانے والا مولوی ایک شخص کے ساتھ پہلے سے موجود تھا۔ شیرا نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بغیر کسی تمہید کے مولوی سے بولا۔

"بسم اللہ کیجئے بڑے صاحب .... نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

میں اختصار سے کام لوں گا .... میرے علاوہ وزیر خاں' راجو یا خان دلاور کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ نازنین سے میرا نکاح اتنے ہنگامی انداز میں ہو گا' شیرا نے ہمارے عقد کے لئے جمعہ کا مبارک دن مقرر کیا تھا لیکن جانو کے ہاتھ آ جانے

کے بعد کسی خطرے کے پیش نظر اس نے اپنے پروگرام میں تبدیلی کر دی تھی۔

نکاح کے بعد ہر شخص نے باری باری مجھے مبارکباد دی' سب سے آخر میں شیرا نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا پھر میرے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"شہزادے .... تمہیں نئی زندگی مبارک ہو .... میری دعا ہے کہ خدا تم دونوں کو ہمیشہ آباد رکھے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں استاد" میں نے خلوص دل سے جواب دیا۔

"میں نے تم دونوں کے لئے تمام بندوبست مکمل کر دیا ہے .... دو روز بعد راجو اور وزیر خاں تمہیں اس نئے شہر میں چھوڑ آئیں گے جہاں تمہیں نئے سرے سے اپنی دنیا آباد کرنی ہے۔"

دو گھنٹے بعد سب لوگ رخصت ہو گئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں' شیرا کے گروہ کے درمیان رہتے ہوئے مجھے بہت طویل عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن ان لوگوں کے سوا دنیا میں میرا اور کون تھا؟ اب ان سے بچھڑ جانے کا احساس مجھے ستا رہا تھا۔ شیرا نے جس انداز میں مجھے نوازا تھا اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کی محبت نے مجھے خرید لیا تھا۔

نازنین سے میرے نکاح میں پروگرام کی تبدیلی کا اصل سبب کیا تھا؟ مجھے پوری طرح اس کا علم نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ جانو کے ہاتھ آ جانے کے بعد ہوا تھا۔ راجو نے مجھے صرف اتنا بتایا تھا کہ جانو نے اسلم ڈنکا کے بارے میں سب کچھ اگل دیا تھا لیکن مجھے اس کی تفصیل کا کوئی علم نہیں تھا' بہرحال میں نے ذاتی طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ شیرا نے کسی متوقع بڑے ہنگامے سے پیشتر مجھے درمیان سے ہٹا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جو کچھ کر چکا تھا اور جو کر رہا تھا وہ صرف میری اور نازنین کی بھلائی کے لئے تھا ورنہ اس کا چودھری نواز سے براہ راست کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اس بارود کو پہلی چنگاری میں نے جیل سے رہا ہونے کے بعد دکھائی تھی۔ میں نازنین کو اس جہنم سے نکالنا چاہتا تھا جہاں اسے زبردستی زندہ رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ شیرا اسے پہلے سے جانتا تھا اور نازو کے بارے میں اس کی بھی وہی رائے تھی جو میری تھی۔

میں نے چودھری نواز کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چودھری نواز کا قصہ پاک ہو جانے کے بعد اس کے گروہ کا زور ٹوٹ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا' اس کے گرگے میرے خون کے پیاسے ہو گئے پھر ایس پی چوہان کے درمیان میں آ جانے کے بعد شیرا نے بھی اس قصے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس سے پیشتر وہ مجھے اور نازو کو ایک مضبوط رشتے کے بندھن میں باندھ کر اپنی دنیا سے دور بھیجنے کا ارادہ بھی کر چکا تھا۔ جانو کے ہاتھ آ جانے کے بعد ہی اس نے اپنے طے شدہ پروگرام میں تبدیلی کی تھی۔

میں بہت دیر تک خاموش کھڑا شیرا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا پھر اس خوبصورت سجے سجائے اور مہکتے کمرے میں داخل ہوا جہاں نازو میری تقدیر بنی بیٹھی تھی' میں آہستہ سے اس کے قریب جا کر بیٹھا تو وہ شرما کر اپنے وجود میں کچھ اور سمٹ گئی۔

وہ رات میری زندگی کی شاید سب سے حسین رات تھی۔ اس رات نازو کو پا لینے کے بعد جیسے مجھے زندہ رہنے کا ایک سہارا مل گیا تھا۔ وہ خوشیوں اور غم کی ملی جلی رات تھی اس رات مجھے اپنے والدین بڑی شدت سے یاد آئے' ماضی کی بھولی بسری یادوں کے سائے پھیل کر گہرے ہونے لگے تو نازو مجھے حال میں گھسیٹ لائی۔ اس کی معصوم باتوں نے مجھے کھل کر مسکرانے کا حوصلہ عطا کیا۔ اس رات نازو یکسر بدل گئی تھی۔ ہم اس رات بہت دیر تک اپنی خوشیوں کا جشن مناتے رہے۔ شیرا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں کرتے رہے' اسلم ڈنکا اور اس کے گرگوں کے اندیشوں سے دور رہنے کی خاطر منصوبے بناتے رہے پھر جب رات ڈوبنے لگی تو میں نے بھی تھک ہار کر نازو کے گداز وجود میں گم ہو کر آنکھیں موند لیں رات آہستہ آہستہ بھیگتی جا رہی تھی۔

اس رات کب میری آنکھ لگی اور کب میں دنیا کے ہنگاموں سے بے خبر ہوا مجھے کچھ یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ رات کے کسی لمحے میں میری نیند اچانک اچاٹ ہو گئی۔ میں آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے نازو کی طرف دیکھا وہ مسہری پر اپنے وجود میں سمٹی سمٹائی محو خواب تھی۔ سادگی کے باوجود اس کے چہرے پر حسن کا

نکھار پہلے سے زیادہ دلکش نظر آ رہا تھا۔ میں آہستہ سے اٹھ کر خواب گاہ سے باہر آ گیا اور شب خوابی کے لباس میں ملبوس ٹہلتا ہوا لان پر جا کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ آسمان پر چاند بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ خنکی میں بھیگی بھیگی فضا ذہن کو ایک فرحت بخش تازگی کا احساس دلا رہی تھی۔ میں ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں' میں اس احساس کو کوئی نام نہیں دے سکتا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا سانس اندر ہی اندر گھٹ رہا ہو' جیسے خطروں کے سیاہ بادل دبے قدموں میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے ہوں۔ ایک نامعلوم سی خلش تھی جو مجھے بے چین کر رہی تھی' میں نے اٹھ کر واپس خوابگاہ میں جانے کا ارادہ کیا لیکن اس سے پیشتر کہ میں کوئی جنبش کرتا ایک سرسراتی آواز میرے کان میں سرگوشی بن کر گونجی۔

"کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ تمہاری موت بھی بڑی عبرتناک ہو گی۔"

میرے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔ میرے دشمن شاید میری بو سونگھتے ہوئے میرے سر تک آ پہنچے تھے' وہ یقیناً" تنہا نہیں ہوں گے' لان تک آنے کی خاطر انہیں احاطے سے گزرنا پڑا ہو گا اور ایسا کرتے وقت بنگلے کے پہریداروں سے ان کا ٹکراؤ ضروری تھا۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹیوں کی بازگشت تیز ہو گئی۔ نازو خواب گاہ میں تنہا تھی' ممکن ہے میرے دشمن اس تک بھی پہنچ گئے ہوں۔ شیرا کے جان نثار جو میری حفاظت پر معمور کئے گئے تھے وہ بکنے والے لوگ نہیں تھے۔ انہوں نے یقیناً" بے جگری سے مقابلہ کیا ہو گا لیکن دشمنوں کے اچانک حملے نے انہیں شاید پوری طرح سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ان میں سے ایک بھی زندہ ہوتا تو دشمن اتنی آسانی سے میرے قریب نہیں آ سکتا تھا۔

"تمہاری کوئی کوشش اب کارگر نہیں ہو گی۔" وہ شخص جو میری پشت پر تھا اب کھل کر سامنے آ گیا' اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ وہ دراز قد اور مضبوط جسم کا مالک تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں اسلحہ نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ مجھے اندھیرے میں امید کی ایک کرن نظر آئی' وہ غالباً" بنگلے میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی موجودگی کے سبب بے فکر ہو کر میرے سامنے آ گیا تھا' میں اگر اسے زیر کرنے میں

کامیاب ہو جاتا تو بچاؤ کی کوئی صورت بھی نکل سکتی تھی۔ میں نے محتاط انداز میں خود کو تیار کرنے کی خاطر پہلو بدلا لیکن شاید وہ میرے تیور دیکھ کر میرا ارادہ بھانپ چکا تھا۔

"تم خوش فہمی کا شکار ہو رہے ہو ...." وہ سرد اور سفاک لہجے میں بولا "ایک نظر دائیں بائیں ڈالو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہمارے شکنجے سے نہیں چھڑا سکے گی۔"

میں نے نگاہوں کا زاویہ تبدیل کر کے دائیں بائیں دیکھا' نقاب پوش نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا میرے دونوں طرف ہٹے کٹے سیاہ پوش رائفل تانے موت کے فرشتوں کی طرح تعینات تھے۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا؟" میرے مد مقابل نے میری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "کیا اب بھی تم ہماری کسی بات سے انکار کرنے کی جسارت کر سکو گے؟"

"میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں .... ایک شرط پر۔"

"تم اب اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ ہم تمہاری کسی شرط پر غور کر سکیں" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" میں نے دل کڑا کر کہا "تم جو چاہو سزا دے سکتے ہو لیکن نازنیں کو معاف کر دو' وہ بے قصور ہے۔"

"اس کا فیصلہ کوئی اور کرے گا" نقاب پوش نے کہا "ویسے بھی ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں .... تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم اسلم ڈنکا کے ساتھی ہو؟"

"ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ تم مضبوط ارادوں اور اعصاب کے مالک ہو-----"

اس نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی "مجھے حیرت ہے کہ تمہارا ذہن ابھی تک تمہارا ساتھ دے رہا ہے----- تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اب تک اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہوتا۔"

وہ مجھے اعصابی دباؤ کا شکار کرنے کی کوشش کر رہا تھا' نازو کا خیال میرے پاؤں کی زنجیر بن گیا تھا' میں نے نقاب پوش کی بات کا جواب نہیں دیا صرف اسے تیز

نظروں سے گھورتا رہا۔

"تمہارا کھیل اب ختم ہو چکا ہے ...." اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی "شیرا اور اس کے ساتھیوں کا انجام بھی خراب ہو گا' اس نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ کر اپنی موت ہی کو آواز دی ہے ...."

"تم شاید اب مجھے ہنسانے کی کوشش کر رہے ہو ...." میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا "اسلم ڈنکا اگر اتنا ہی جیالا ہوتا تو روپوش ہونے کی بجائے کھل کر مقابلے پر ڈٹا رہتا۔"

"تمہاری تاریخی معلومات شاید زیادہ نہیں ہیں" اس نے حقارت سے کہا "نفری کم ہو جانے کی صورت میں بڑے بڑے سورما بھی شب خون مارنے کے فارمولے پر عمل کرتے تھے .... جو لوگ مصلحتوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں وہ بڑی آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں' شیرا ہی کی مثال لے لو' کیا اس نے ہمارے منہ کا تر نوالہ چھین کر حماقت کا ثبوت نہیں دیا .... محاذ جنگ کھلا ہو اور چاروں طرف موت منڈلا رہی ہو تو شادیاں نہیں رچائی جاتیں۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اندر سے نازو کے چیخنے کی آواز سنائی دی' شاید کچھ ناپاک ہاتھ اس کے اجلے جسم کی پاکیزگی کو پھر روندنے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا' نازو کی خاطر میں موت سے بھی ٹکرا سکتا تھا۔ پہلے وہ میری محبت تھی لیکن اب عزت بن چکی تھی۔ میں نے پلٹ کر قدم بڑھانے کی کوشش کی لیکن مسلح سیاہ پوش میرے راستے کی دیوار بن گئے۔

"کیوں ہمارے غضب اور عتاب کی دعوت دے رہے ہو؟" نقاب پوش نے سفاک لہجے میں مجھے مخاطب کیا "کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ہم اس دو ٹکے کی کنجری کو پیدائشی حالت میں تمہارے سامنے لا کر اس کی بے حرمتی کریں؟"

"تم اپنی ناپاک زبان سے جسے گالی دے رہے ہو وہی تمہیں دو وقت کی روٹیاں بھی فراہم کرتی رہی ہے .... وہ نہ ہوتی تو چودھری نواز کے ہاتھ اتنے دراز نہ ہوتے' مراد شاہ اور شکرا خان کوئی اور دھندا بھی تلاش کر سکتے تھے' اسلم ڈنکا ایک مجبور اور بے بس عورت کی خاطر اتنا پاگل نہ ہوتا .... لیکن تم سب دلال ہو'

عورت کی کمائی کھا کر مونچھوں پر تاؤ دینے والے" میں جذبات کی رو میں کہتا چلا گیا "تم جسے کنجری کہہ رہے ہو اسے ماں کے نام سے کیوں نہیں پکارتے؟ کیا وہ تمہارے پیٹ کے جہنم کو ایندھن نہیں فراہم کرتی رہی ہے؟"

کبھی کبھی بے بسی اور گھٹن بھی انسان کو تمام خطروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہو رہی تھی' انہوں نے نازو کو کنجری کہہ کر میری غیرت کو للکارا تھا۔ مجھ پر جنون کی کیفیت طاری ہو گئی .... مجھے معلوم تھا کہ وہ تعداد میں مجھ سے کئی گناہ زیادہ ہوں گے' اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ شیرا کے ان افراد کو قابو نہ کر پاتے جنہیں میری اور نازو کی حفاظت کی خاطر تعینات کیا گیا تھا لیکن میری رگوں میں دوڑنے والے خون کی گردش بس اچانک ہی تیز ہو گئی تھی۔ میں ابھی دل کی اور بھڑاس نکالنا چاہتا تھا لیکن ایک سیاہ پوش نے اچانک مجھ پر وار کر دیا' میں نقاب پوش کی سمت متوجہ تھا اس لئے بروقت کوئی تدارک نہ کر سکا۔ حملہ آور مجھے گولی بھی مار سکتا تھا لیکن غالباً" انہیں اس کی اجازت نہیں ملی تھی۔ وزنی رائفل کا بھرپور بٹ میری داہنی کنپٹی پر پڑا تو میری آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ اٹھے۔ میں نے بوکھلا کر سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ڈنڈے کی طرح استعمال کی جانے والی رائفل کا دوسرا وار میری پشت پر اتنی شدت سے کیا گیا کہ میں بلبلا اٹھا' میری قوت مدافعت کمزور ہو گئی تو نقاب پوش کے حکم پر مجھے گھسیٹ کر اندر لے جایا گیا جہاں خواب گاہ میں نازو ایک کونے میں سہمی سمٹی کھڑی تھی' دو سیاہ پوش اس پر بھی رائفل تانے کھڑے تھے۔ نازو نے مجھے دیکھا تو بڑی سختی سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا اس کے چیخنے چلانے یا احتجاج سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا' اسی احساس نے اسے دل پر جبر کر کے برداشت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

مجھے فرش پر ڈال دیا گیا تھا' میرے اندر اتنی سکت بھی باقی نہیں تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ سکتا۔ میں بے بسی سے نازو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہوں میں احساس شرمندگی تھا۔ میں اپنے آپ کو نازو کا مجرم سمجھ رہا تھا اس نے شاید اسی دن کے خوف سے مجھے اپنی کوٹھی سے دور رہنے کی تلقین کی تھی' وہ مجھے چاہنے کے باوجود مجھ سے دور رہنا چاہتی تھی۔ جن حالات نے اسے سونے کے پنجرے میں زندگی گزارنے پر

مجبور کر دیا تھا وہ مجھے اس سے محفوظ رکھنے کی خواہشمند تھی لیکن میں نے اس کی مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ہمیں اب یہاں سے نکل چلنا چاہئے ...." ایک سیاہ پوش نے نقاب پوش کو مخاطب کیا جو شاید ان کی لیڈری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم اسے موت کی نیند سلا دیں!" دوسرے نے میری طرف دیکھ کر بڑی نفرت سے کہا "اس .... کے بچے کی وجہ سے ہمیں بہت نقصان بھگتنا پڑا ہے۔"

"میرا مشورہ بھی یہی ہے ...." تیسرا سیاہ پوش بولا "یہ .... کا پلا نہ ہو گا تو شیرا بلاوجہ ہماری دشمنی مول نہیں لے گا۔ ہم سکون سے اپنا دھندا جاری رکھ سکیں گے۔"

وہ مجھے مار ڈالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ نازو کی نگاہوں میں خوف اور وحشت کی ملی جلی کیفیتوں کا بھیانک رقص جاری تھا۔ میری موت کی باتوں نے اس کی وحشتوں میں اور اضافہ کر دیا تو میں نے آنکھ موند لیں۔ اگر میری موت نازو کی گھٹن اور اس پر آنے والی مصیبتوں کو کم کر سکتی تھی تو اب مجھے یہ بھی منظور تھا۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے خدا کو یاد کیا۔

"قادر مطلق! تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی نہیں چاہئے لیکن نازو کو اپنے حبیبؐ کے صدقے میں سکون اور عافیت عطا فرما دے۔"

میرے جسم کا جوڑ جوڑ پھوڑے کے مانند دکھ رہا تھا میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ میں کسی ایسی کشتی کی مانند ڈول رہا تھا جو طوفان اور منجدھار سے نکل کر ساحل تک پہنچی لیکن شومئی قسمت کہ کسی آہنی چٹان سے ٹکرا کر قطرہ قطرہ ڈوبنے لگی تھی۔ چپوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے۔ میرے دشمن اس بار زیادہ محتاط تھے۔ شیرا کی ساری تربیت دھری کی دھری رہ گئی۔ میرے ذہن میں بس ایک خیال رہ رہ کر گونج رہا تھا' قدرت کی طرف سے کوئی معجزہ رونما ہو اور نازو ان درندوں کے ہاتھوں سے بے آبرو ہونے سے محفوظ رہے' وہ اب میری منکوحہ تھی۔ میری عزت تھی۔ اس نے برائی اور گھپ اندھیروں کے بعد نیکی کی زندگی اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن

قسمت نے اسے میرے ساتھ ہی طوفانوں سے دوچار کر دیا تھا۔

میری آنکھیں بدستور بند تھیں' نازو کی خاطر میں اپنے خدا کو یاد کر رہا تھا۔ یہ شاید میری خود غرضی تھی کہ میں نے اچھے وقتوں میں اس قادر مطلق کو فراموش کر دیا تھا' شاید مجھے اسی نافرمانی اور بے راہ روی کی سزا مل رہی تھی لیکن میں نا امید نہیں تھا۔ مایوسی کے باوجود امید کی ایک کرن ابھی تک میرے وجود میں کہیں ٹمٹما رہی تھی' پھر اچانک نازو کی کربناک چیخ سن کر میں نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں لیکن کمزوری اور نقاہت سے میرا ذہن چکرا رہا تھا۔ میری قوت بصارت پوری طرح میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی ہر شے دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی۔

کچھ سائے آپس میں الجھ رہے تھے۔ میرے دشمن غالباً" مجھے مارنے سے پیشتر میری نگاہوں کے سامنے میری عزت کا جنازہ اٹھانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ نازو چیخ رہی تھی انہیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ دے رہی تھی لیکن وہ بہرے ہو چکے تھے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کراہ کر رہ گیا۔

"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں" نازو کی قوت جواب دینے لگی تو اس نے الفاظ کا سہارا لینے کی سعی کی' وہ وحشی درندوں سے التجا کر رہی تھی۔ "مجھے مارنا ہے تو ایک ہی بار اپنی رائفلوں کی تمام گولیاں میرے جسم میں اتار دو لیکن مجھے بے عزت اور بے آبرو کرنے سے باز رہو۔"

"عزت اور آبرو۔۔۔۔" کسی درندے نے اس کمزور اور مجبور عورت کا مذاق اڑانے کی خاطر کہا "یہ پاکیزہ الفاظ تمہاری گندی زبان پر زیب نہیں دے رہے۔"

"مجھے پہچاننے کی کوشش کرو ...." نازو نے احتجاج کیا "میں ہمیشہ تمہارے اشاروں پر ناچتی رہی ہوں۔ کبھی میں نے تمہارے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ تم نے جو کہا میں دل پر جبر کر کے کرتی رہی لیکن آج تم سے انسانیت کی بھیک مانگ رہی ہوں۔"

"یہی شکایت تو ہمیں بھی تم سے ہے۔۔۔" ایک سیاہ پوش نے اسے قابو کرتے ہوئے اپنی تشنگی کا احساس دلایا "تم ہمیشہ دوسروں کی پیاس بجھاتی رہیں اور ہم ایک ایک قطرے کو ترستے رہے' آج ہمارا نمبر آیا تو تم شرافت کی پتلی بن گئیں۔"

وہ الفاظ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتر رہے تھے۔ میں کمزور نظروں سے اپنے دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا تماشہ دیکھتا رہا' نازو کی کیفیت اس معصوم فاختہ سے مختلف نہیں تھی جو اچانک باز کے شکاری پنجوں میں بری طرح جکڑی گئی ہو .... وہ نازو کو بے بس کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ نازو پھڑپھڑا رہی تھی' چیخ رہی تھی' فریاد کر رہی تھی اور سیاہ پوش قہقہے لگا لگا کر اس کے جسم کے لباس کو تار تار کرنے میں مصروف تھے۔

"رک جاؤ ...." اچانک ایک ٹھوس آواز کمرے میں گونجی۔ میں نے سیاہ پوشوں کے ساتھ ہی نگاہوں کا زاویہ بدل کر دروازے کی سمت دیکھا۔ جہاں ایک سفید ریش بزرگ رائفل تانے کھڑا تھا اس کے جسم پر سفید لباس تھا اور کندھے پر سبز رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔

"کون ہو تم؟" نقاب پوش نے سوال کیا۔

"کوئی سوال مت کرو۔" آنے والے نے سرد لہجے میں کہا "اس لڑکی کو چھوڑ دو .... اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

"شاید تم میرے ساتھیوں کی نگاہ سے بچ کر یہاں تک آ گئے ہو لیکن تمہاری واپسی کے راستے اب بند ہو چکے ہیں' اپنی رائفل پھینک دو ورنہ ہم تمہیں پلک جھپکتے میں بھون کر پھینک دیں گے۔"

"موت اور زندگی تمہارے نہیں .... خدا کے اختیار میں ہے" بزرگ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تم ایک آبرو باختہ عورت کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا رہے ہو۔"

سفید ریش بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا' اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر اپنا رخ تبدیل کر نازو کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے فائر کھول دیا' میں نے وحشت بھری نظروں سے نازو کو دیکھا اس کے جسم سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا' سیاہ پوش تیزی سے اچھل کر اس سے دور ہو گئے' نازو کے جسم نے کچھ جھٹکے کھائے پھر وہ ساکت ہو گئی۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ نقاب پوش اور اس کے ساتھیوں کو کسی جوابی کارروائی کا موقع نہیں مل سکا۔

بزرگ شخص رائفل تانے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ نازو کے قریب پہنچ کر اس نے کندھے سے سبز رنگ کی چادر اتار کر اس کے بکھرے ہوئے جسم پر ڈالی پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"اس مجبور کے لئے دائمی سکون کا یہی ایک واحد طریقہ تھا' اب اس کی روح قیامت کے روز تمہارے سامنے شرمندہ نہیں ہو گی۔"

اس کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون نے جوش مارا' نازو کو پانے کے بعد میں نے اتنی جلدی اسے کھو دینے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی رفاقت نے مجھے زندگی کی نوید دی تھی۔ اس کی جدائی میرے لئے المیہ بن گئی۔

"نہیں...... نہیں....." میں اپنی تمام قوتیں سمیٹ کر چیخ اٹھا "نازو...... نازو...... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں...... تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

"کیا ہو رہا ہے آپ کو؟ پلیز آنکھیں کھولئے" نازو کی پیار بھری مترنم آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔

خوابگاہ میں ہلکے نیلے رنگ کے نائٹ بلب کی مدھم روشنی موجود تھی۔ وہاں میرے اور نازو کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ میں نے نظر بھر کر نازو کے وجود کو دیکھا' وہ مرمر کے کسی تراشیدہ مجسمے کی مانند مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟" نازو کے یاقوتی ہونٹوں کو جنبش ہوئی' اس نے میرا ہاتھ تھام کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو میں نے بے اختیار اسے بازوؤں کے حصار میں لے کر پوری شدت سے بھینچ لیا۔

"کیا ہو گیا تھا آپ کو؟" نازو نے بڑے پیار سے پوچھا "کیوں چیخے تھے.........؟"

"تم نے ڈرا دیا تھا ...." میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اتنی خوفزدہ تو نہیں ہوں میں ...." اس نے سرگوشی کی۔

"پھر بھی .... تم سے ڈر تو لگتا ہے" میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا "کیا

پتہ تم پھر کہیں مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ ...."

"اگر یہی اندیشہ تھا تو پھر مجھے اپنانے کی حماقت کیوں کی تھی؟" وہ شوخی سے بولی۔

"یہ حماقت نہ کرتا تو میری زندگی ادھوری رہ جاتی ...." میں نے پوری صداقت سے جواب دیا۔

"مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو ...." اس نے میری نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا "مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تم نے کیا خواب دیکھا تھا؟"

"اب تم نے جگا دیا ہے تو کچھ حقیقت کی باتیں ہو جائیں ...." میں نے اس کے چہرے کو ہتھیلیوں میں لے کر سرسراتے لہجے میں کہا "خوابوں میں کیا رکھا ہے؟"

"بے شرم ــــــ" نازو نے لجا کر کہا پھر میرے ہاتھوں کے حلقوں میں کسمسانے لگی!

دوسری صبح ناشتے کے بعد میں اخبار پڑھنے کی خاطر لاؤنج میں بیٹھا تھا' نازو نے میرے سمجھانے کے باوجود گھر کے کام کاج سنبھالنے کی خاطر کمر کس لی تھی۔ شیرا کے آدمی وہاں موجود تھے۔ بنگلے پر معمور حفاظتی دستے کے علاوہ گاڑی' ڈرائیور' چوکیدار' ملازم اور خانسامہ بھی موجود تھے اوپر کا کام کرنے کی خاطر ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی تھی۔ یہ سب شیرا کے اعتماد کے لوگ تھے۔ ہمیں دو روز بعد اس بنگلے کو خیرباد کہہ کر کسی نئی منزل کی طرف کوچ کرنا تھا۔ میں نے نازو کو گھر کا کام کرنے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن جواب میں اس نے مسکرا کر کہا تھا کہ وہ روز اول ہی سے اپنی جنت کو خود اپنے ہاتھوں سنوارنا چاہتی ہے۔

میں اخبار پڑھ رہا تھا لیکن میرے ذہن میں گزشتہ رات کا خواب بار بار ابھر رہا تھا۔ جاتو کے زبان کھول دینے کے بعد خان دلاور نے بھی پیش گوئی کی تھی کہ کوئی بڑا طوفان سر ابھارنے والا ہے۔ میں نے اس خواب کے بارے میں نازو سے کوئی بات

نہیں کی تھی البتہ بزرگ شخص کے بارے میں غور کر رہا تھا جس نے نازو کے حق میں میری دعا کے بعد نمودار ہو کر اسے زندگی کی قید سے آزاد کیا تھا .... کون تھا وہ؟ اس نے نازو کے جسم پر چادر ڈال کر اس کی پاکیزگی کو گندی نظروں سے بچایا تھا پھر وہ اسے اٹھا کر لے گیا تھا؟ .... اس نے کہا تھا کہ نازو کو دائمی سکون پہنچانے کا وہی ایک طریقہ تھا .... میں اس کے اشارے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

ہو سکتا ہے وہ محض ایک خواب ہی رہا ہو لیکن نازو کی جدائی مجھے خواب میں بھی منظور نہیں تھی۔ میں نے اخبار کو ایک طرف ڈالا اور ریسیور اٹھا کر دارالاسلام کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فضل دین کی آواز ابھری تو میں نے راجو کے بارے میں پوچھا۔

"راجو اس وقت یہاں موجود نہیں ہے ...." فضل دین نے خشک لہجے میں جواب دیا شاید فون پر وہ میری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔

"میں رشید احمد بول رہا ہوں" میں نے اپنا تعارف کرایا "مجھے راجو سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"وہ اس وقت یہاں نہیں ہے" گول مول سا جواب دیا گیا پھر ریسیور رکھ دیا گیا۔

رات کے خواب کے بعد اب فضل دین کے خشک رویئے نے میری پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو مجھے بے چین کر رہی تھی میں نے ایک لمحے بعد وزیر خاں کے اڈے کے نمبر ڈائل کئے' دوسری جانب سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہی' میرے دل میں ایک انجانا سا خوف سر ابھار رہا تھا۔ چوتھی یا شاید پانچویں گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی لیکن دوسری جانب سے بولنے والے کا لب و لہجہ میرے لئے شناسا نہیں تھا۔

"مجھے وزیر خاں سے بات کرنی ہےــــــ" میں نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

"کون بول رہا ہے؟" اس بار بھی جس انداز میں سوال کیا گیا اس نے مجھے محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

"کیا یہاں وزیر خاں نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا؟"

"میں نے تم سے تمہارا نام دریافت کیا تھا؟"

"شمشیر خان ...." میں نے ایک فرضی نام کا سہارا لیا۔

"دو گھنٹے بعد فون کرنا ...." دوسری جانب سے کہا گیا پھر ریسیور رکھ دیا گیا۔

میں فون رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا' میرے ذہن میں بے شمار وسوسے جاگ اٹھے' مجھے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ جیل سے رہائی کے بعد شیرا نے دو نمبر کے اڈے کو اپنا مستقل ٹھکانا بنا رکھا' خان دلاور بھی زیادہ تر وہیں رہتا تھا .... پھر وزیر خاں کے بارے میں مجھے حالات سے باخبر کیوں نہیں کیا گیا ....؟ کیا شیرا اور اس کے ساتھی اس وقت اپنے ٹھکانے پر موجود نہیں تھے؟ .... کون تھا وہ شخص جس نے کال رسیو کی تھی؟ اس کے لہجے میں اجنبیت اور روکھاپن کیوں تھا؟ دارالاسلام سے بھی فضل خان نے میرا نام سننے کے بعد سرد مہری کا مظاہرہ کیوں کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ کیا شیرا نے اتنی جلدی میرے لئے اپنے دروازے بند کر دیئے تھے یا پھر کوئی ایسی بات تھی جس نے ان سب کو محتاط کر دیا تھا؟ اصل راز کیا تھا؟ میں نے سوچا پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی بن کر کوندا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلم ڈنکا اور شیرا کے درمیان کوئی خطرناک ٹکراؤ ہو گیا ہو اور شیرا کے آدمی مجھے دور رکھنے کی خاطر روکھے پھیکے جواب دے رہے ہوں ....؟"

میرا تجسس اور میری الجھنیں بڑھنے لگیں۔ میں نے بنگلے کے محافظ دستے کے سربراہ کو طلب کیا۔

"یہاں ہمیں کوئی خطرہ تو لاحق نہیں ہے ....؟" میں نے اس کے چہرے کو بغور گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب ...." سربراہ نے جس کا نام ظفر خاں تھا لاپرواہی سے جواب دیا "جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

"استاد شیرا کے ساتھ کب سے ہو ....؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر

پوچھا۔

"جب سے ہوش سنبھالا ہے استاد ہی کا نمک کھا رہا ہوں۔"

"تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟"

"آپ پریشان نہ ہوں" ظفر خاں نے بڑے اطمینان سے کہا "ہم میں سے ہر ایک دس پر بھاری ہے۔"

"کیا تمہیں حالات کی سنگین نوعیت کا اندازہ ہے؟"

"آپ کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے میرے چہرے کے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں کئی بار استاد اور دوسرے رفقا سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن دوسری طرف سے روکھے پھیکے جواب مل رہے ہیں۔"

"اوہ ...." ظفر خان نے بدستور لاپرواہی سے کہا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا "استاد نے اپنے تمام اڈوں پر یہی ہدایت دے رکھی ہے کہ کسی سے فون پر کوئی بات نہ کی جائے۔"

"مگر کیوں۔۔۔۔؟" میں چونکا "کیا وجہ ہے۔۔۔۔۔۔؟"

"گزشتہ رات استاد کے مخصوص ساتھیوں نے ایس پی چوہان صاحب کے ساتھ مل کر ریشم جان کے کوٹھے پر چھاپہ مارا تھا' کئی دلالوں کے علاوہ اسلم ڈنکا کے کچھ گرگے بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں لیکن اسلم ڈنکا ہاتھ نہیں آسکا۔" ظفر خان نے تھوڑے توقف کے بعد کہا "ریشم جان بھی پولیس کی حراست میں ہے' جانو نے کچھ اور ٹھکانے بتائے ہیں' انہیں بھی باری باری کھنگالا جا رہا ہے۔"

"تمہیں ان باتوں کی خبر کس طرح ہوئی؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"میں بھی استاد کا نمک خوار ہوں" ظفر خاں نے بدستور سنجیدگی سے کہا پھر بولا "میری درخواست ہے کہ آپ اس سلسلے میں استاد کے سامنے میرا نام زبان پر نہ لایئے گا۔۔۔۔ میں نے آپ کی پریشانی دور کرنے کی خاطر حالات سے آگاہ کر دیا ورنہ مجھے بھی زبان بند ہی رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔"

میں ظفر خاں سے حالات معلوم کرنے کے بعد کسی حد تک مطمئن ہو گیا لیکن گزشتہ رات کا خواب مجھے الجھاتا رہا، ریشم جان کی گرفتاری جانو کے قبضے میں آنے کے بعد عمل میں آئی تھی لیکن جو بارود دھماکے سے پھٹنے والا تھا اس کے فلیتے کو چنگاری میرے ہاتھوں اس وقت لگی تھی جب میں نے چودھری نواز کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا۔ پھر مراد شاہ اور شکرا خان کی موت نے اسلم ڈنکا کو دیوانہ کر دیا تھا۔ اس نے جوابی کارروائی کے مظاہرے میں عظمت بیگ اور ڈاکٹر شبیر کو بھی اپنا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ جانو کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اسے یقیناً" بڑی شدت سے میری اور نازو کی تلاش ہو گی، اسی خطرے کو شیرا کی باریک بیں نظروں نے بھانپ لیا تھا اور اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر نازو کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر ہمیں تمام معاملات سے دور کر دیا تھا۔ وہ ہمیں خطرات سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔

میں بے چینی سے لاونج میں ٹہل رہا تھا، میری خواہش تھی کہ میں اسلم ڈنکا کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے سے محروم نہ رہوں، میں جن افراد کا قرض چکانا کرنا چاہتا تھا ان میں اسلم ڈنکا کے علاوہ انسپکٹر ساجد کریمی کا نام بھی تھا لیکن شیرا مجھے درمیان میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں مستغرق تھا کہ اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا "شاید وہ نازو ہو گی" میرے ذہن میں فوری طور پر نازو ہی کا نام ابھرا تھا لیکن میں نے نظر گھما کر دیکھا تو راجو میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم ...." میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا "میں اس وقت تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اور میں تمہارے سوچتے ہی شیطان کی طرح تمہارے سامنے موجود ہوں" راجو نے مسکرا کر کہا پھر راز داری سے بولا "اور سناؤ .... بھابی کے ساتھ وقت کیسا گزرا؟"

"مجھے تم سے ایک شکوہ ہے راجو ...." میں نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا "استاد کی بات دوسری ہے لیکن تم مجھے فون کر کے حالات کی اطلاع دے سکتے۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ تمہیں کہیں نہ کہیں سے بھنک ضرور مل جائے گی اسی لئے میں اس وقت استاد کو جھپکی دے کر آیا ہوں" راجو نے بڑی اپنائیت سے کہا پھر مجھے تھوڑی تفصیل بتاتے ہوئے بولا "برادر .... اس وقت تم مجھے بہت یاد آئے جب چوہان کے حکم پر ساجد کریمی کو ریشم جان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنی پڑی تھیں .... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ دل پر پتھر رکھ کر اسی درخت کو کاٹ رہا ہو جس پر خود بھی ٹکا ہوا تھا .... ورنہ اپنے پیٹ پر کون لات مارتا ہے!"

"اسلم ڈنکا کا کیا بنا۔؟" میں نے دریافت کیا۔

"بقول استاد کے وہ سور کا تخم کسی کنجری کے لہنگے میں دب کر بیٹھ گیا ہے لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی" راجو نے کہا "چوہان صاحب بھی ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اوپر سے بار بار تقاضہ جو کیا جا رہا ہے" راجو نے بات پوری کر کے ادھر ادھر دیکھا پھر شکایت کرتے ہوئے بولا "برادر .... کیا اب ہم سے بھابی کا پردہ........."

"بھائیوں سے پردہ کب ہوتا ہے ....؟" نازو نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات ...." راجو نے مسکرا کر کہا "ایک نہ شد دو شد .... بھائی اور بہن دونوں مل گئے۔"

راجو جب سے آیا تھا کھڑے کھڑے باتیں کر رہا تھا، میں نے اور نازو نے بیٹھنے کے لئے کہا تو سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے فوراً" جانا ہے ورنہ استاد میری تلاش میں گھوڑے دوڑا دے گا۔"

"کچھ بھی ہو .... لیکن میں تمہیں چائے پئے بغیر نہیں جانے دوں گی" نازو نے بالکل بہنوں کی طرح بڑے پیار سے کہا۔

"پہلے پی لیتا لیکن اب نہیں پیوں گا۔"

"کیوں؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"بڑے بھائی چھوٹی بہنوں کے گھر کھایا پیا نہیں کرتے" راجو نے شرمندگی کا اظہار کیا "جلدی میں تھا اس لئے خالی ہاتھ چلا آیا۔"

"اور بڑے بھائی چھوٹی بہنوں کا دل بھی نہیں دکھاتے ...." نازو نے مسکرا کر شکوہ کیا پھر بولی "آپ دونوں باتیں کریں، میں ابھی دو منٹ میں آتی ہوں۔۔۔"

نازو تیزی سے باہر چلی گئی تو راجو نے کہا۔

"خدا تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے برادر .... کسی تیسری جنس کی نظر نہ لگے۔"

"کیا ریشم جان نے ہمارے خلاف باقاعدہ پرچہ نہیں کٹایا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نہیں ...." راجو نے کہا "ساجد کریمی نے ہمیں خوفزدہ کرنے کی خاطر امریکن رگڑا دیا تھا۔"

"اسلم ڈنکا کے سلسلے میں اب استاد کا کیا پروگرام ہے؟"

"اس وقت بھی استاد اور چوہان صاحب سر جوڑے بیٹھے دوسرے ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کا پروگرام بنا رہے ہیں" راجو نے بتایا "شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی سخت کر دی گئی ہے۔ استاد کا خیال ہے کہ ہم تین ٹکڑیوں میں بٹ کر ایک ہی وقت میں مختلف ٹھکانوں پر ریڈ کریں تو اسلم ڈنکا کو فرار کا موقع نہیں ملے گا۔"

"کاش میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوتا" میرے دل کی بات زبان پر آ گئی "جو آگ میری وجہ سے بھڑکی ہے میں اسے اپنے ہاتھوں سے ٹھنڈا کر سکتا۔"

"دل چھوٹا مت کرو برادر، میں جو ہوں" راجو نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا "اسلم ڈنکا کو ہاتھ آ لینے دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے نام کی دو گولیاں بھی اس کے جسم میں اتار دوں گا۔۔۔۔ تم ہماری بہن کا خیال رکھو۔۔۔۔ ہاں برادر، پہلے کی بات اور تھی لیکن اب تمہیں اپنی پٹڑی بدلنی پڑے گی۔۔۔۔ اپنی نازو کی خاطر۔"

نازو نے چائے لانے میں خاصی پھرتی کا مظاہرہ کیا، اسے شاید راجو کی جلدی کا احساس ہو گیا تھا، اپنے ہاتھ سے کپ تیار کر کے اس نے راجو کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔۔۔ "اور کیا خیر خبر ہے؟"

"سب اوپر والے کی مہربانی ہے" راجو نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

راجو کے آ جانے سے میرے دل کا غبار چھٹ گیا تھا۔ ہم ایک ہی خاندان کے فرد لگ رہے تھے، راجو نے جلدی جلدی چائے ختم کی پھر اٹھتے ہوئے بولا "استاد میری راہ دیکھ رہا ہو گا، میں پھر کسی وقت تفصیل سے آؤں گا" اس نے جاتے جاتے رک کر نازو کی طرف دیکھا پھر جیب سے ایک لفافہ نکال کر اسے دیتے ہوئے بولا "اسے ایک بھائی کی طرف سے قبول کر لو .... میں جلدی میں کوئی اہتمام نہیں کر سکا تھا، میری خواہش ہے کہ تم اس حقیری رقم سے اپنے ماتھے کے لئے کوئی پیارا سا ٹیکا بنوا لینا۔"

آخری جملے ادا کرتے وقت راجو کی آواز کپکپا گئی تھی، میں نے آگے بڑھ کر اسے پوری شدت سے گلے لگا لیا۔ میں اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس نے جیل سے باہر آنے کے بعد شیرا کے کہنے سے میری رہنمائی کی تھی، قدم قدم پر میری خوشیوں کا خیال رکھا تھا، ہم بہت جلدی ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو گئے تھے، اس کے بڑے احسان تھے مجھ پر۔ میں اس کی محبت کا شکریہ دل کی گہرائیوں سے ادا کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اپنے جذبات پر قابو پاتا باہر سے اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ شروع ہو گئی۔

"مجھ سے شاید غلطی ہو گئی ...." راجو نے مجھے چھوڑ کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا "مجھے ادھر نہیں آنا چاہئے تھا، وہ حرام کے تخم میری ہی بو سونگھتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہوں گے۔"

باہر فائرنگ میں آنے والی تیزی بتا رہی تھی کہ ٹکرانے والی پارٹیاں ایک دوسرے کے وجود کو جلد از جلد ختم کرنے کی خواہش میں مستعد تھیں، راجو ریوالور نکالتا ہوا تیزی سے لپکا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا فضا میں بارود کی بو شامل ہو کر ماحول کو سوگوار کر رہی تھی!

راجو کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ اسلم ڈنکا ہی کے گروہ کے افراد تھے جنہوں نے جوابی انتقامی کارروائی کی خاطر بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ ان کی نفری کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن وہ بڑے منظم طریقے سے گولیاں چلا رہے تھے۔ کبھی سامنے کی جانب سے برسٹ مارے جاتے اور کبھی عقبی حصے کی جانب سے دھواں دھار گولیوں کی بارش شروع ہو جاتی۔

راجو اور میں دونوں حالات کی نزاکت کو بھانپ کر اوپر کی طرف بھاگے۔ نیچے چاروں طرف ظفر خاں اور اس کے ساتھی مورچے جمائے بیٹھے بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اسلم ڈنکا کے آدمیوں کے مقابلے میں ہماری پوزیشن قدرے بہتر تھی۔ ابھی تک شاید وہ بنگلے میں داخل ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

"برادر ...." راجو نے باہر کی صورت حال کا اندازہ لگاتے ہوئے مجھ سے کہا "جلدی سے نیچے جا کر استاد کو حالات سے باخبر کر دو ہم پوری طرح گھر چکے ہیں۔"

"مجھے اندیشہ ہے کہ شاید ساجد کریمی یا اس کے کسی خاص آدمی نے اسلم ڈنکا کی پارٹی کو ہمارے ٹھکانے کی مخبری کر دی ہے۔"

"یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں ہے۔" راجو تیزی سے بولا "تم استاد کو اطلاع کر دو میں نے اسے نپٹنے کی کوشش کرتا ہوں ...."

میں تیزی سے نیچے واپس آ گیا۔ نازو ایک طرف سہمی کھڑی تھی۔ میں نے وزیر

خاں کے اڈے کے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اچانک حالات نے جو رخ اختیار کر لیا تھا اس نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ مجھے اپنی بوکھلاہٹ کا احساس اس وقت ہوا جب میں نے تیسری بار مطلوبہ نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسلم ڈنکا کے ساتھیوں نے حملہ کرنے سے پہلے ہی ٹیلی فون کی لائن کاٹ دی تھی۔ میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھا پھر دوڑتا ہوا خواب گاہ میں گیا اور خود کار رائفل اٹھا کر باہر آ گیا۔

"خدا کے لئے شیدے ...." نازو نے گھبرائی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا "اپنا خیال رکھنا۔"

"تم خواب گاہ میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لو ...." میں نے اسے ہدایت کی پھر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر پہنچا جہاں راجو ایک محفوظ مقام پر مورچہ جمائے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے مجھے دیکھ کر تیزی سے سوال کیا "استاد کو اطلاع کر دی!"

"حرامزادوں نے تار کاٹ دیئے ہیں" میں نے اسے بتایا پھر اس کے ساتھ ہی لگ کر بیٹھ گیا۔

دونوں طرف سے چلائی جانے والی گولیوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ راجو کچھ دیر تک جائزہ لیتا رہا پھر اس نے چونک کر میری سمت دیکھا اسے شاید اچانک ہی کوئی بات یاد آ گئی تھی۔

"تم نیچے جاؤ برادر .... نازو اکیلی پریشان ہو رہی ہو گی۔"

"نہیں ...." میں نے راجو کی بات ماننے سے انکار کر دیا "اس وقت میں بزدلوں کی طرح چھپ کر نہیں بیٹھوں گا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو برادر!" وہ جھلا گیا "تمہیں یا نازو کو کچھ ہو گیا تو استاد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ظفر خاں بھاگتا ہوا اوپر آ گیا۔ وہ خوف زدہ نہیں تھا بلکہ بہت جوش میں نظر آ رہا تھا۔ تیزی سے ہمارے قریب آ کر راجو سے مخاطب ہوا "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے ان کی خاصی تعداد جہنم رسید کر دی

ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ دیر بعد دم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں۔۔۔۔۔ ویسے تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے۔"

"وہ کیا" راجو نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"مجھے سیاہ چشمے والا نظر آ گیا ہے؟" ظفر خاں نے جواب دیا "وہی اپنے بچے کھچے آدمیوں کی ہمت بڑھا رہا ہے' شاید وہ پاگل ہی ہو گیا ہے جو اپنی باقی نفری کو بھی ایندھن کی طرح موت کے منہ میں جھونک رہا ہے۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" سیاہ چشمے کے حوالے پر میں نے چونک کر ظفر خاں کی سمت دیکھا۔

"اسلم ڈنکا ...." اس نے بڑے یقین سے جواب دیا "میں اس کو ہزاروں میں بھی پہچان سکتا ہوں۔"

"کتے جب پاگل ہو جائیں تو انہیں گولی مار دینی چاہئے" راجو نے تیزی سے کہا "استاد کا حکم ہے کہ اسلم ڈنکا کو زندہ پولیس کے ہاتھوں میں نہیں لگنا چاہئے .... تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"وہ میرے آدمیوں کی نظروں میں بھی ہے" ظفر خاں نے کہا "میں نے انہیں ہدایت کر دی ہے کہ اسے زندہ نہ جانے دیں بس .... تمہیں خوش خبری سنانے اوپر آ گیا تھا۔"

"راجو ...." میں نے راجو کا ہاتھ تھام لیا "کیا تم مجھے سینے کی آگ ٹھنڈی کرنے کا موقع نہیں دو گے؟"

راجو نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر اس نے میری خواہش رد نہیں کی۔ اس کے کہنے پر ظفر خاں نے مجھے عقبی حصے کی طرف لے جا کر اسلم ڈنکا کو دکھا دیا میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ اسے بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ میں نے اپنے دشمن کو بہت غور سے دیکھا وہ اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ ایک وین کی آڑ میں بیٹھا کچھ صلاح مشورے کر رہا تھا۔ میں نے اپنی رائفل کو سنبھال کر اس کا نشانہ لیا۔ میں بلندی پر تھا اس لئے مجھے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ نشانہ لے کر میں نے سانس روک لی۔ لبلبی پر میری انگلی کا دباؤ یکلخت بڑھا' فائر کی آواز ہوئی

اور اس کے ساتھ ہی سیاہ چشمے والا جو اسلم ڈنکا کے سوا کوئی اور نہیں تھا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کی گردن سے ذرا اوپر لگی تھی۔ وہ بچ نہیں سکتا تھا پھر بھی میں نے احتیاطاً" ایک فائر اور کیا۔ اس بار اس کی کھوپڑی اس طرح چٹخی کہ بھیجہ نکل کر باہر آ گیا۔ اس کے دونوں ساتھی میرے پہلے فائر کے بعد ہی اس طرح وین سے چپک گئے تھے کہ نظر نہیں آ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں باہر نکل کر ان کی باقی نفری کا بھی صفایا کر دینا چاہئے" ظفر خاں نے پرجوش انداز میں کہا "اب وہ اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کریں گے۔"

ظفر خاں راجو کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی سیڑھیوں کی جانب لپکا پھر راجو کے ساتھ میں بھی سیڑھیاں طے کر رہا تھا کہ اچانک ایک خوفناک دھماکے سے بنگلے کی پوری عمارت لرز اٹھی۔ ظفر خاں کے علاوہ ہم بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے۔ اسلم ڈنکا کے ساتھیوں نے غالباً" کوئی دستی بم استعمال کیا تھا شاید انہیں پہلے اس کے استعمال کا خیال نہیں آیا تھا ورنہ ممکن ہے چویشن کچھ اور ہی ہوتی۔

ہم ابھی پوری طرح سنبھل نہیں سکے تھے کہ دوسرا دھماکا ہوا اور چاروں طرف دھواں پھیلنے لگا لیکن اس کے فوراً" بعد ہی گولیاں چلنے کا سلسلہ دوبارہ شدت اختیار کر گیا۔ پھر لاؤڈ اسپیکر پر ایک رعب دار آواز ابھری۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو تم پوری طرح گھیرے جا چکے ہو۔"

"شاید استاد اور چوہان پہنچ گئے ہیں" راجو نے کہا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" ظفر خاں نے راجو سے سوال کیا "کیا میں اپنے ساتھیوں کو لے کر........"

"نہیں ...." راجو نے جواب دیا "استاد آ گیا ہے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

فائرنگ کی آواز اسپیکر پر کئے جانے والے اعلان کے بعد بند ہو گئی تھی۔ بم دھماکوں نے عمارت کے ساتھ ساتھ میری روح کو بھی لرزا دیا تھا۔ مجھے ناز کا خیال لاحق تھا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنا چاہا تو راجو نے لپک کر میرے ہاتھ سے

راکفل چھین لی اور بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"برادر .... تمہیں میری قسم ہے' میں نے اسلم ڈنکا کے سلسلے میں تمہاری خواہش کا احترام کیا تھا اب تمہیں میری بات رکھنی ہو گی .... پولیس کے سامنے تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ اسلم ڈنکا کو کس نے مارا یہ بتانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جب دھواں دھار گولیاں چل رہی ہوں تو صرف لاشیں شمار کی جاتی ہیں مارنے اور مرنے والوں کی ذمہ داری کا فیصلہ بعد میں کیا جاتا ہے اور بعد میں کیا ہو گا یہ سوچنا ہمارا نہیں استاد کا کام ہے۔"

میں نے راجو کی بات مان لینے سے انکار نہیں کیا۔ کثیف دھویں میں بارود کی بو شامل تھی اس لئے سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ میں تیزی سے لپکتا ہوا خواب گاہ تک پہنچا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ایک لمحے میں میرے ذہن میں ان گنت وسوسے جاگ اٹھے ہو سکتا تھا کہ خود نازو نے خوف کے سبب دروازہ بند کر کے خود کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا دشمن کے ایک یا دو آدمی کسی طرح موقع پا کر نازو تک پہنچ گئے ہوں۔ دوسرا خیال میرے لئے زیادہ اذیت ناک تھا۔ میں نے دروازے کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ میں دوڑتا ہوا راہداری کی جانب کھلنے والی کھڑکی کی طرف گیا وہ بھی بند تھی۔ دھویں کے سبب اندر دیکھنا مشکل ہو رہا تھا میں نے تمام احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر کھڑکی کے شیشے پر زور دار ٹھوکر ماری تو شیشہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ میں نے ہاتھ اندر ڈال کر پٹ کھولے اور خواب گاہ میں داخل ہو کر بتیاں روشن کر دیں۔ نازو اب بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں جنونی کیفیت سے دو چار تھا بند کمرے سے نازو کا پراسرار طور پر غائب ہو جانا میرے لئے خاصا پریشان کن تھا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی جس کا انکشاف مجھے مسہری کی دوسری سمت جانے کے بعد ہوا۔

نازو مسہری کے قریب دبیز قالین پر چاروں خانے چت پڑی تھی اور اس کے سینے اور گردن پر جگہ جگہ خون کے تازہ دھبے موجود تھے۔ وہ کسی گولی کا نشانہ نہیں بنی تھی بلکہ بم پھینکے جانے کے بعد بائیں جانب کھلنے والی کھڑکی کے ٹوٹنے والے شیشے سے زخمی ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کھڑکی کے قریب موجود ہو جب دشمنوں نے

اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے کی خاطر دستی بم کا استعمال کیا تھا۔

"نازو ...." میں نے فرش پر نازو کے قریب بیٹھ کر اسے آواز دی پھر شیشے کے ان ٹکڑوں کو نکالنے لگا جو اس کی گردن اور سینے میں چبھے ہوئے تھے۔ میرے اس عمل سے نازو کا کچھ اور خون ضائع ہو گیا۔ وہ بے سدھ پڑی تھی۔ میری آوازیں اس کے شعور کو بیدار کرنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ شاید وہ بے ہوش ہو گئی تھی لیکن نبض کی رفتار بتا رہی تھی کہ اس نے ابھی زندگی کی آخری سرحدوں کو عبور نہیں کیا تھا۔

میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور پنکھے چلا دیئے تاکہ بارود جلے دھویں کی گھٹن دور ہو سکے۔ باہر سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں پھر راجو' شیرا' خان دلاور اور ایس پی چوہان آگے پیچھے خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ اسلم ڈنکا کے گروہ کے باقی ماندہ افراد یا تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے یا پھر انہوں نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا لیکن مجھے اس وقت ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"کیا ہوا برادر؟" سب سے پہلے راجو لپک کر میرے قریب آیا "سب ٹھیک ٹھاک تو ہے؟"

"ہمیں نازو کو فوری طور پر ہسپتال پہنچانا ہو گا" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا "طویل بیہوشی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"

"تو فکر نہ کر لاڈلے .... میں شہر کے تمام ڈاکٹروں اور سرجنوں کو یہیں جمع کر دوں گا" خان دلاور نے مجھے تسلی دی "پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں آ گیا ہوں شہزادے ...." شیرا نے قریب آ کر میرے سر پر ہاتھ رکھا "پاگل کتے مل جل کر شور کرنے لگیں تو اچھا بھلا انسان بھی بوکھلا جاتا ہے .... نازو تو پھر عورت ذات تھی۔"

خان دلاور مجھے تسلی دیتے ہی باہر نکل گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کسی ڈاکٹر کو لانے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ خواب گاہ میں افراد کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ چوہان نے ان سب کو باہر جانے کی سختی سے ہدایت کی تو مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا پھر جب صرف دو چار آدمی رہ گئے تو مجھ سے پوچھا گیا۔

"اس کے زخمی ہونے کے اسباب کیا تھے؟"

میں اس آواز کو سن کر چونکا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مجھ سے نازو کی خیریت دریافت کرنے والا انسپکٹر ساجد کریمی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میرے دل میں یہ شبہ پہلے سے تھا کہ شاید ساجد کریمی نے کسی طرح بنگلے میں میری اور نازو کی موجودگی کی مخبری کر دی ہو گی۔

"میرا شبہ ہے کہ کسی کم ذات نے حرام کی کمائی کھا کر بنگلے میں ہماری مخبری کی اطلاع ہمارے دشمنوں سے کر دی تھی" میں نے ساجد کریمی کو بڑی حقارت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے زہرآلود لہجے میں کہا "اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ تمہاری نظریں بھی دیکھ رہی ہیں۔"

"تمہارا شبہ کس پر ہے؟" ایس پی چوہان نے سوال کیا۔

"چھوڑو ان باتوں کو شہزادے.........." شیرا نے مجھے بولنے کی مہلت نہیں دی۔ شاید وہ میرا اشارہ سمجھ چکا تھا "ہمارے حساب کتاب بہی کھاتوں میں درج نہیں کرائے جاتے' دل کی گہرائیوں پر درج ہوتے ہیں .... جب موقع ملتا ہے ہم قرض چکتا کر دیتے ہیں" شیرا نے اپنی بات مکمل کی پھر نازمیں کو ہاتھوں پر اٹھا کر آرام سے مسہری پر لٹا دیا۔

"میں معافی کا خواستگار ہوں استاد.........." راجو نے دبی زبان میں اپنی شرمندگی کا اظہار کیا "مجھے برادر کی محبت نے مجبور کر دیا تھا ورنہ شاید مجھے تمہیں اطلاع دیئے بغیر یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"تم اسلم ڈنکا کی لاش حفاظت سے سمیٹ لو چوہان صاحب" شیرا نے راجو کی بات کو نظر انداز کر کے ایس پی سے کہا "ہم نے تمہارا کہا پورا کر دیا...... لیکن اگر ہمارا نام درمیان میں نہ آئے تو مناسب ہو گا۔ میں سستی شہرت کا قائل نہیں ہوں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ ہمارے درمیان کبھی کوئی کشیدگی پیدا نہ ہو" چوہان نے بڑی گرمجوشی سے شیرا سے ہاتھ ملایا پھر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔ ساجد کریمی نے بھی اس کی پیروی میں قدم اٹھایا تھا لیکن شیرا نے اسے آواز دے کر روک

لیا۔

"کوئی خاص بات؟" ساجد کریمی نے وضاحت طلب انداز میں پوچھا۔

"ہاں .... ایک آخری نصیحت کر رہا ہوں' دل جلوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادت اب چھوڑ دو انسپکٹر" شیرا نے بڑے سرد اور معنی خیز لہجے میں کہا "وردی اجلی رکھنے کی کوشش کرو...... اسی میں بہتری ہے۔"

ساجد کریمی نے جواب دینے کے لئے ہونٹ کھولے تھے لیکن اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا' خاموشی سے واپس چلا گیا۔ شیرا کی خونخوار نظریں دروازے تک اس کا تعاقب کرتی رہی تھیں۔

جان دلاور نے ڈاکٹر کو ساتھ لانے میں حیرت انگیز جلدی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ڈاکٹر نے نازو کا تفصیلی جائزہ لیا پھر بولا "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے میں انجکشن لگا رہا ہوں مریضہ کو آرام کی ضرورت ہے' کچھ دیر بعد ہوش بھی آ جائے گا' انہیں بلاوجہ پریشان نہ کیا جائے تو مناسب ہو گا۔"

"ڈاکٹر.........." میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا "بلاوجہ پریشان کرنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"میرا مقصد ہے کہ مریضہ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے" ڈاکٹر نے وضاحت کی "یہ چونکہ صدمے اور خوف سے بیہوش ہوئی ہیں اس لئے اگر خود سے ہوش آئیں تو بہتر ہو گا' دوسری صورت میں اکثر کچھ پیچیدگیاں بھی ہو جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد شیرا نے مجھے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی عادت ڈالو شہزادے اب تم تنہا نہیں ہو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں استاد لیکن.........."

"تم دونوں آج رات اور اس چھت کے نیچے گزار لو .... راجو بھی تمہارے ساتھ رہے گا لیکن کل ناشتے کے بعد تمہیں ہر قیمت پر اس شہر کو چھوڑ دینا ہے .... یہ میرا آخری فیصلہ ہے" استاد نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا پھر بڑی شفقت سے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا "اپنے حساب کتاب اب میرے کھاتے میں ڈال دو .... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب اگر کسی نے تم دونوں کی طرف میلی

نظروں سے دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال کر ہاتھ پر رکھ دوں گا .... چاہے وہ بادردی ہی کیوں نہ ہو۔ میری بات کو سمجھ کر گرہ باندھ لے ہم چھڑے چھانڈ ہیں' ہمارے آگے پیچھے کوئی رونے والا نہیں ہے لیکن تم پر اب نازنیں کی ذمہ داری ہے .... اگر خدا نہ کرے تمہارے دشمنوں کو کچھ ہو گیا تو وہ کہاں جائے گی؟ .... کیا کرے گی؟ .... اپنے آشیانے میں دبک کر بیٹھنے کی عادت ڈال لو اور سب کچھ اس کی پاک ذات پر چھوڑ دو جو کسی کو مایوس نہیں کرتا .... جو اس کے سامنے جھکنا سیکھ لے پھر اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہونا پڑتا .... ہم تو بدنصیب بندے ہیں جو اس کو بھول بیٹھے ہیں۔"

پھر ہم نے نازنیں کے پاس ادھیڑ عمر کی عورت کو چھوڑا اور باہر آ گئے جہاں ایس پی چوہان اور انسپکٹر ساجد کریمی جائے واردات پر موجود ضروری قانونی کارروائی میں مصروف تھے۔ لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کئے جانے کے بعد گواہوں کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ظفر خاں کا بیان سب سے اہم تھا' شیرا نے غالباً" اسے شروع میں ہی اس کے کردار سے متعلق تمام اونچ نیچ سمجھا دی تھی۔ ظفر خاں نے کہا تھا کہ وہ اس بنگلے کا چوکیدار ہے جہاں بیک وقت آگے پیچھے ڈاکوؤں کے دو گروہوں نے قسمت آزمائی کی کوشش کی پھر آپس میں دست و گریباں ہو گئے۔ ایس پی چوہان نے قانون نکتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند معمولی رد و بدل کے بعد ظفر خان کے بیان کو قبول کر لیا' شیرا یا اس کے آدمیوں کا نام درمیان میں نہیں آیا تھا۔

پولیس پارٹی رخصت ہونے لگی تو ایس پی چوہان نے ایک بار پھر شیرا کے قریب آ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے مکمل ریکارڈ کا بغور مطالعہ کر چکا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ اسلم ڈنکا کے سلسلے میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی .... ہم آئندہ بھی قانون کے دائرے میں رہ کر ایک دوسرے کے کام آتے رہیں گے۔"

شیرا نے کوئی جواب نہیں دیا صرف مسکرا کر خاموش رہا' چوہان جیپ پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا تو خان دلاور نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"استاد! کیا تم جانتے ہو کہ قانون کا دائرہ کسے کہتے ہیں ——؟"

"مجھ سے زیادہ اور کون جانے گا .... لیکن پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں" شیرا نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"استاد ...." اس بار راجو نے سہمی صورت بنا کر کہا "تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو ....؟"

شیرا نے مصنوعی غصے سے راجو کو گھور کر دیکھا پھر مسکرا دیا لیکن اس کی وہ مسکراہٹ دیر پا ثابت نہیں ہوئی' اندر سے ادھیڑ عمر کی عورت کی چیخنے کی آواز ابھری تو ایک لمحے کے لئے ہم سب بوکھلا گئے۔ میں تیزی سے اندر کی طرف بھاگا لیکن خواب گاہ کے دروازے پر ہی ٹھٹھک کر رک گیا' جو کچھ میری نگاہیں دیکھ رہی تھیں مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

نازو کے جسم پر سبز رنگ کی وہی چادر نظر آ رہی تھی جسے میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔ میرے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ میرے ذہن میں سفید ریش بزرگ کے جملے گونجنے لگے —— "اس مجبور کے دائمی سکون کا یہی ایک واحد طریقہ تھا۔ اب اس کی روح قیامت کے روز تمہارے سامنے شرمندہ نہیں ہو گی۔"

مجھے یوں لگا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں لیکن وہ خواب نہیں ایک پراسرار حقیقت تھی جس نے شیرا' خان دلاور اور راجو کے علاوہ مجھے بھی انگشت بدنداں کر دیا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے آگے بڑھ کر نازو کی نبض دیکھی۔ اس کے جسم میں زندگی کی کوئی حرارت موجود نہیں تھی۔ وہ ساکت ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کے لئے۔ خواب گاہ میں مشک و عنبر کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

مجھے اپنے لٹنے کا احساس ہوا تو میں تڑپ اٹھا۔ خان دلاور کے پوچھنے پر ادھیڑ عمر کی عورت نے جو کچھ کہا وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا۔

"بیگم صاحبہ نے ہوش میں آ کر مجھ سے پانی لانے کو کہا تھا' میں خوشی خوشی پانی لینے چلی گئی لیکن واپس آئی تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔"

ادھیڑ عمر کی عورت نے دوبارہ رونا شروع کر دیا' خان دلاور اور راجو مجھے صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ شیرا کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے پلکیں جھپکائے

بغیر ٹکٹکی باندھے نازنین کی لاش کو دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد میرے قریب آ کر اداس لہجے میں بولا۔

"آنسوؤں کو زمین پر نہ گرنے دینا شہزادے! ہماری نازو بڑے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ یہ سبز چادر اس بات کی نوید ہے کہ اس نیلی چھتری والے نے اپنے کرم سے مرنے والی کو اپنے جوار رحمت میں قبول کر لیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں استاد!" خان دلاور نے شیرا کو بغور دیکھا۔

"سبز چادر میرے باپ کو بہت عزیز تھی" شیرا نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "مرنے کے بعد میں نے ایسی ہی سبز چادر اس بے گناہ کے جسم پر ڈالی تھی ...." پھر شیرا نے چھت کی طرف نظر اٹھا کر بڑے ہی دل گرفتہ انداز میں کہا "اس کے بھید۔۔۔۔ وہی بہتر جانے۔"

میں نے چونک کر شیرا کی طرف دیکھا نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اسے سر تاپا لرزہ براندام کر دیا تھا؟ شاید اسے اپنے بے گناہ باپ کی یاد نے تڑپا دیا تھا .... یا .... وہ خود اپنے گناہوں کے تصور سے گنگ ہو کر رہ گیا تھا؟؟

نازو کی تجہیز و تکفین میں شیرا نے بڑی خاموشی سے کام لیا تھا لیکن اس کے باوجود جنازے میں لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ شیرا کے آدمیوں نے اور خاص طور پر خان دلاور، راجو اور وزیر خاں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جنازے میں شریک افراد کی باتیں میرے کان تک پہنچیں۔ شریک ہونے والوں کو زبردستی روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ شیرا کی عقابی نظریں باربار اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پولیس کی اچھی خاصی نفری بھی سادہ لباس میں موجود تھی۔ ایس پی چوہان اور انسپکٹر ساجد کریمی بھی جنازے کے ہمراہ تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اسلم ڈنکا کے وہ ساتھی جو بچ گئے تھے کہیں وہ اس موقع پر ہنگامہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

نازو کی موت نے جیسے میری کمر توڑ دی تھی۔ اس کے بغیر زندگی کے تمام ہنگامے یکلخت مجھ سے روٹھ گئے تھے۔ میں حسرت بھری نظروں سے میت کے ساتھ

شریک ہونے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ نازو نے مجبوراً" جو زندگی اپنا رکھی تھی اس میں بھی اس کے واقف کاروں اور چاہنے والوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ ان میں بیشتر افراد بڑی بڑی چمک دار گاڑیوں میں موجود تھے۔

نازو مر چکی تھی۔ اس حقیقت سے کسے انحراف تھا لیکن اس کے چاہنے والوں نے ابھی تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ شاید وہ آخری وقت تک مہکتے جسم کے ساتھ ساتھ رہنے کے خواہشمند تھے۔ عقیدت مندی کے اظہار کے طریقے بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ جنازے میں شریک کچھ لوگ صرف حسرت بھری نظروں سے اسے کاندھوں پر سفر آخرت کرتے دیکھ رہے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو نظریں جھکائے اپنی والہانہ وابستگی کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ لوگ اس وقت بھی دبی دبی زبان میں مرنے والی کی شان میں اظہار خیال سے باز نہیں آ رہے تھے۔ مرنے والی کی ایک ایک خاصیت، ایک ایک ادا اور اس کے رکھ رکھاؤ کی باتیں کر رہے تھے۔

"بڑی مہذب اور ملنسار خاتون تھی، کبھی اس نے مہمانوں کی گستاخیوں کے باوجود کسی بدتہذیبی کا مظاہرہ نہیں کیا۔"

"یہ سب باتیں خاندانی ہونے کی علامت ہیں۔"

"خدا جانے وہ کون لوگ تھے جنہوں نے اس معصوم کو گھر کی چار دیواری سے کھینچ کر بالا خانے تک پہنچا دیا۔"

"غضب کا رقص کرتی تھی۔ جسم کا ایک ایک عضو اس کے ساتھ ہی جھومتا رہتا تھا۔"

"کیا دھندا بھی کرتی تھی؟" ایک منچلے نے دبی زبان میں پوچھا۔

"خدا مرنے والی کی مغفرت کرے۔" دوسرے نے جواب دیا "میری معلومات کے مطابق وہ صرف ایک رقاصہ تھی۔"

"سب دنیا دکھاوے کی باتیں ہیں۔ غیب کا حال اوپر والا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"حسین عورت ایک بار بازار میں آ کر پیروں سے گھنگرو باندھ لے تو پھر اس کی پاکدامنی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔" ایک شخص نے حقارت سے کہا "رقص ایک فن ہے لیکن جب یہ فن بازار میں آ جاتا ہے تو پھر اور کئی روگ زبردستی اس

کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ گوشت خور جانور تو لاش کی ٹانگیں بھی کھینچ کر کسی ویران جھاڑی میں لے جاتے ہیں' جیتی جاگتی عورت تو حرامخوروں کے لئے بذات خود ایک دعوت نامہ ہوتی۔"

"خون آشام درندے سرشام ہی شکار کی تلاش میں دندناتے پھرتے ہیں' ان میں انسانیت برائے نام بھی نہیں ہوتی۔"

"کچھ بھی ہو عورت تھی بڑی وضعدار" ایک نے وضاحت کی۔

"جانے کتنے دلوں پر بجلی گرا کر خود بے خبر ہو گئی ...." دوسرے نے سرد آہ بھری۔

"اور یہ بھی کہو میرے یار کہ آج نہ جانے کتنی سہاگنوں نے اس کی موت پر سکون کا سانس لیا ہو گا" تیسرے نے دل جلے انداز میں تبصرہ کیا "بہتوں نے آج چراغاں کیا ہو گا کہ خس کم جہاں پاک۔"

"کچھ غور کیا تم نے ....؟" ایک شخص دوسرے سے سرگوشی کر رہا تھا "میڈیم نازنین کی میت اس کی کوٹھی کے بجائے شیرا استاد کے اڈے سے اٹھی ہے۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی" دوسرے نے دبی زبان میں کہا "ویسے تو ہم نے بھی سنا ہے کہ استاد شیرا لنگوٹ کا بڑا پکا ہے۔"

"سب کہنے کی باتیں ہیں۔" پہلا شخص معنی خیز انداز میں بولا "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔"

نازو مرچکی تھی اس کی روح اور جسم کا تعلق ٹوٹ چکا تھا۔ جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا لیکن کچھ لوگ ابھی تک اس رشتے کو اپنائے ہوئے تھے۔ وہ مرنے کے بعد بھی اسے زندہ رکھنے کے خواہشمند تھے۔ جانے کیوں وہ مرنے والی کی نجی زندگی کے بارے میں رائے دے رہے تھے۔ الیکشن میں کھڑے ہونے والے کسی امیدوار کی بات ہوتی تو دوسرا معاملہ تھا لیکن یہاں تو صورت اس کے بر عکس تھی۔ پھر وہ بلاوجہ اس کی زندگی کے تاریک پہلوؤں پر کیوں تنقید و تبصرہ کر رہے تھے۔ اگر وہ اس کے ہمدرد مونس و غمخوار تھے تو مہربلب کیوں نہیں تھے؟ اگر وہ اس کے دشمن اور مخالفین کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے تو پھر وہ اس کی زندگی میں اس کے سامنے سینہ سپر کیوں

نہیں ہو گئے؟ جنازے میں شریک ہو کر نیکی اور بدی' گناہ و ثواب کی سنی سنائی باتوں کو کیوں دہرا رہے تھے۔۔۔۔؟ کیا حاصل ہو رہا تھا انہیں کسی کو بے نقاب کر کے؟

میں دل پر جبر کئے سب کچھ سنتا رہا کئی بار میرے خون کی گردش تیز ہوئی۔ کئی بار میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا لیکن میں نے ہمت اور صبر سے کام لیا۔ میں چاہتا تو ان زبانوں کو منہ سے کھینچ کر جوتوں تلے روند سکتا تھا۔ ان نگاہوں کو بے نور کر سکتا تھا جو ایک میت کو بھی میلی نظروں سے دیکھنا اپنا پیدائشی حق سمجھ رہی تھیں۔ میرے ایک اشارے پر شیرا کے سر پھرے نوجوان ان کی تکا بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے لیکن وہ بھی دل پر پتھر رکھنے پر مجبور تھے۔ شیرا نے تو زندگی میں بھی نازنین کو کبھی تماشہ بنانے کی غلطی نہیں کی تھی پھر وہ یا اس کے ساتھی مرنے کے بعد اس کی جگ ہنسائی کا سبب کس طرح بن سکتے تھے۔ اب تو میرے اور نازنین کے درمیان ایک رشتہ بھی قائم ہو گیا تھا .... پھر اس رشتے کے تقدس کو کس طرح پامال کیا جا سکتا تھا۔ مجبوریاں ہی تو ہیں جو انسان کو کبھی کبھی بزدلی کے مظاہرے پر اکساتی رہتی ہیں۔!

میں بڑے صبر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ راجو اور خان دلاور میرے ساتھ ساتھ تھے۔ شیرا ایس پی چوہان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ ساجد کریمی ایک طرف الگ تھلگ نظر آ رہا تھا۔ اچھا ہی ہوا جو اس نے میرے آس پاس آنے کی حماقت نہیں کی' شاید نازو کی موت کے وقت وہ میرے جملے سے اس نفرت کا تھوڑا بہت اندازہ لگا چکا تھا جو میرے اندر موجود تھی۔

نازو کی موت جن پر اسرار حالات میں ہوئی تھی اس نے ہم سب کو ششدر کر دیا تھا' میرے ذہن میں بار بار سفید ریش بزرگ کے آخری جملے گونجنے لگتے۔ شاید اس نے ٹھیک ہی کہا' نازو کی موت ہی اس کے لئے دائمی سکون کا واحد ذریعہ تھی۔ وہ زندہ رہتی' میرے ساتھ رہتی تو میں اس کی خوشیوں کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا تھا لیکن ان زبانوں پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا تھا جو زندگی کے ہر موڑ پر ہر راستے پر اس کے ماضی کی یاد تازہ کر کے اس کے رستے ناسوروں کو کرید سکتی تھیں۔ ان میلی نگاہوں کے درمیان کوئی دیوار کھڑی کرنا میرے بس میں نہیں تھا جو مرنے والی کی طرف کسی بھی محفل یا میلے ٹھیلے میں اٹھ سکتی تھیں۔ شاید خدا کے اس برگزیدہ

بزرگ نے نازو کی مشکل کو سمجھ لیا تھا۔۔۔۔۔ یوں بھی بار بار مرنے سے ایک بار مر جانا زیادہ اچھا ہے۔!

میرے ذہن میں متعدد خیال گڈمڈ ہو رہے تھے' نازو نے میرا ساتھ چھوڑ کر ایک بار پھر مجھے میری تنہائی کا بڑی شدت سے احساس دلایا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ نازو کے بغیر زندہ رہ بھی سکوں گا یا نہیں۔۔۔۔؟ اس کی یادیں قدم قدم پر مجھے تڑپاتی رہیں گی۔ وہ مجھ سے روٹھ کر دنیا سے منہ موڑ جاتی تو اور بات تھی لیکن اسے مجھ سے چھین لیا گیا تھا۔ ہم نے جس آشیانے میں زندگی گزارنے کے عہدو پیمان کئے تھے وہ بسنے سے پہلے ہی اجاڑ دیا گیا تھا۔

کبھی میرے دل میں آتا کہ میں بقیہ زندگی کسی ویرانے میں جا کر نازو کی یاد میں بسر کر دوں گا۔ لیکن یہ محض وقتی اور جذباتی خیال تھا۔ شیرا حالات کے تحت اب مجھے کہیں جانے کی اجازت شاید ہی دیتا' نازو کے ساتھ جانے کی اور بات تھی۔ وہ نازو کا ہمدرد تھا' اس کا دوست تھا۔ اس نے ایس پی چوہان کی موجودگی میں نازو سے دوست' بیٹی اور بہن جیسے مقدس رشتے قائم کئے تھے۔ وہ ان کو دوسروں کی ناپاک نظروں سے بچانے کی خاطر ہمیں خود سے علیحدہ کر رہا تھا مگر اب بساط کا رخ پلٹ گیا تھا۔ حالات بدل گئے تھے .... کبھی میں شیرا کے بارے میں سوچنے لگتا کبھی اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرنے لگتا اور کبھی نازو کے تابوت کو دیکھنے لگتا جو میرے لئے اب ایک خواب بن چکی تھی۔ شیرا کے ساتھی اسے بڑی عقیدت سے کاندھا دے رہے تھے۔ کبھی نازو کی یاد آنسوؤں کی شکل میں میری پلکوں سے چھلکنے لگتی تو راجو رندھی ہوئی آواز میں مجھے سہارا دیتا۔

"ہمت سے کام لو برادر۔۔۔۔۔ ہم خدا اور اس کے قانون سے نہیں لڑ سکتے۔"

"میں نازو کا قاتل ہوں راجو!" میں تڑپ کر بمشکل اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے مدھم آواز میں کہتا "اگر میں نے اسے اپنانے کی ضد نہ کی ہوتی تو شاید ...."

"قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔" راجو سرد آہ بھر کر کہتا "اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔"

"لیکن۔۔۔۔۔ نازو کی جدائی کا تصور مجھے کبھی سکون کا سانس نہ لینے دے گا'

میں کیسے زندہ رہوں گا راجو!"

"وقت کا مرہم بڑے سے بڑے زخم کو بھر دیتا ہے برادر!" وہ میرا ہاتھ تھام کر کہتا "میری بدقسمتی پر بھی تو غور کرو۔۔۔۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کو بہن کہا تھا لیکن وہ بھی چلی گئی ...."

قبرستان تک ہمارے درمیان جذباتی جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا پھر جب نازو کی لاش کو قبر میں اتار دیا گیا تو میں ضبط نہ کر سکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ خان دلاور اور راجو میری نازو کو دفنانے میں مشغول تھے اس لئے شیرا لپکتا ہوا میرے قریب آ گیا۔

"نہیں شہزادے نہیں.........."

"استاد!" میں شیرا کے وجود سے لپٹ گیا "میں نازو کے بغیر.........."

"چپ ہو جا شہزادے!" شیرا نے مجھے تھپکی دے کر کان میں سرگوشی کی پھر پشت تھپک کر بولا "میں جو زندہ ہوں' اور تو کیا سمجھتا ہے کہ شیرا کا دل نہیں پھٹا...... ایسا نہیں ہے' میرے اندر بھی کوئی شے کم ہو گئی ہے' ہم برسوں کے ساتھی تھے' دور دور ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت قریب تھے......... اب بھی رہیں گے" شیرا نے بڑے اعتماد سے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ "مجھے احساس ہے شہزادے کہ تقدیر نے تیرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا......... مگر یہ کیوں بھول رہا ہے کہ قسمت بنانا تو انسان کے اپنے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو استاد' لیکن دل جیسے اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا ہے۔۔۔۔" میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"ہوتا ہے .... ایسا ہوتا رہتا ہے" شیرا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "قدرت اپنے سر پھرے بندوں کا امتحان لیتی رہتی ہے' وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا .... گزرتا رہتا ہے .... یہ دن بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے .... ایک ذرا ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے شہزادے' اس پر بھروسہ رکھ جس نے موت اور زندگی کو اپنے اختیار میں رکھا ہے .... وہ کسی کو مایوس نہیں کرتا۔"

نازو کی قبر پر پھول ڈالتے ہوئے میرے اندر پھر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی لیکن یہ قدرتی امر تھا' ایک ناخن ذرا گہرا کٹ جائے تو انسان بلبلا اٹھتا ہے' قریبی رشتے تو

بڑی بات ہیں' راجو اور خان دلاور نے مجھے بے قابو ہونے سے روک لیا۔

"صبر کرو لاڈلے ...." خان دلاور نے کہا "آنسو بہاؤ گے تو مرنے والی کی روح پر بوجھ ہو گا۔ اس کے حق میں ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعائیں کرو۔۔۔ خدا اس کے تمام گناہ بخش دے اور اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے میں اس کی مغفرت فرما دے' اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔"

"آمین ...." راجو نے کہا۔

پھر ہم قبرستان سے سیدھے دارالاسلام آ گئے۔ ایس پی چوہان ہمارے ساتھ تھا اس نے ساجد کریمی کو راستے ہی سے واپس کر دیا تھا۔ وہ جہاندیدہ شخص تھا۔ اس موقع پر ساجد کریمی کو میرے سامنے لانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سات آٹھ افراد موجود تھا جن میں وزیر خان بھی شامل تھا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر چوہان نے شیرا سے کہا۔

"نازنین کی موت جن پر اسرار حالات میں ہوئی ہے میں بھی اس کا چشم دید گواہ ہوں لیکن اس کے باوجود میں تمہارا ایک بیان لینا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"کس سلسلے میں۔۔۔۔" شیرا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"مجھے غلط مت سمجھو۔۔۔۔" چوہان نے دوستانہ انداز میں کہا "میں نے صرف تمہاری خاطر لاش کا بلاوجہ پوسٹ مارٹم ضروری نہیں سمجھا لیکن کوئی دوسرا فریق بعد میں بھی کبھی اس مسئلہ کو کھڑا کر کے تم لوگوں کو ذہنی اذیت پہنچا سکتا ہے۔ تمہارے بیان اور میرے تصدیق کر دینے کے بعد ایسی کوئی صورت پیدا نہیں ہو گی۔۔۔"

چوہان کی تجویز معقول تھی اس لئے شیرا نے اپنا بیان دے دیا' راجو کے علاوہ میں نے اور وزیر خاں نے بھی اس پر اپنے دستخط کئے تھے' چوہان قانونی کارروائی مکمل کرنے کے بعد رخصت ہو گیا تو کچھ دیر مکمل سکوت طاری رہا' ماحول پر اداسی مسلط تھی۔ ہر شخص ملول اور افسردہ نظر آ رہا تھا۔ میں سر جھکائے اپنے خیالوں میں گم تھا جب شیرا نے مجھے مخاطب کیا۔

"شہزادے۔۔۔۔ یہ موقع مناسب نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تم سے اپنے دل کی کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"تم کہو استاد!" میں نے نظر اٹھا کر شیرا کی طرف دیکھا "میں اب بھی تمہارے کسی فیصلے سے انکار نہیں کروں گا۔"

"فیصلہ اب میرے ہاتھ میں نہیں رہا" شیرا نے افسردہ لہجے میں کہا "نازنین کے جسم پر سبز چادر کی موجودگی نے میری جڑوں کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے .... آج مجھے اپنے اس بے گناہ باپ کی یاد بڑی شدت سے آ رہی ہے جو زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی شاید خدا کے حکم سے میری حفاظت کرتا رہا ہے' وہ سچائی کا علمبردار تھا۔ حق اور باطل کی جنگ میں وہ ہمیشہ حق کے راستے پر سینہ تانے ڈٹا رہا' وہ غریب ہونے کے باوجود بہت بلند خیالات اور ارادوں کا مالک تھا۔ زندگی جیسی بے وقعت اور حقیر شے کو اس نے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ ایک انسان کے قانونی فیصلے پر ہنستا مسکراتا دنیا سے رخصت ہو گیا .... اس نے رحم کی کوئی درخواست نہیں کی تھی .... سب جانتے تھے کہ وہ بے قصور تھا لیکن کبھی کبھی انسان کا بے قصور ہونا بھی بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے ...." شیرا ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "نازنین بھی بے گناہ تھی۔ اس نے کیچڑ میں رہ کر بھی خود کو کنول کے پھول کی طرح شگفتہ اور شاداب رکھا تھا لیکن نتیجہ کیا ہوا ....؟ وہ زندگی کو زندگی کی طرح ایک گھریلو عورت بن کر گزارنے کی حسرت لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئی .... خدا کے کسی برگزیدہ بزرگ نے نہ جانے کن مصلحتوں کی بنا پر اس بدنصیب کو ابدی نیند سلا کر دنیا کے ہنگاموں سے آزاد کر دیا .... اور .... وہ متبرک چادر چھوڑ گیا جس کی خوشبو ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

شیرا سبز چادر کے تذکرے پر اداس ہو گیا' اس کی آواز بھرا گئی' دل پر قابو پانے کی خاطر اس نے آنکھیں بند کر لیں کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور بڑی نرم آواز میں بولا۔

"شہزادے .... اب میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں' تم جہاں چاہو رہ سکتے ہو لیکن اس شرط پر کہ خود کو کبھی تنہا نہ سمجھنا۔۔۔۔ انسان کبھی تنہا نہیں ہوتا' جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہتا ہے۔ ہم اس راز کو نہیں پا سکے تو یہ ہماری اپنی بدقسمتی

ہے۔۔۔۔“

”براور اور میں دارالاسلام میں رہیں گے“ راجو نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

”لاڈلے۔۔۔۔۔“ خان دلاور نے ٹھوس آواز میں مجھے مخاطب کیا ”کچھ میرا حق بھی بنتا ہے تیرے اوپر۔۔۔۔۔ کبھی مجھے بھی خدمت کا موقع دے دیا کر۔“

ان سب کی باتوں میں میرے لئے محبت تھی' پیار تھا' خلوص اور اپنائیت تھی' شیرا کی باتوں نے خاص طور پر میرے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ میں نے اسے نظر بھر کر دیکھا لیکن کچھ کہہ نہ سکا' اس کی محبت اور نازو کی یاد آنسو بن کر میری آنکھوں سے چھلک اٹھیں' میں نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

رات گئے تک وہ میرے پاس بیٹھے مجھے دلاسہ دیتے رہے' دنیا کی رسم نبھاتے رہے پھر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو راجو نے کہا۔

”براور .... وہ جو ایک بار روٹھ کر چلے جاتے ہیں دوبارہ کبھی واپس نہیں آتے' انسان ہمدردی کے ناتے ایک دوسرے کو تسلیاں ہی دے سکتا ہے' اور اس کے اختیار میں کچھ ہے بھی نہیں' جس پر گزرتی ہے' جس کا دل زخمی ہوتا ہے درد کی شدت کا احساس اس کے علاوہ کوئی اور نہیں لگا سکتا۔۔۔۔۔ زخم بھرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ابھی تک کوئی ایسا تریاق ایجاد نہیں ہوا جو پلک جھپکتے میں مرنے والوں کی یادوں کو چھو منتر کر دے .... لیکن دانشوروں کا قول ہے کہ انسان انسان کا دارو ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے دل کا حال احوال کہہ ڈالے' گلے مل کر رو لے تو دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ میری تمہاری کوئی عزیزداری نہیں ہے لیکن دوستی سب سے مقدس رشتہ ہے' میں نے تمہیں دوست کہا ہے' دوست سمجھا ہے اس لئے ایک چھوٹی سے درخواست کر رہا ہوں“ راجو نے بڑی اپنائیت سے کہا ”میرے لئے اگر کوئی خدمت ہو تو کبھی اس سے دریغ نہ کرنا .... میں تمہارے کسی کام آ گیا تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔“

”میں جانتا ہوں راجو .... تمہارے دل میں میرے لئے بہت گنجائش ہے“ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا ”جیل سے رہا ہونے کے بعد یہ دنیا' یہ ماحول اور سب کچھ مجھے بڑا اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں وہی پہلا جیسا رشید احمد تھا لیکن

شاید میرے حالات نے اردگرد کے ماحول کے تمام رنگ تبدیل کر دیئے تھے۔ میں جب اس شہر میں داخل ہوا تھا تو میرے دل میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ ایک ہی آرزو تھی .... میں ڈاکٹر بن کر اپنے بوڑھے باپ کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کر سکوں لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وقت کے ایک ہی تھپیڑے نے مجھے بے گناہ ہوتے ہوئے بھی خطرناک مجرم بنا دیا' اپنے ناکردہ گناہوں کے سلسلے میں تین سال تک قید بامشقت کی سزا کاٹتا رہا' میرا مستقبل ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا رہا' اس کو سمیٹنے کی خاطر میرے پاس کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ شیرا سے ملاقات نہ ہوتی تو شاید باہر آنے کے بعد سکون کا ایک ایک سانس میرے اوپر محال ہو جاتا' شیرا نے میرا ہاتھ تھام کر مجھ پر جو احسان کیا وہ میں زندگی کی آخری سانسوں تک بھی فراموش نہیں کر سکوں گا .... جیل کی گھٹن سے چھٹکارا پانے کے بعد تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر مجھے جینے کا سہارا دیا .... میں تمہارا بھی احسان مند ہوں راجو ....“

”دوستوں کے درمیان احسان کا حساب کتاب نہیں ہوتا براور ....“ راجو نے پہلو بدل کر کہا ”دوستی تو اس جذبے کا نام ہے جس کے آگے تمام جذبے ہیچ ہیں۔۔۔۔ برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟“

”کہو!۔“

”میں تمہارے آنے سے پہلے بھی نازنین کا نام سن چکا تھا' دو ایک بار ملنے کا اتفاق بھی ہوا تھا' میں پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے دل میں کبھی اس کے خلاف کوئی برا خیال نہیں آیا تھا لیکن میں اسے اچھا بھی نہیں سمجھتا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ معاشرے میں جس نام سے یاد کی جاتی تھی وہ نام ہی اچھا نہیں تھا مگر تمہاری نسبت سے جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ مجھے اجلے پانی کی طرح صاف و شفاف نظر آئی' میری اپنی کوئی بہن نہیں تھی' میں نے اسے بہن سمجھ لیا۔ پھر وہ تمہارے رشتے سے میری بھابی بھی بن گئی“ راجو کی آنکھوں میں عقیدت کے آنسو چھلکنے لگے ”ہاں براور' میرا تو مرنے والی کے ساتھ دوہرا رشتہ تھا لیکن قدرت نے دونوں رشتے مجھ سے چھین لئے۔۔۔ کیا مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہوا ہو گا۔۔۔۔؟“

راجو کی باتوں نے میرے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتے

والے آنسو بڑے انمول تھے' وہ محبت اور عقیدت کے آنسو تھے جن میں کوئی تصنع کوئی بناوٹ' کوئی کھوٹ شامل نہیں تھا۔ ہم ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے ایک دوسرے کا غم بانٹتے رہے پھر رات زیادہ بھیگنے لگی تو میں اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا' راجو اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

بستر پر لیٹا تو نازو کی یاد نے مجھے پھر تڑپا دیا' مجھے اس کی باتیں یاد آنے لگیں' معصوم معصوم اور سیدھی سادھی باتیں' مجھے وہ دن یاد آیا جب میں گاؤں سے رخصت ہوتے وقت آخری بار اس سے ایک کھیت کی منڈیر کی آڑ میں ملا تھا وہ کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح سہمی سہمی نظر آ رہی تھی' میری آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے یوں شرما کر نظریں جھکا لیتی تھی جیسے نادانستگی میں اس سے کوئی گناہ سرزرد ہو گیا ہو' میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے حسین وجود کی تمام رعنائیوں کو ہر زاویے سے دل کی گہرائیوں میں نقش کر رہا تھا۔

"یہ تو اس طرح آنکھیں پھاڑے مجھے پڑ پڑ کیا گھورے جا رہا ہے؟" نازو نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا "تو نے تو مجھے باتیں کرنے کو بلایا تھا۔"

"باتیں ہی تو کر رہا ہوں۔۔۔۔" میں نے شوخی سے جواب دیا "آنکھوں آنکھوں میں کیا تجھے میری باتیں سنائی نہیں دے رہیں؟"

نازو کھلکھلا کر ہنس پڑی' کچھ دیر تک ہنستی رہی پھر میرا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو سنا ہے کہ انسان ساٹھ سال کا ہونے کے بعد سٹھیا جاتا ہے .... تو تو ابھی سے بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے .... بھلا آنکھیں بھی کہیں باتیں کرتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر زبان کی کیا ضرورت تھی۔۔۔؟"

"زبان تو تجھے اللہ میاں نے سہیلیوں کو منہ چڑانے کی خاطر دی ہے" میں نے مسکرا کر کہا "غلط تو نہیں کہہ رہا۔۔۔؟"

"چل چھوڑ ان باتوں کو ...." وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی .... "بتا تو نے مجھے یہاں ملنے کو کیوں بلایا تھا؟"

"کیوں .... کیا تجھے میرا بلانا اچھا نہیں لگا یا یہ جگہ تجھے کاٹنے کو دوڑ رہی ہے۔۔۔۔؟"

"یہ بات نہیں ہے ...."

"پھر کیا بات ہے .... ۔؟" میں نے اس کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق کو دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"کسی نے ہمیں یہاں چھپ چھپ کر باتیں کرتے دیکھ لیا تو لوگ باتیں بنانی شروع کر دیں گے" وہ نظریں جھکا کر بولی پھر اس کے گلابی رخسار خون کی تمازت سے سرخ ہو گئے جھلا کر بولی "کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ چودھری نیاز احمد کا پتر نواز سانڈ کی طرح سارا سارا دن کھیتوں میں چکر لگاتا رہتا ہے۔"

"کیا تجھے چودھری نواز سے بہت ڈر لگتا ہے ....؟" میں نے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"لگتا تو ہے ...." نازو نے بھولپن سے کہا پھر تملا کر بولی "وہ اور اس کے یار بیلی سب ہی چھٹے ہوئے بد معاش ہیں۔ لڑکیوں کو تو اس طرح گھور گھور کر دیکھتے ہیں جیسے کچا ہی چبا جائیں گے اور .... آنکھوں سے بیہودہ بیہودہ اشارے بھی کرتے ہیں۔ اللہ بچائے ان کی کمینگی سے' مجھے تو سرداراں کا خیال آتا ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"کیا ہوا تھا سرداراں کو۔۔۔۔؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"کیا مطلب ....؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا "کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان کم ذات لوگوں نے سرداراں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"

"مجھے کیا معلوم ....؟" میں نے نازو کو چھیڑنے کی خاطر کہا "میں کوئی ان کے ساتھ تو نہیں تھا۔"

"اور کیا تجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس غریب نے کنویں میں چھلانگ کیوں لگا دی تھی ....؟" نازو نے بدستور مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا' اس کی آنکھیں غصے کے مارے سرخ ہو رہی تھیں' مجھے اس کی وہ کیفیت بڑی پیاری لگ رہی تھی اس لئے میں نے پھر بات بنائی۔

"یہ بات تو لوگوں نے کہی ہے .... کیا پتہ سرداراں کسی کام سے کنویں کی منڈ پر چڑھی ہو اور پھر اس کا پاؤں پھسل گیا ہو۔"

"اس کا پاؤں نہیں پھسلا تھا بلکہ نواز اور اس کے ساتھیوں نے زبردستی اس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا۔۔۔۔۔ سرداراں بڑی غیرت والی تھی اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اس بدنامی کے داغ کو اپنے لہو سے دھو ڈالے گی اور پھر دوسرے ہی دن اس نے خودکشی کر لی تھی" نازو روانی میں سب کچھ کہہ گئی پھر اچانک سہم کر بولی "شیدے، مجھے چودھری نواز اور اس کے ساتھیوں سے بڑا خوف آتا ہے۔ ایک دوبار وہ مجھے بھی نگاہوں نگاہوں میں الٹے سیدھے اشارے کر چکے ہیں .... تو چلا گیا تو ان کو اور کھلی چھٹی مل جائے گی۔"

"خدا پر بھروسہ رکھ نازو" میں نے اسے تسلی دی" اس کے حکم کے بغیر کوئی پتہ بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔"

"لیکن تو ڈاکٹری پڑھ کر کیا کرے گا ....؟ یہاں رہ کر چاچا برکتے کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتا؟"

"تو ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھے گی" میں نے اس کے سراپا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا "جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گا اور تجھے ڈولی میں بٹھا کر اپنے محل سے جیسے مکان میں لے جاؤں گا تو پھر تو گاؤں کی نازو نہیں رہے گی .... شہر کی ملکہ بن جائے گی۔"

"اور اگر کچھ ہو گیا تو بعد میں تو کیا کر لے گا ....؟"

"میں تیرے دشمنوں کو کتوں کی طرح گلیوں میں رگید رگید کر ماروں گا .... یہ میرا وعدہ ہے۔"

"لیکن تو جانے سے باز نہیں آئے گا۔۔۔۔۔!" نازو نے مجھے عجیب امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار ہو کر دیکھا، ان آنکھوں میں نہ جانے کتنے ادھورے خواب مچل رہے تھے۔ کتنی امیدیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں، کتنی حسرتیں تھیں جو زبان خاموش سے اس کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

میرے پاس نازو کو دینے کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔ میں باپ کے خوابوں کی تعمیل سے منحرف ہونے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ غریب دن رات محنت و

مشقت کر کے آنے والے تابناک مستقبل کے حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے خوابوں کو اپنے ہاتھوں سے کس طرح چکنا چور کر سکتا تھا؟ میں نے نازو کو تسلی دینے کی خاطر پہلی بار ہاتھ تھام کر اسے اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا، وہ شرمائی تھی، لجائی تھی لیکن میں نے جدائی کی ان آخری گھڑیوں میں اسے خود سے دور نہیں ہونے دیا، ہم دونوں بہت دیر تک ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن سنتے رہے پھر اچانک قریب کہیں کھٹکا ہوا تو ہم چونک کر علیحدہ ہو گئے۔ منڈیر کی دوسری جانب جوہڑ کے پاس دنبوں کا ایک جوڑا طاقت کا مظاہرہ کرنے کی خاطر ایک دوسرے کو سر سے ٹکریں مار رہا تھا۔

نازو مسکراتی ہوئی بھاگ گئی، وہ میری اور اس کی آخری ملاقات تھی پھر درمیان میں ماہ و سال کا طویل فاصلہ آ گیا تھا۔ قسمت نے ہمیں دوبارہ ایک دوسرے سے ملایا لیکن تقدیر نے ہمیں ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ میں جانے کب تک نازو کی یاد کے سہارے خود کو بہلاتا رہا پھر تھک کر ہار کر سو گیا!

—— .... ——

کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو انسان ایک لمحے میں کر گزرتا ہے لیکن کچھ فیصلوں تک پہنچنے کی خاطر اسے برسوں بیت جاتے ہیں اور وہ ڈھلمل یقین ہی رہتا ہے میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیتوں سے گزر رہا تھا، نازو سے دوبارہ ملاقات نہ ہوتی تو شاید زندگی کسی نہ کسی طرح رواں دواں رہتی لیکن نازو نے راستے میں آ کر میرے شب و روز میں جیسے ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ ہمارے درمیان وقت کی جو خلیج حائل تھی وہ اس روز ختم ہو گئی تھی جب راجو مجھے اس کی کوٹھی پر لے گیا تھا، میں پہلی نظر میں اسے شناخت نہیں کر سکا تھا، اس کے رکھ رکھاؤ میں جو زمین و آسمان کا فرق آ گیا تھا اس نے مجھے یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ میری نازو ہو سکتی تھی۔ پھر اسی نے اشاروں اشاروں میں مجھے ماضی کی باتیں یاد دلا کر میرے وجود کے اندر ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔

وہ میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش تھی، میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر

لیا لیکن نازو نے فوراً" ہی جذبات میں بہک کر مجھ سے قریب آنے کی کوشش نہیں کی' وقت' حالات اور زمانے کی تیز رفتار نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا' وہ زندہ تھی .... صرف میری خاطر لیکن میرے قریب آ جانے کے بعد وہ مجھ سے کترا رہی تھی' جن حالات نے اس کے گرد خطروں کا گھیرا ڈال رکھا تھا وہ اسے پھلانگ کر عبور کرنے سے قاصر تھی اس لئے مجھے اپنے آپ سے دور رکھنا چاہتی تھی لیکن میری ضد نے اسے مجبور کر دیا۔ وہ میرے قرب کی تپش سے پگھل کر موم ہوئی تو اس نے ہتھیار ڈال دئے۔

شیرا نے ہمیں ان خطروں سے بہت دور بھیجنے کے سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے لیکن کاتب تقدیر کے فیصلوں کے آگے ہماری تمام خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئیں' نازو صرف ایک رات کے لئے دلہن بنی' سہاگ کے جوڑے میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ شاید اس کے رنگ و روپ کو خود میری ہی نظر لگ گئی' اس رات وہ بہت خوش تھی' بات بات پر مسکرا رہی تھی' قہقہے بکھیر رہی تھی بالکل اسی طرح جیسے کئی روز کی موسلادھار بارش کے بعد آسمان سے بادلوں کا راج ختم ہو اور دھوپ نکھر کر فضا کو منور کر دے .... اس رات نازو نے میری گردن میں باہیں ڈال کر بڑی شوخی سے کہا تھا۔

"شیدے .... میں تیرے آگے ہار گئی۔"

"یہ ہار نہیں پگلی' جیت ہے" میں نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ کر کہا "ہماری محبت کی جیت ......"

"مجھے یقین نہیں تھا کہ قسمت میرے اوپر اس طرح اچانک مہربان بھی ہو سکتی ہے ...." وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی حسرت سے بولی "میں نے تو سوچ لیا تھا کہ نازو مر چکی ہے' کبھی زندہ نہ ہو سکے گی۔"

"بری بات ہے نازو ...." میں نے اسے پیار سے "سمجھایا "خوشی کے موقع پر ایسی کڑوی باتیں نہیں کرتے۔"

"شیدے .... ایک بات پوچھوں' سچ سچ بتائے گا" وہ مجسم سوال بن گئی' اس کی غزالی آنکھوں میں اندیشے سمٹنے لگے "تجھے میری قسم .... جھوٹ نہ بولنا۔"

"بات کیا ہے ....؟"

"پہلے وعدہ کر کہ تو میرا دل رکھنے کی خاطر غلط بیانی نہیں کرے گا۔"

"وعدہ ...." میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا تو نے سچے دل سے مجھے اپنایا ہے ....؟" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

"نہیں ...." میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا "یوں ہی موج میلے کے لئے تجھ سے نکاح کر لیا ہے۔"

"میرے لئے یہ بھی بہت ہے ...." وہ اچانک بے حد افسردہ ہو گئی' اس کی کٹورا جیسی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تو میں نے جلدی سے کہا۔

"اے نازو .... کیا تو سچ مچ دیوانی ہو گئی ہے؟ .... بھلا میں اور تجھے کبھی دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"میں زمانے سے بہت خوفزدہ ہو گئی ہوں شیدے" اس نے میری خاطر اپنے گداز ہونٹوں پر بڑا معصوم تبسم جگا کر کہا "تو ایک لمحے کو بھی مجھے تنہا نہ چھوڑنا ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا .... جانے کیوں مجھے اب ایسا ہی لگتا ہے جیسے خوشیاں مجھے راس نہیں آئیں گی' جیسے کوئی طوفان ہماری مسرتوں کی اوٹ میں چھپا ٹھاٹھیں مار رہا ہے ...."

"طوفان ہماری اوٹ میں نہیں .... ہمارے دل میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا تو اس کا چہرہ حیا کی سرخی سے تپ کر گلنار ہو گیا' اس کی آنکھوں میں جام چھلک اٹھے' میری اپنی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی' میں نے بے اختیار اسے اپنی کشادہ باہوں میں سمیٹ لیا' وہ چھوئی موئی کے معصوم پودے کی طرح خود اپنے وجود میں سمٹی جا رہی تھی۔ پھر جب طوفان گزر گیا تو میں نے بڑے پیار سے کہا۔

"نازو .... اب تو تمہیں یقین آ گیا کہ میری محبت سچی ہے!"

"مجھے زمانے سے ڈر لگتا ہے شیدے ...." اس نے آہستہ سے کہا "مرد کتنا ہی نرم دل ہو لیکن اپنی عزت پر کوئی حرف آ جائے تو وہ برداشت نہیں کر پاتا' آپے

سے باہر ہو جاتا ہے ...."

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو ...." میں نے اسے تسلی دی "فکر نہ کرو میں تمہیں اپنی پلکوں میں چھپا کر رکھوں گا۔"

"اور اگر کبھی کسی نے میری جانب انگلی اٹھا دی تو۔۔۔؟"

"تو میں اسے جڑ سے کاٹ کر پھینک دوں گا ...."

"تمہیں شیدے ...." وہ سہم کر بولی "ایسا کبھی نہ کرنا "میری خاطر.......... ورنہ تمہیں اگر کچھ ہو گیا تو میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟"

"میں تو مذاق کر رہا تھا ...." میں نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا "کچھ نہیں ہو گا' ہم ہمیشہ سکون اور آرام سے رہیں گے۔"

لیکن میری آرزو پوری نہ ہو سکی' نازو کا خوف درست تھا کہ شکاری کتے پاتال تک اس کا پیچھا کریں گے' شاید قدرت کو بھی یہ منظور نہیں تھا کہ نازو کو دوبارہ دنیا والوں کے ہاتھوں پامال ہونا پڑے' سفید ریش بزرگ نے بھی یہی کہا تھا کہ موت ہی نازو کے لئے دائمی سکون کا ایک واحد طریقہ باقی رہ گیا تھا۔

صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو میری آنکھیں برسنے لگیں۔ میں اس وقت راجو کے ساتھ نازو کی قبر پر کھڑا تھا' نازو کی قبر پر جانا میرا روز مرہ کا معمول تھا' راجو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتا تھا' وہ ہاتھ اٹھا کر نازوں کی مغفرت کی دعائیں مانگتا رہتا اور میں دل ہی دل میں نازو کے تصور سے باتیں کرتا رہتا تھا۔

"برادر ...." راجو نے مجھے روتا دیکھ کر کہا "ہمت سے کام لو جانے والے کبھی واپس نہیں آیا کرتے۔"

راجو نے غلط نہیں کہا' نازو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر ابدی نیند سو چکی تھی' اب بیدار ہونا اس کے اختیار میں نہیں تھا' میں نے ایک سرد آہ بھر کر اپنے آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کیا اور واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگا' راجو نے میرا دل بہلانے کی خاطر شیرا اور اس کے اڈے پر ہونے والے ہنگاموں کا ذکر چھیڑ دیا' میں اسے دکھانے کی خاطر باتیں کرتا رہا لیکن نازو کے چلے جانے کے بعد سے مجھے اب ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی' میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا' شیرا کی مہربانیوں اور

اس کے احسانوں کا خیال نہ ہوتا تو شاید اس کی دنیا کے ہنگاموں سے بھی کنارہ کش ہو کر کہیں دور چلا جاتا۔

"برادر!" راجو نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا "آخر کب تک مرنے والی کا سوگ مناتے رہے ہو گے' یہ اندر اندر کا گھلنا بھی ایک قسم کی خودکشی ہے۔۔۔ اور خودکشی حرام ہوتی ہے۔۔۔"

"میں سمجھتا ہوں راجو لیکن دل نہیں مانتا ...." میں نے افسردہ انداز میں جواب دیا "وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرو تو دل بہلنے لگے گا" راجو نے مجھے سمجھایا "اور کچھ نہیں تو چاقوزنی کی مشق ہی کر لیا کرو' استاد نے یہ فن تمہارے سوا کسی اور کو نہیں سکھایا۔"

چاقو زنی کے ذکر پر میرے ذہن میں انسپکٹر ساجد کریمی کا تصور جاگ اٹھا' مجھے ابھی تک شبہ تھا کہ جس بنگلے میں نازو میرے ساتھ سکون کے لمحے گزار رہی تھی اس کی نشاندہی ساجد کریمی ہی نے کی ہو گی' شیرا نے ایس پی چوہان اور اس کی موجودگی میں اقرار کیا تھا کہ نازو اس کی حفاظت میں ہے' ساجد کریمی کے لئے وہ اطلاع یقیناً اہم رہی ہو گی' دولت کی لالچ میں انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ یہ بات شیرا اور اس کے آدمی بھی جانتے تھے کہ ساجد کریمی ان سے بھی حصہ وصول کرتا تھا اور چودھری نواز کے گرگوں سے بھی ملا ہوا تھا' ایسے افراد آکٹوپس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں' ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر ساجد کریمی نے اسلم ڈنکا کے آدمیوں سے کوئی لمبی رقم وصول کر کے ہماری پناہ گاہ کی نشاندہی کر دی ہو۔

میرے ذہن میں دبی دبی چنگاریاں سلگنے لگیں' ساجد کریمی پہلے بھی میری فہرست میں شامل تھا' مجھے اس سے کچھ حساب کتاب کرنا تھا' میری زندگی میں زہر گھولنے والا بھی وہی تھا' اسی نے مجھے بے گناہ گرفتار کر کے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے مجرموں کے درمیان تین سال قید بامشقت کی سزا پوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا' اس وقت بھی وہ ایک تنظیم کے ہاتھوں بکا ہوا تھا' اس کا اصل شکار کاظم پاشا تھا' میں تو بس اتفاقاً اس کے راستے میں آ گیا تھا۔ میرے زخموں کی کھرنڈ پھرا کھڑنے لگی' میں نے اس سے

نازو کی موت کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا' مجھے بس ایک موقع کی تلاش تھی اور اتفاق سے وہ موقع مجھے اسی شام مل گیا۔

میں راجو کے ساتھ دارالاسلام میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ساجد کریمی کی موت اسے وہاں کھینچ لائی' وہ اس وقت سادے لباس میں تھا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"بہت خوش نظر آ رہے ہو انسپکٹر!" راجو نے اسے چھیڑنے کی خاطر معنی خیز انداز میں کہا "لگتا ہے کہیں اونچا ہاتھ مارا ہے۔"

"ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں ہے ...." ساجد کریمی نے ایک صوفے پر خود کو گراتے ہوئے کہا پھر مجھے دیکھ کر قدرے سنجیدگی سے بولا "تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔۔۔۔۔"

"ابھی تک سینے کے اندر ایک الاؤ روشن ہے" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا "کسی کروٹ چین نہیں آ رہا۔"

"کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں۔۔۔۔۔؟" اس بار ساجد کریمی نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد مدھم لہجے میں بولا "جو کچھ تمہارے ساتھ گزری ہے اس پر مجھے افسوس ہے لیکن ...."

"اب ان باتوں سے کیا حاصل انسپکٹر ...." میں تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا .... مقدر کے لکھے کو کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔"

میں تیزی سے پلٹ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا' میرے اوپر جنون طاری ہو رہا تھا' میں نازو کی موت کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا' ساجد کریمی کے آخری جملوں میں ندامت کا اظہار تھا' شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا لیکن اب وقت گزر چکا تھا' کسی کے مکان کو جلا کر خاکستر کر دینے کے بعد سلگتی راکھ پر پانی ڈالنے کو ہمدردی یا ندامت کے خانے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میری اذیتوں اور محرومیوں کی طویل فہرست کے مقابلے میں ندامت کا ایک جملہ بڑا ناکافی تھا' پیاس کی شدت میں اگر چند قطرے حلق میں ٹپکائے جائیں تو پیاس کم نہیں ہوتی' اور بھڑک اٹھتی ہے' میری بھی یہی کیفیت تھی' ساجد کریمی نے اپنے خیال میں میرے زخموں پر مرہم لگانے

کی کوشش کی تھی لیکن میرے اندر سلگنے والی چنگاریوں نے بھڑک کر شعلے کا روپ اختیار کر لیا تھا۔

میں نے الماری کھول کر صرف ایک چاقو منتخب کیا' مجھے اپنے نشانے پر ناز تھا' شیرا کی تربیت پہلے بھی عملی مظاہروں میں میرے کام آ چکی تھی' میں قدم اٹھاتا دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو راجو اور ساجد کریمی کسی بات پر کھل کر قہقہہ لگا رہے تھے لیکن پھر ساجد کریمی کا قہقہہ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گیا' میرے ہاتھ میں کھلا چاقو دیکھ کر راجو بھی چونکا تھا لیکن ساجد کریمی کی حالت ایک دم ہی غیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں موت کے سائے کپکپانے لگے۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں۔ شاید اسے میری طرف سے اچانک اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"برادر ...." راجو نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"اب کوئی سفارش نہ کرنا راجو!" میں نے بدستور ساجد کریمی پر نظر جمائے ہوئے سفاک لہجے میں کہا "مقدر کے لکھے کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔"

ساجد کریمی کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے یوں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جیسے سکتے کی حالت سے دوچار ہو' موت کے بھیانک تصور نے شاید اس کی تمام قوتوں کو منجمد کر دیا تھا۔ راجو بھی ایک لمحے کو ششدر رہ گیا۔

میں نے اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا' قبل اس کے کہ راجو مجھے روکنے کی کوشش کرتا یا ساجد کریمی کو بچانے کی خاطر کوئی تدبیر اختیار کرتا میں اپنا کام کر گزرنا چاہتا تھا لیکن عین اسی وقت وہی پر اسرار آواز میرے کانوں میں گونجی جسے میں پہلے بھی سن چکا تھا۔

"اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کا انداز یہ نہیں ہوتا جو تم نے اختیار کیا ہے۔"

"پھر .... میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟" میرے ذہن نے سوال کیا "سکون کی تلاش میں کب تک بھٹکتا رہوں؟"

"سکون کی تلاش ہے تو خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ .... انتقام ایمان کی نفی ہے .... کسی سے محبت کرنے والے تو سچائی کی تلاش میں قیامت تک

سرگرداں رہتے ہیں .... تم ابھی سے ہمت ہار بیٹھے۔"

پھر اس سے پیشتر کہ میں کوئی جواب دیتا وہی سفید ریش بزرگ میری نظروں کے سامنے نمودار ہوئے جنہوں نے تازہ کے جسم پر سبز چادر ڈالی تھی۔ ڈرائنگ روم میں مشک و عنبر کی سحر کن خوشبو پھیلی تو میرے اعصاب کا تناؤ ٹوٹ گیا۔

"لاؤ .... یہ چاقو مجھے دے دو ...." سفید ریش بزرگ نے ہاتھ بڑھا کر چاقو میرے ہاتھ سے لے لیا "جو وقت گزر گیا اسے بھول جاؤ جو گزر رہا ہے اس کی قدر کرو۔۔۔ کوئی آواز کان میں پڑے تو اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی عادت ڈال لو۔"

میں تصویر حیرت بنا سب کچھ سن رہا تھا' سفید ریش بزرگ کی نگاہوں کی تپش میرے وجود کو ڈانوا ڈول کر رہی تھی' میرے ذہن پر ایک عجیب سی غنودگی طاری ہو رہی تھی پھر اچانک میں ہوش میں آگیا' راجو اور ساجد کریمی ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے۔

مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ لمحے کہاں گم ہو گئے جب میں نے ساجد کریمی کو تلخی سے جواب دیا تھا پھر اسے مارنے کے ارادے سے اپنی خوابگاہ میں جا کر چاقو لایا تھا۔۔ کیا وہ اس بزرگ کی کرامت تھی یا محض میری سوچ تھی ....؟ میں ابھی خود کو کریدنے میں محو تھا کہ مغرب کی اذان کی آوازیں میرے کانوں میں گونجنے لگیں۔ میں مشینی انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے برادر۔۔۔۔۔!" راجو نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو۔۔۔۔۔؟"

"کوئی مجھے آواز دے رہا ہے ...." میں نے نظریں جھکا کر کہا پھر جواب کا انتظار کئے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔ سفید ریش بزرگ کا جملہ صدائے بازگشت بن کر میرے وجود کا احاطہ کر رہا تھا۔۔۔۔۔

"جو وقت گزر گیا اسے بھول جاؤ .... جو گزر رہا اس کی قدر کرو۔۔۔۔۔"

ختم شد